خلیفہ ہارون الرشید
اور
ان کا عہد



خلیفہ ہارون الرشید اور ان کا عہد

مولفہ

رئیس احمد جعفری (ندوی)

مقبول اکیڈمی سرکلر روڈ چوک اردو بازار لاہور

2003ء

اہتمام
ملک مقبول احمد

مقبول اکیڈمی
سرکلر روڈ چوک اُردو بازار لاہور

قیمت : 350 روپے

جی الیف پرنٹرز، لاہور

میجر ڈاکٹر خلیل الرحمٰن صدیقی کے نام

ملاحظات

یہ کتاب عہدِ ہارون الرشید کی مفصل اور مکمل تاریخ نہیں ہے۔ مفصل اور مکمل تاریخ لکھنے کے لیے جس علمی سرمایہ، یکسوئی اور فراغِ خاطر کی ضرورت ہے وہ کہاں میسر۔ یہ تو صرف عہدِ ہارون اور خاص طور پر ہارون اور آلِ برمک کے اہم ترین واقعات و حوادث پر مشتمل ہے۔ اور سچ پوچھئے تو ہارون کی زندگی کا یہی دور سب سے زیادہ اہم اور قابلِ مطالعہ ہے۔

اس کتاب میں ہارون کی سیرت، کردار، اخلاق و عادات اور فتوحات و کشورکشائی، تنعم اور فارغ البالی کا تذکرہ کرنے کے بعد اس ہارون کا تعارف بھی کرایا گیا ہے۔ جو روایات و حکایات الف لیلہ اور اغانی میں موجود ہے۔ ہارون کی زندگی اور کارناموں کا تجزیہ کرنے کے بعد آلِ برمک اور ہارون کے تعلقات، اور ان تعلقات کے انجام پر سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد ہارون اور اس کے عہد کا ایک دلآویز مرقع نظر کے سامنے آجاتا ہے۔ اور یہی مولف کا مقصد ہے۔

رئیس احمد جعفری
۸۹۔ ٹیگور پارک، لاہور

افتتاحیہ

بنو اُمیہ کے کھنڈر پر عباسیوں نے اپنا قلعہ تعمیر کیا۔ ظلم و جور، سفاکی اور شقاوت ستم رانی اور خونِ ناحق جس طرح بنو اُمیہ کا (الا ماشاء اللہ) شعار تھا۔ اسی طرح بنو عباس بھی (باستثنائے معدودے چند) اس فن میں طاق اور شہرۂ آفاق تھے۔ لیکن بعض خصوصیات کے اعتبار سے ان دونوں خاندانوں نے اپنا ایک خاص امتیاز بھی قائم رکھا۔ یہ صحیح ہے کہ امیر معاویہ سے لے کر مروان حمار کے آخری فرمانروا تک صرف عمر بن عبدالعزیز کو مستثنیٰ کر کے ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اس دَور کو خلافتِ راشدہ کا ہم پایہ کہا جا سکے یا کم از کم خالص اسلامی حکومت کے اثرات اس کے نظامِ مملکت پر نمایاں ہوں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس دَور میں فتوحات اور توسیعِ مملکت کا جو شاندار سلسلہ شروع ہوا وہ تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش باب ہے۔ اسی طرح خاندانِ بنو عباس بھی اپنے سارے دورِ حکومت میں اس خصوصیت سے محروم نظر آتا ہے جو ایک خالص اسلامی حکومت کی ہونی چاہیے، نہ خلفاء میں وہ بات تھی کہ حقیقی معنوں میں ابوبکر و عمر و عثمان و علی کے جانشین کہے جا سکیں نہ نظامِ حکومت میں وہ شان تھی کہ جسے اس نظامِ حکومت کا نمونہ قرار دیا جا سکے جو فتح مکہ سے لے کر آخر عہدِ خلافتِ مرتضوی تک نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ عباسیوں کا طویل دورِ حکومت جہاں کشور کشائیوں اور فتح یابیوں سے عبارت ہے وہاں علمی ترقیوں کے اعتبار سے بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ دُنیا کے تمام

علوم وفنون اس زمانہ میں عربی نے اپنے دامن میں سمیٹے۔ مردہ قوموں کے مردہ علوم کو بھی عباسیوں نے زندہ کیا اور انہیں چار چاند لگا دیئے۔ اگر عباسیوں نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو منطق کیمیا، فلسفہ، فلکیات، طب اور دوسرے علوم وفنون شاید آج ابتدائی حالت میں ہوتے۔ وہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے عباسیوں کے دورِ حکومت میں ان علوم کو اپنایا اور کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

تاریخ کا یہ بڑا دلچسپ موضوع ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے زمانہ علوم وفنون نے ترقی کے کیسے کیسے مدارج طے کیے۔ عباسیوں کے عہد کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں ایک نئے کلچر، ایک نئی تہذیب اور ایک نئی معاشرت کی بنیاد پڑی۔ اس کلچر، اس تہذیب اور اس معاشرت کا اگرچہ اسلامی تعلیمات سے کوئی خاص تعلق نہ تھا لیکن اس کے کشش انگیز ہونے میں کلام نہیں۔

یہی وہ زمانہ ہے جب خلفاء کے درباروں، اُمراء کی مجلسوں اور فن کاروں کی محفلوں میں جہاں شراب کا دور چلتا تھا چنگ ورباب کی آوازیں بلند ہوتی تھیں، رقص و نغمے کے کمالات رہزنِ تمکین و ہوش اور دشمنِ ایمان و آگہی نظر آتے تھے وہاں دولت کی فراوانی، مالِ غنیمت کی غلط تقسیم اور عیش وعشرت کی زندگی نے ایک عجیب ماحول پیدا کر دیا تھا۔ خلیفہ ہارون رشید کے عہد میں سوسائٹی کے یہ کمالات نصف النہار یعنی حد عروج پر نظر آتے ہیں۔ ہارون کا عہدِ حکومت اگر نظر کے سامنے ہو تو اس عہد کا پورا خلاصہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس لیے کہ ہارون اور وزیر اعظم جعفر برمکی کے اشتراک وتعاون نے بغداد کو معہدِ فضل و کمال، مرکز علم و ادب اور سرچشمۂ فنون بنا رکھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ایک بہت بڑی ٹریجڈی ہے کہ جعفر اپنی یادگار خدمتوں، شاندار کارناموں اور ناقابلِ فراموش فیاضیوں کے باوجود ہارون الرشید کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ قتل ایک شخص کا نہ تھا ایک پورے دَور کا قتل تھا۔ ایک مخصوص تمدن، تہذیب اور معاشرت کا قتل تھا بلکہ اگر یہ کہا جائے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا کہ انسانیت کا قتل تھا۔

بادشاہوں اور فرمانرواؤں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہی رہتے ہیں، چھوٹوں کے بھی اور

بڑوں کے بھی، غریبوں کے بھی اور امیروں کے بھی، وزراء اور شاہی خاندان ان کے افراد تک فرمانرواکی نحوست آشامی کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ جو لوگ کسی سلطنت کے بنانے میں اس کی تعمیر و تشکیل میں، اس کے عروج و فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ انتہائی خلوص، بے نفسی اور وفاداری کا مظاہرہ کر چکنے کے بعد بھی فرمانروا کی تلوار سے نہیں بچ پاتے۔ تاریخ میں اس طرح کے صدہا واقعات محفوظ ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر ایک مستقل دفترِ عبرت ہے۔ لیکن جعفر کا قتل اپنے اندر کچھ ایسی مظلومیت رکھتا ہے کہ آج تقریباً بارہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی اتنا تازہ ہے کہ کل کا واقعہ معلوم ہوتا ہے جیسے یہ واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے گزرا ہے۔ اور کسی طرح بھی اس کا فراموش کرنا ممکن نہ ہو۔

جعفر ایک نومسلم خاندان کا فرد تھا۔ نومسلم ہونے کے باوجود اس خاندان نے اسلام کی گراں بہا خدمات انجام دیں۔ یہ خاندان نہ ہوتا تو سلطنتِ عباسیہ استحکام حاصل نہ کر سکتی۔ اسی خاندان نے ہارون کی خلافت کے لیے میدان صاف کیا۔ اس کے پاس وفا، خلوص اور بے لوثی کی جتنی پونجی تھی وہ سب اس نے اپنے فرمانروا پر صرف کر دی۔

اس خاندان کے پاس مال و زر کی کمی نہ تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے برامکہ کے گھر میں ہن برستا ہے۔ ان کے در سے کوئی محروم نہ گیا، علماء آتے تھے شادکام و بامراد واپس جاتے تھے۔ حکماء آتے تھے اور ان کا دامن سیم و زر سے بھر دیا جاتا تھا، شعراء آتے تھے اور جو مانگتے تھے پاتے تھے۔ نادار اور حاجت مند آتے تھے اور اپنی مراد لے کر جاتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس گھر میں ہر درد کا درماں موجود ہے۔ ہر پریشان حال، آشفتہ روزگار اور برگشتہ وقت کے لیے برامکہ کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ یہاں آنے کے بعد نہ پریشان حالی باقی رہتی تھی نہ آشفتہ روزگاری نہ برگشتہ بختی یہاں عہدے اور مناصب ملتے تھے جاگیریں بخشی جاتی تھیں، انعامات عطا کیے جاتے تھے۔ آن کی آن میں نادار تونگر اور بے زر زردار بنا دیا جاتا تھا۔ یہاں آنے کے بعد حالات بدل جاتے تھے۔ قسمت پلٹ جاتی تھی۔ گردشِ چرخ اور ستم ہائے روزگار کے واقعات افسانۂ کہن بن جاتے تھے۔

یہ تھا خاندانِ برامکہ!

یہ تھا جعفر برمکی!

اور یہ خاندانِ برامکہ آن کی آن میں اس طرح برباد ہوگیا جیسے عالمِ وجود میں آیا ہی نہ تھا۔ یہ جعفر برمکی اس طرح قتل کیا گیا جیسے اس سے بڑا مجرم و خطا کار دُنیا نے آج تک پیدا ہی نہ کیا تھا۔

جو دوسروں کی قسمت بدل دیتا وہ اپنی قسمت نہ بدل سکا۔

جو دوسروں کو جلّاد کی تیغ سے بچا لیتا تھا خود اس کی گردن جب زیرِ تیغ آئی تو اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ سر جھکا دے اور اپنی آخری پونجی یعنی زندگی بھی نثار کر دے۔ جعفر نے ایسا ہی کیا اور تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید ہوگیا۔

ہارون اور جعفر کی دوستی اپنی مثال نہیں رکھتی تھی۔ ہارون اور جعفر کی دُشمنی بھی بے مثال تھی۔

تاریخ افسانے سے زیادہ دلچسپ ہوتی ہے۔ کیونکہ افسانہ ذہن و دماغ کی پیداوار ہوتا ہے اور تاریخ گزرے ہوئے واقعات کا آئینہ ہوتی ہے، ذہن و دماغ کے پیدا کیے ہوئے افسانے وہمِ باطل اور گمانِ فاسد بھی قرار دیے جاسکتے ہیں، لیکن زندگی کے اسٹیج پر پیش آنے والے واقعات تو حقیقت ہوتے ہیں اور حقیقت کو جھٹلانے کی جرأت کوئی نہیں کرسکتا۔

دُنیا کی تاریخِ ملوکیت میں ہر طرح کے واقعات موجود ملتے ہیں، لیکن دل کو کھینچنے والے اور طبیعت پر اثر ڈالنے والے واقعات وہی ہوتے ہیں جو اپنے اندر عبرت و موعظت کے پہلو پنہاں رکھتے ہوں۔ عہدِ ہارون کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کا دورِ حکومت ایسے واقعات سے پُر ہے جو حیرت و حسرت، نشاط و غم اور درد و لذت کے اشتراک سے کچھ عجیب سے بن گئے ہیں۔

جب کوئی فرمانروائے مطلق کسی کو معتوبِ بارگاہ قرار دیتا ہے تو نفسیاتِ عوام کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ لوگ بھی اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ جب بادشاہ کسی

کو قتل کرتا ہے تو عام اس سے کہ وہ بے گناہ ہو یا خطا کار لوگ اس فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں نہ صرف تسلیم کر لیتے ہیں بلکہ اس کے خلاف کوئی احتجاج بھی نہیں کرتے، اس کا ذکر بھی زبان پر نہیں لاتے، اسے بھول جاتے ہیں۔

ہارون کی تلوار نے کئی بڑی بڑی شخصیتوں کو قتل کیا، لیکن یہ قتل ایک حادثہ کی طرح رونما ہوا اور ذہن و دماغ نے اسے کچھ عرصے بعد فراموش کر دیا۔

لیکن کیا جعفر کے ساتھ بھی یہی ہوا؟

کیا جعفر کا قتل بھی لوگوں نے فراموش کر دیا؟

واقعات کا جواب نفی میں ہے۔

بے شک ہارون نے اپنی قوت کے بل سے کام لے کر خاندان برامکہ کو نابود کر دیا۔ جعفر کو قتل کر دیا، برامکہ کا ذکر خیر کرنے والا اور انہیں محبت سے یاد کرنے والا حکومت کا معتوب ہوتا تھا، مگر اس کے باوجود یہی ایک ایسا واقعہ ہے جس میں ہارون کی جبروت نے شکست کھائی، اس کی انا کو ہار ماننا پڑی، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی لوگوں کے دل و دماغ سے برامکہ کی عام طور پر اور جعفر کی خاص طور پر یاد نکالنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ یاد۔ جو عظمت، محبت اور عقیدت کی یاد تھی۔

ذرا بھی اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ ہارون کا قہر و غضب کیا صورت اختیار کرے گا ان شعراء تک نے جو ہارون کے زر خرید تھے مرثیے لکھے، ایسے مرثیے جو جگر فگار تھے، ایک ایک شعر جوش اور درد و غم کی تصویر تھا، شعر کے ہر ہر لفظ میں محبت کے چشمے ابلتے تھے، بغداد کے کوچہ و بازار میں، مجلسوں اور محفلوں میں، مسجدوں اور خانقاہوں میں، دیوانوں اور ایوانوں میں حتیٰ کہ محل شاہی تک میں اس خون ناحق کا ذکر آہوں اور آنسوؤں کے ساتھ ہوتا رہا اور ہارون اپنی مسلمہ قوت و جبروت کے باوجود اسے نہ روک سکا۔ کون آنکھ تھی جو اس غم میں اشکبار نہ ہو، کون دل تھا جو اس صدمے سے دو نیم نہ ہو۔ کون زبان تھی جو اس حاتم دوراں کے ذکر میں شب و روز مصروف نہ ہو۔

خلیفہ ہارون نے جعفر کو قتل کر دیا لیکن اس کے مداحوں اور ماتم گساروں کو قتل نہ

کر سکا۔ وہ کس کس کی زبان کاٹتا، کس کس کا سر قلم کرتا، کس کس کا دل چاک کرتا؟ یہ ناممکن تھا ہارون جیسے عظیم و جلیل فرمانروا اور شہنشاہ کے لیے بھی ناممکن تھا۔ صورتِ حالات یہ تھی کہ ہر متنفس گویا زبانِ حال سے جعفر کے مغنی ابوزکار کا یہ شعر جو اس نے کبھی جعفر کی محفل میں گایا تھا زیرِ لب پڑھ رہا تھا۔

ولو فدیت من حدث اللیالی   فدیتک بالطریف بالتلاد

(اور حوادثِ زمانہ کے مقابلے میں فدیہ دے کر تجھ کو بچایا جا سکتا، تو میں نئی پرانی سب چیزیں تیرے فدیے میں دے دیتا)

اس کتاب میں ہارون کی رنگا رنگ زندگی اور اس کے عہدِ حکومت کے متنوع اور پیچیدہ واقعات بیان کیے جائیں گے لیکن زیادہ اسی تفصیل سے جعفر کے عہدِ حیات کے واقعات بھی زیرِ بحث لائے جائیں گے تاکہ جہاں اس عہد کی حیرت انگیز ترقیاں منظر کے سامنے آجائیں وہاں اس عہد کی سفاکیاں اور خون آشامیاں بھی منظر سے اوجھل نہ ہونے پائیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ایک باب میں مختصر طور پر ہم خلفائے عباسیہ کا تعارف کرائیں گے، اس کے بعد خاص طور پر ہارون رشید کا، پھر ایک اور باب میں خاندانِ برامکہ کا اجمالی تعارف ہوگا اس کے بعد جعفر برمکی کے کارناموں پر تاریخی طور پر روشنی ڈالی جائے گی۔ اس تعارف کے بعد پوری صحت کے ساتھ اصل واقعات و حقائق پیش کیے جائیں گے۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابوں سے میں نے خاص طور پر مدد لی ہے۔

۱۔ البرامکہ فی ظلال الخلفاء

یہ کتاب محمد احمد برانق نے لکھی ہے اور دار المعارف مصر سے شائع ہوئی ہے اپنے موضوع پر نہایت کامیاب کتاب ہے۔ اُردو زبان میں اور عربی زبان میں اس کتاب کی ہم پایہ مشکل سے کوئی کتاب ملے گی۔ اختصار اور جامعیت، صحت اور استناد کا

دلچسپ مجموعہ ہے۔

مصنف کو سب سے بڑی سہولت یہ حاصل ہے کہ موضوع سے متعلق ایسے مصادر اور ماخذ تک بھی ان کی رسائی ہے جو کسی اور مصنف کو حاصل نہیں ہو سکی۔ خوش قسمتی سے گزشتہ کچھ عرصے سے تاریخ کی بعض نادر و نایاب کتابیں جو مرورِ ایام اور حوادثِ دہر سے بلف ہو چکی تھیں اور جن کا ذکر صرف کتبِ متداولہ میں ملتا تھا مستشرقین نے انتہائی جد وجہد کے بعد اور رقم خطیر صرف کر کے دنیا کے دور دراز گوشوں سے ان میں سے اکثر کتابوں کے نسخے فراہم کیے۔ پھر انہیں تصدیق و تصحیح اور اگر ممکن ہوا تو دوسرے نسخوں سے مقابلے کے بعد شائع کر دیا۔ یہ دولت مصنف کو بڑی آسانی سے مل گئی اور انہوں نے اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ خود مصر میں بڑے بڑے کتب خانے موجود ہیں۔ ان کتب خانوں میں متعدد نادر و نایاب کتابوں کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں۔ مصنف نے ان سے بھی پورا فائدہ اٹھایا۔ مشرقِ وسطیٰ کے بعض عرب ممالک میں بھی کچھ پرانے کتب خانے موجود ہیں۔ ان کتب خانوں میں بھی بعض گراں بہا کتابیں دستبرد زمانہ سے اب تک محفوظ چلی آئی ہیں۔ مصنف نے حتی الامکان ان سے بھی فائدہ اٹھایا، وہ خود ان کی طبع و نفاذ اور ذہن رسا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصنف نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ ہزاروں صفحے پڑھ کر اور ان سے قیمتی مواد حاصل کر کے چند سو صفحات میں اس طرح سمیٹ لیا ہے کہ تمام اہم چیزیں آ گئیں۔ کوئی بھی خاص اور قابلِ ذکر چیز چھوٹنے نہیں پائی۔

اس کتاب میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے زیادہ تر برامکہ کے حالات سے بحث کی گئی ہے۔

۲- اعلام الناس بما وقع للبرامکہ مع بنی العباس

یہ کتاب علامہ محمد المعروف بدیاب الاتلیدی کی ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں مصر میں چھپی۔ کتاب اپنے موضوع پر اچھی ہے لیکن اس میں بہت سی غیر متعلق باتیں بھی ہیں، مگر جو کام کی باتیں ہیں وہ کم نہیں ہیں۔ کافی مواد اس کتاب میں مل جاتا ہے۔ تقریباً دو سو صفحات

کی کتاب ہے۔ ٹائپ بہت باریک۔ ایک صفحہ میں اٹھائیس سطریں۔

۳۔ البرامکہ

یہ کتاب مولانا عبدالرزاق کانپوری کی ہے۔ مولانا نے تاریخ پر دو کتابیں لکھیں۔ ایک البرامکہ، دوسری، نظام الملک طوسی، اور کوئی شبہ نہیں تاریخی تحقیق و تنقید کے اعتبار سے یہ دونوں کتابیں اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ مولانا کو خدا نے علم بھی دیا تھا اور علم کے ساتھ قوتِ مدرکہ، اور قوتِ اخذ و استنباط بھی۔ یہ کتابیں لکھ کر انہوں نے علامہ شبلی جیسے مورخ یگانہ سے خراجِ تحسین حاصل کیا جو داد دینے میں بالکل فیاض نہیں تھے۔ یہ کتاب آج سے تقریباً پچاس برس پہلے لکھی گئی تھی۔ جس زمانہ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے اس وقت تک مصادر و ماخذ کا ذخیرہ عالم اسلام میں عام طور پر اور متحدہ ہندوستان میں خاص طور پر بہت کم تھا۔ لہذا مولانا کو انہی کتابوں پر قناعت کرنا پڑی جو ہندوستان میں دستیاب ہو سکیں۔ آج بھی اُردو کا مصنف اتنی سکت نہیں رکھتا کہ تحقیقاتِ علمی کے سلسلے میں ممالک غیر کا سفر کر سکے۔ لیکن آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے تو مصنف کے لیے علمی تحقیقات کے سلسلے میں ایک شہر سے دوسرے شہر تک جانا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔
ان مشکلات و موانع کے باوجود مولانا نے جو کچھ لکھا وہ انہی کا حق ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے موضوع کے ساتھ انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

۴۔ ہارون رشید

یہ کتاب مسٹر ای ایچ پامر کی ہے جو کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر تھے۔ اُردو میں اس کا ترجمہ حسام الدین نے کیا ہے۔ بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ کتاب بہت اہم معلومات کی جامع ہے۔ کسی قوم کی تاریخ پر جب غیر قوم کا کوئی آدمی لکھتا ہے تو اگرچہ اس کی نیت کتنی ہی نیک کیوں نہ ہو اور تحقیق و تدقیق اس کا شعار ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس سے غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ پامر سے بھی کہیں کہیں لغزشیں ہوئیں۔ لیکن ہم نے

خذ ما صفا ودع ما کدر - کے اُصول پر عمل کیا ہے۔ بعض فروگزاشتوں کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پامر نے اس کتاب کے مرتب کرنے میں بے انتہا محنت کی ہے اور جتنے مصادر اور ماخذ بہم پہنچ سکتے تھے ان سب سے کام لیا ہے۔

ہارون رشید کا زمانہ خاندانِ عباسیہ کے اوج و عروج کا زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں جملہ قسم کے علوم و فنون عربی زبان میں منتقل کیے گئے۔ یونان کے فلاسفر، ہندوستان کے پنڈت، عیسائی علماء، مجوسی حکماء۔ ان سب کو گراں قدر مشاہرے دے کر اور انعامات عطا کر کے اس نے اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ اور بغداد کو حقیقی معنی میں دارالحکمت اور بیت العلم بنا دیا تھا۔ یہ لوگ اپنے علم کو، اپنی زبان کے علوم کو خود اپنے نتائج فکر کو عربی زبان کے قالب میں ڈھالتے تھے۔ اور پھر عرب محققین اور مفکرین کی جماعت ان کو نقد و نظر کی کسوٹی پر جانچتی اور پرکھتی تھی۔ اس کی غلطیوں کی اصلاح کرتی تھی اور خود اپنی طرف سے بیش بہا اضافے بھی کرتی تھی۔ سب کچھ اس لیے تھا کہ ہارون رشید خود بھی بہت بڑا عالم تھا۔ علم سے اسے غیر معمولی شغف اور لگاؤ تھا۔ وہ حد درجہ علم دوست اور عالموں کا قدردان تھا۔ علوم و فنون اور شعر و ادب پر تھیلیوں کے منہ کھول دیتا تھا اور ہر ممکن طریقے سے شائقین کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

پامر صاحب نے دیانتداری کے ساتھ ہارون کی رزم و بزم کی داستان بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔

۵۔ کتاب الاغانی

یہ کتاب عربی زبان میں شعر و ادب کی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جس صفائی، چابک دستی اور مصورانہ فن کاری کے ساتھ اس کتاب میں شاعروں، ادیبوں، مغنیوں اور ان کے سرپرست امیروں، وزیروں اور بادشاہوں کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ اتنے دلچسپ ہیں کہ ایک مرتبہ شروع کرنے کے بعد ختم کیے بغیر قرار نہیں آتا۔

یوں تو یہ کتاب کئی ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے اور عرصہ دراز سے نایاب بھی ہے

لیکن مصر سے اس کی تلخیص شائع ہو چکی ہے۔ مولانا عبدالحق صاحب سیکرٹری انجمن ترقی اردو اور سید ہاشمی صاحب فرید آبادی نائب معتمد انجمن ترقی اردو کے ایما پر سولہ سترہ سال ہوتے ہیں سنے اس کا ترجمہ کیا تھا جسے فرید آبادی نائب معتمد انجمن ترقی اردو ہند دہلی نے شائع کیا تھا۔ میں نے اس کتاب کو بھی ہارون رشید اور اس کا عہد ترتیب دیتے وقت پیش نظر رکھا ہے۔ اس میں جو حکایتیں اور روایتیں بیان کی گئی ہیں۔ مورخانہ حیثیت سے وہ کچھ زیادہ بلند پایہ نہیں ہیں لیکن یہ سوال وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کوئی اہم یا نزاعی مسئلہ تاریخ کی روشنی میں بیان کرنا مقصود ہو۔ عہد ہارون رشید کے مخصوص حالات و کوائف پر تو اس سے استناد نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن عہد ہارون رشید کی معاشرت، موسیقی امراء کی داد و دہش، خلیفہ کی فیاضی، فن کاروں کا عروج، ادیبوں اور شاعروں کے واقعات، مغنیوں کے فنی کمالات، کنیزوں اور باندیوں کی بذلہ سنجی، حاضر جوابی، شوخی اور طراری، ادب و شعر میں ان کی دستگاہ کامل، ذوق سلیم اور انتہائی اونچا معیار زندگی، یہ سب چیزیں جو اپنے تواتر اور تسلسل کے اعتبار سے تاریخ بن چکی ہیں۔ ہمیں صرف کتاب الاغانی ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اگر عہد عباسیہ اور خاص طور پر عہد ہارون رشید کی مجلس طرازیوں، رنگ آرائیوں، ادب نوازیوں اور عیش و تنعم کی زندگی کا سراغ لگانا ہو تو اغانی سے بہتر اور اچھا ماخذ کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ عام طور پر محققین اور فضلاء کی جماعت اپنی تاریخی کتابوں میں جب شعر و ادب، رقص و نغمہ محفل و نشاط اور مجلس طرب کے واقعات بیان کرتے ہیں تو "اغانی" کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے یہی کتاب ہے جو انہیں اس موضوع سے متعلق نہایت مکمل اور جامع معلومات مہیا کرتی ہے۔

بلاشبہ عربی زبان میں محاضرات پر بہت سی کتابیں ہیں، قدیم بھی اور جدید بھی، لیکن کوئی کتاب بھی "اغانی" تک نہیں پہنچتی اور سچ تو یہ ہے کہ جب تک اغانی سے استفادہ نہ کیا جائے اس طرح کی کوئی اور کتاب لکھی ہی نہیں جا سکتی۔

میں نے عہد ہارون کی معاشرت اور ادبی ماحول کے سلسلے میں اسی کتاب کو پیش نظر رکھا ہے اگر ایسا نہ کرتا تو کتاب تشنہ اور نامکمل رہ جاتی اور میں اسے گوارا نہیں کر سکتا۔

۶- تاریخِ اسلام

علامہ سید سلیمان ندوی کی رہنمائی میں دارالمصنفین کے فاضل رفقا نے تاریخِ اسلام کے مختلف زمانوں پر نہایت مستند اور جامع و مانع کتابیں لکھی ہیں۔ ان کتابوں کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ عربی زبان میں اتنی مکمل مستند اور تحقیقی اعتبار سے بلند پایہ کتاب نہیں مل سکتی۔

تاریخِ اسلام کا وہ حصہ جو عہد بنو عباس پر مشتمل ہے مولانا شاہ معین الدین ندوی نے تحریر فرمایا ہے اور بلاشبہ اپنے موضوع پر یہ کتاب حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی کے مستند ترین مصادر سامنے رکھ کر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے۔ میں نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے اور فخر کے ساتھ یہ اعتراف کرتا ہوں کہ اگر یہ کتاب میرے پیشِ نظر نہ ہوتی تو شاید اپنی کتاب آسانی سے مرتب نہ کر سکتا۔

۷- عصر المامون

یہ ضخیم کتاب مصر سے شائع ہوئی ہے اور یوں تو ہارون کے بیٹے مامون کے عہد حکومت اور اس کے عہد کے زریں کارناموں پر مشتمل ہے، لیکن ان میں جستہ جستہ عہدِ ہارون سے متعلق بھی خاصا مواد مل جاتا ہے جو نہایت مفید اور دلچسپ ہے۔ میں نے اس سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس کا تمام و کمال ترجمہ اردو زبان میں شائع کیا جائے۔

۸- الفخری

عربی زبان میں تاریخ کی جتنی مستند، متداول اور مانی ہوئی کتابیں ہیں، الفخری شاید ان سب سے مختصر ہے لیکن اختصار کے باوجود جامعیت کا یہ عالم ہے کہ کئی ضخیم مجلدات پر بھاری ہے کہ صحت و استناد میں کوئی کتاب اس سے ٹکر نہیں کھاتی۔ اس کتاب کا سب سے

بڑا قابلِ تعریف اور لائق تقلید پہلو یہ ہے کہ مصنف نے کہیں بھی تاریخی واقعات پر اپنے تاثرات اور رجحان کو اثر انداز ہونے کا موقع نہیں دیا ہے یا کم از کم اسے ظاہر نہیں ہونے دیا، واقعات تاریخی کے ذکر میں تحقیق ہے اور ساتھ ہی ساتھ ناظرفدارانہ بیان۔ یہی چیز ہے جس نے اس کتاب کو صدورجہ وقیع بنا دیا ہے اور محققین کی بزم میں جب اس کا ذکر آتا ہے تو اعتراف میں گردن جھک جاتی ہے۔ میں نے اس کتاب کو بھی پیشِ نظر رکھا ہے۔

۹- الہارون

یہ مشہور عرب انشا پرداز اور مورخ عمر ابوالنصر کی مختصر لیکن جامع و مانع کتاب ہے فاضل مولف نے موضوع کو سمیٹنے کی پوری کوشش کی ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے ترجمہ محمد احمد صاحب پانی پتی نے کیا ہے اور اختتامیہ مولانا اسمٰعیل صاحب نے بڑی محنت سے مرتب کیا ہے۔

۱۰- المامون

علامہ شبلی نعمانی نے مشاہیرِ اسلام کا جو سلسلہ شروع کیا تھا اس کی ایک کڑی المامون بھی ہے۔ مولانا عباسی خاندان میں سب سے باعظمت خلیفہ ماموں کو سمجھتے تھے۔ اسی لیے نہایت تحقیق کے ساتھ اس موضوع پر انہوں نے قلم اٹھایا۔ ضمناً اس میں عہدِ ہارون کے بھی بعض واقعات ملتے ہیں جن کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہیں۔

۱۱- سیرۃ النعمان

امام اعظم ابو حنیفہ کی سوانح عمری علامہ شبلی نعمانی نے مذکورہ نام سے تصنیف فرمائی تھی اس کتاب میں جہاں امام اعظم کے حالات و سوانح پر بسط و تفصیل سے بحث کی گئی ہے وہاں اختصار و ایجاز کے ساتھ امام اعظم، تلامذہ، اور معاصرین کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ان میں سے وہ لوگ جو عہدِ ہارون اور جعفر برمکی سے تعلق رکھتے تھے میرے موضوع میں شامل تھے۔ ان

کے حالات وسوانح کے سلسلے میں اس کتاب سے جو مدد ملی ہے اس کا اعتراف میں اپنا فرض سمجھتا ہوں۔

۱۲- ادب الجاحظ

یہ کتاب حسن السندوبی کی تصنیف ہے۔ غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۱ء میں مصر سے شائع ہوئی تھی اپنے اُستاذ مولانا محمد سورتی صاحب کے پاس میں نے یہ کتاب دیکھی، پڑھنے کے لیے ان سے مانگ لایا، پھر اتنی پسند آئی کہ جب اُردو میں ترجمہ کر لیا تب واپس کی۔

اوپر جن کتابوں کا مذکور ہوا ہے ان سے تو خاص طور پر مؤلف نے استفادہ کیا ہے لیکن ان کے علاوہ بھی موضوع زیر بحث سے متعلق عربی زبان کے جملہ متداول اور مشہور و معروف مصادر پیشِ نظر رہے ہیں۔

ہارون رشید کے حالات وسوانح، اس کے عہد کے فتوحات، سیاسی معرکے، سازشیں، مخالفتیں، دراندازیاں، اس کی سیاسی قابلیت، اس کے مدبرانہ کارنامے، اس کی صولت و ہیبت، توسیعِ مملکت کے سلسلے میں اس کی سعی وکوشش، عرب قومیت سے اس کا تعلقِ خاطر، عربیت کے حفظ وبقا کے لیے اس کی جدّوجہد، اُس کے دربار، گھربار کے مناظر، واقعات اور کیفیات، اس کے عادات وخصائل، اطوار وشمائل، خصوصیاتِ مزاج، اس کی نفسیت اور جبلّت، اُس کے شمائل اور اوضاع، نیز اندازِ جہاں بانی اور فرمانروائی سے متعلق ایسی معلومات پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحیح مرقعِ منظر کے سامنے آجائے، نیز برامکہ کے عروج وزوال، داد ودہش، قدردانی، علم وفن اور عام اطوار واوضاع سے متعلق جو مواد پیش کیا ہے اس میں خیال رکھا ہے کہ کوئی اہم بات چھوٹنے نہ پائے اور تصور بے جا کا ارتکاب بھی نہ ہونے پائے۔

احمد برانق کی کتاب "البرامکہ تحت ظلال الخلفاء" سے میں نے کافی استفادہ کیا ہے۔ یہ مصر سے شائع ہوئی ہے اور اس میں فاضل مصنف نے بڑا قیمتی اور نایاب مواد جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا تعارف میں آغاز میں کرا چکا ہوں۔

"عہدِ ہارون" کی معاشرت، سوسائٹی اور عیش وتنعم سے جو مواد میں نے حاصل کیا ہے

وہ زیادہ تر کتاب الاغانی سے ماخوذ ہے کہ اس موضوع پر اغانی کے سوا کہیں اور مواد مل ہی نہیں سکتا۔

مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے "دلگداز" کے صدہا پرچوں میں اور اپنی دلچسپ کتابوں کے ہزار ہا صفحات میں عربوں کے عہدِ نشاط و تنعم کی جو داستانیں بیان کی ہیں، خلفاء بنو عباس اور بنو اُمیہ کے جو اثر انگیز، دل نشیں اور ناقابلِ فراموش واقعات تحریر کیے ہیں وہ تقریباً سب کے سب کہ اغانی ہی سے ماخوذ ہیں جنہیں انہوں نے آب و رنگ کے ساتھ اپنے مخصوص انداز میں بیان کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شرر کی عظمت و شہرت کا آغاز اغانی ہی کے مجلدات ہیں۔

نگار کے ابتدائی زمانہ میں مولانا نیاز فتحپوری بھی کبھی کبھی اپنے دلربا اور سحر طراز انداز میں اسی طرح کے موضوعات چھیڑا کرتے تھے ان کا ماخذ بھی یہی کتاب تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ اغانی ایسی کتاب ہے کہ جتنی پرانی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی جدید بنتی جارہی ہے۔ آنے والے دور میں بھی اس کتاب کی عظمت و اہمیت میں کوئی کمی نہیں آسکتی۔ کہ اس کی حالت وہ ہے

لکھی جائیں گی کتاب دل کی تفسیریں بہت!

یہ کتاب "کتاب دل" ہی تو ہے جس کی تفسیروں کا سلسلہ اُردو زبان میں گزشتہ سو سال سے زیادہ مدت ہوتی جارہی ہے اور نہ جانے کب تک جاری رہے گا اور عربی زبان میں تو اس کی عظمت اور علوئے مرتبت کی یہ کیفیت ہے کہ ادب و شعر اور محاضرات کی کوئی کتاب اس سے اب تک ہمسر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

بہرحال میں نے کوشش کی ہے کہ ہارون رشید کے ساتھ انصاف کروں، اس کی شخصیت کو اس کے کارناموں کو، اس کے کمالات کو اُجاگر کروں اور اُس نے جو نقش قائم کیا ہے اُسے جتنا زیادہ ابھار سکوں ابھاروں۔

لیکن میں نے خاندانِ برامکہ اور خاص طور پر کشتۂ ستم جعفر برمکی کے ساتھ بھی پورا پورا انصاف کرنے کی کوشش کی ہے۔

شخصی حکومتوں کا سب سے زیادہ تاریک پہلو یہی ہے کہ "بہ گاہے بہ سلامے برنجند گاہے بہ دشنامے خلعت دہند!" کوئی بات خلافِ مزاج ہوئی اور معتوب، جلاد کے حوالے

کیا گیا۔ اس کی املاک، جائداد، جاگیر ضبط کر لی گئی۔ اس کے عزیز اور رشتہ دار اور متوسلین چن چن کر ہدف جور بنا لیے گئے۔ خاندان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے کی شخصی حکومتیں آج سے زیادہ مستبد تھیں۔ اُن حکومتوں نے اپنے معماروں، محسنوں اور بھائیوں تک کو موت کے گھاٹ اتارنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کی اور خاندانِ عباسیہ نے تو اس سلسلے میں ریکارڈ قائم کر دیا۔

منصور نے ابو مسلم خراسانی کو موت کے گھاٹ دھوکا دے کر اتار دیا۔ حالانکہ وہ ابو مسلم خراسانی ہی تھا جس نے عباسی خاندان کو برسرِ اقتدار لانے کے لیے وہ سب کچھ کیا تھا جو ایک جینیس، کسی کام کا بیڑا اٹھانے کے بعد کر سکتا ہے۔

ہارون نے جعفر کو قتل کر دیا۔ حالانکہ ہارون کو ہارون بنانے والا صرف جعفر ہی تھا ہارون کی عظمت و رفعت میں خاندانِ برامکہ کا عام طور پر اور جعفر برمکی کا خاص طور پر بڑا ہاتھ ہے۔

مامون نے ذوالریاستین کی جان لی، حالانکہ اسی شخص کے طفیل وہ تختِ خلافت تک پہنچا تھا۔ اگر اس کی کارگزاری شامل نہ ہوتی تو شاید مامون کو محرومِ تمنا ہی رہنا پڑتا۔

اب اصل کتاب شروع کیجیے۔ تمہید و تعارف میں زیادہ وقت لینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔

رئیس احمد جعفری
۸۹۔ ٹیگور پارک، لاہور

مندرجات

خلیفہ ہارون رشید

اخلاق و عادات، حالات و سوانح، شکل و شمائل،

دورِ کشور کشائی

۹۶۲۸۰

مسند آرائے خلافت

دورِ شاہزادگی ہارون کا دورِ شاہزادگی ذہنی کش مکش، اضطراب اور ادبار و مصیبت کا دور تھا۔ اس کے باپ منصور نے ہادی کو ولی عہد نامزد کیا اور وصیت کی کہ ہادی کے بعد مسند آرائے خلافت اس کا چھوٹا بھائی ہارون ہوگا۔ تختِ حکومت پر بیٹھنے کے بعد ہادی نے باپ کی وصیت کا لحاظ نہ کیا۔ اور اپنے بیٹے کو خلافِ عہد ولی عہد نامزد کرنا چاہا۔ یحییٰ برمکی نے سمجھایا کہ ایسا کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اس نے کہا اگر عہد کے خلاف ہارون کو ولی عہدی سے خارج کر کے آپ نے اپنے نابالغ بیٹے جعفر کو ولی عہد بنانا چاہا تو جو لوگ آج آپ کے اس ارادہ کی تائید کر رہے ہیں کل ان کے لیے بہت آسان ہو جائے گا کہ اس مثال کو سامنے رکھ کر جعفر کی بجائے کسی اور شخص کو اپنی مرضی سے ولی عہد بنالیں۔ لہٰذا قرینِ مصلحت یہ ہے کہ ہارون کے بعد وصیت کر دیجیے کہ خلافت جعفر کو ملے گی۔ ہادی نے یہ مشورہ قبول نہ کیا اور یحییٰ برمکی کو حوالہ زندان کر دیا۔ ہارون کے یہ دن بڑے تعب اور کوفت میں گزرے اور ہر آن اُسے یہ اندیشہ تھا کہ کہیں قتل نہ کر دیا جائے۔

اسی دورِ ابتلا میں قسمت نے یاوری کی۔ خیزران ہادی کی ماں تھی اور خلیفہ مہدی کے زمانہ میں اس کے اقتدار و اختیار کی کوئی انتہا نہ تھی۔ ہادی نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد ایک طرف تو اُسے معطل کر دیا، دوسری طرف ہارون پر نہ ختم ہونے والی زیادتیوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ آخر خیزران نے ہادی کو جب کہ ابھی اسے سریر آرائے خلافت ہوتے صرف ایک

سال سے زیادہ مدت گزری تھی قتل کر دیا۔ اور اپنے چھوٹے بیٹے ہارون کے لیے میدان صاف کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۷۰ھ کا ہے۔ ابنِ خلدون نے اس روایت سے اختلاف کیا ہے، لیکن عام مورخین کا فیصلہ یہی ہے اور ابن خلدون کی رائے کو اس لیے اہمیت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اس طرح کی اُوپچ کا عادی ہے۔

ہادی کے انتقال کے بعد اسے یحییٰ برمکی نے تختِ خلافت پر بٹھایا۔ عوام وخواص سے اس کے لیے بیعت لی۔ اور عالمِ اسلام میں اس کے نام کا سکہ وخطبہ جاری ہوگیا۔ ہارون نے یحییٰ کی آغوشِ شفقت میں تربیت پائی تھی، وہی اس کا اتالیق تھا اور عین اس وقت جب کہ اس کے سر پر تلوار لٹک رہی تھی اور موت اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ وہ یحییٰ تھا جس نے اُسے ہلاکت سے بچایا۔

وہ یحییٰ تھا جس نے اُسے تختِ خلافت پر متمکن کیا۔

یہی وجہ تھی کہ ہارون اُسے بڑی محبت بھرے لہجے میں باپ کہا کرتا تھا۔ جب بھی اُسے مخاطب کرتا پدر بزرگوار کے لفظ سے یاد کرتا۔ احسان شناسی کا مزید ثبوت یوں دیا کہ اسے اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔

تخت نشینی

صاحب البرامکہ نے لکھا ہے :

شنبہ کی رات ربیع الاول ۱۷۰ھ ۲۰ ستمبر ۷۸۶ء کی سولھویں تاریخ کو بڑی دھوم دھام سے بمقام عیلی آباد ہارون رشید تخت نشین ہوا۔ مورخ صولی کا قول ہے کہ یہ رات بھی عجیب تھی جس میں ایک خلیفہ (موسیٰ ہادی) نے وفات پائی۔ دوسرا (ہارون) تختِ خلافت پر بیٹھا۔ تیسرا (مامون) عالمِ وجود میں آیا۔ جب صبح ہوئی تو ہارون کی بیعت عام طور پر ہو چکی تھی اور یحییٰ نے رات ہی رات کل انتظام کر کے ہارون الرشید کو تخت پر بیٹھا دیا تھا۔

سراپا

ہارون کا سراپا سیوطی نے اپنی تاریخ الخلفا میں یہ الفاظ ذیل کھینچا ہے۔

"ہارون الرشید حسین، دراز قد، فصیح البیان، عالم اور ادیب شخص تھا۔ ہر روز ایک سو رکعت نفل نماز ادا کرتا۔ اور روزانہ ہزار درہم خیرات کرتا تھا۔ اہلِ علم کو دوست رکھتا تھا، صوفیا کی عزت کرتا ریاکاروں اور بے دینوں سے نفرت کرتا اور اپنے گناہوں کو یاد کر کے اکثر رویا کرتا۔"

(تاریخ الخلفا صفحہ ۲۵۷)

ہارون کا دورِ حکومت

ہارون الرشید کے دورِ حکومت کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہر اعتبار سے اس کا دور ترقی اور کامرانی کا دور تھا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشے کو اپنی حوصلہ مندیوں اور اولوالعزمیوں سے نقطۂ عروج پہ پہنچا دیا۔ شعر و شاعری پر توجہ کی تو اس کی سرپرستی اور قدردانی نے ایسے ایسے شاعر پایۂ تخت میں جمع کر دیے جو زبان و بیان، نطق و کلام اور فکر و خیال کے امام تھے۔ جب اس نے فنِ غنا پر توجہ کی تو اس کی داد و دہش نے ایسے ایسے فن کار اور موسیقار بغداد میں جمع کر دیے جن کا جواب آج تک تاریخ پیش نہیں کر سکی۔ علم و حکمت کی طرف متوجہ ہوا تو بیت الحکمۃ قائم کر دیا جہاں دنیا کی تمام زبانوں کے علوم و فنون عربی زبان میں بڑی خوبی کے ساتھ منتقل کرنے کا سلسلہ شروع ہوا اور انتہائے کمال کو پہنچ گیا۔ سنسکرت یونانی اور دوسری زبانوں کے علوم و فنون سے متعلق جو کتابیں عربی میں منتقل کی گئیں انہیں ترجمہ کرنے والوں نے اس خوبی سے ترجمہ کیا کہ نئے نئے علوم و فنون کی بنیاد پڑ گئی عربی زبان میں تاریخ اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں اُن میں "الفخری" اپنی مثال آپ ہے۔ جامعیت اور استناد کے اعتبار سے اس کا پایہ اتنا اونچا ہے کہ کوئی مورخ بھی اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ابنِ طقطقی نے ہارون کے عہدِ حکومت پر جو رائے دی ہے وہ یہ ہے:۔

"اس کا دور بہترین تھا۔ اُس کے زمانہ میں حکومت کا بڑا وقار تھا، اس

میں بڑی رونق اور بڑی بھلائیاں تھیں، اُس کی سلطنت کا رقبہ بڑا وسیع تھا۔ دُنیا کے بڑے حصے سے خراج آتا تھا۔ والیٔ مصر اس کا ایک عامل تھا، اس کے دربار میں جتنے علماء، فقہاء، شعراء، کاتب، ندیم اور گوئیے جمع ہوئے وہ کسی خلیفہ کے دربار میں نہ تھے۔ وہ ان میں سے ہر ایک کو انعام دیتا تھا اور بڑے بڑے مدارج پر پہنچاتا تھا، خود بھی بڑا فاضل، شاعر، اخبار و آثار کا راوی اور صحیح المذاق تھا، خواص اور عوام سب کے دلوں میں اس کی اہلیت تھی۔"

ہارون کے دورِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے وقت کے ایک بڑے مورخ نے لکھا ہے:

"ہارونی عہد میں سلطنت نہایت مضبوط، ملک شاد آباد، خزانہ معمور اور رعایا مرفع الحال تھی۔ اس کو رعایا کی صلاح و فلاح کی اتنی فکر رہتی تھی کہ وہ بہ نفس نفیس اس کے حالات کی جستجو کرتا تھا۔ اس کی جستجو کے واقعات نے افسانوں کی شکل اختیار کر لی ہے لیکن یہ افسانے حقیقت سے خالی نہیں۔"

ہارون کا اندازِ حکمرانی

اس نے خراسان کے اپنے ایک عامل کو معزول کرنے کے بعد کہ وہ انتہائی ظالم اور مستبد تھا، ہرثمہ کو وہاں کا عامل بنایا، اور اس کے پروانۂ تقرری میں جو ہدایتیں دیں طبری میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ خاص خاص ہدایات یہ ہیں:

"میں تم کو خراسان اور اس کے تمام ماتحت علاقوں کا حاکم مقرر کرتا ہوں اور تم کو خدا کے خوف، اس کی اطاعت، اس کے احکام کی رعایت اور ان کی حفاظت کا حکم دیتا ہوں، جملہ امور میں کتاب اللہ کو اپنا رہنما بناؤ۔ اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھو، مشتبہ امور میں خود فیصلہ نہ کرو بلکہ دین کے واقف کاروں اور کتاب کے عالموں سے پوچھو۔ اور علی بن عیسٰی اور اس کے متعلقین کے پاس حکومت، عام مسلمانوں اور ذمیوں کا جس قدر مال ناجائز ہو اس کو وصول کر کے اُن کے مستحقین کو واپس پہنچا دو، اور مجرمین کو موٹے کپڑے پہنا کر میرے پاس بھیج دو۔ میں نے اس حکم میں اپنے نفس کی خواہش کے

مقابلے میں (ہارون علی بن عیسٰی کو بہت مانتا تھا) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور دین کی حرمت کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلے تم بھی اس کی تعمیل کرو اور جن جن علاقوں سے تمہارا گزر ہو وہاں کے حکام کے ساتھ ایسا طرزِ عمل اختیار کرو کہ وہ تم سے متوحش، مشتبہ اور خوفزدہ نہ ہوں۔ خراسان کے سرحدی علاقہ کے باشندوں کی خواہش کو پورا کرو اور ان کی معذرت قبول کر کے ان کو امان دو (سرحدی علاقوں کے باشندے علی بن عیسٰی کے ظلم و جور کی وجہ سے آمادۂ بغاوت ہو گئے تھے) اور ایسا طرزِ عمل اختیار کرو کہ جس سے اللہ تعالیٰ، خلیفہ اور رعایا سب کی خوشنودی اور رضامندی حاصل ہو۔"

علمی کارنامے

جیسا کہ ہم نے شروع میں بتایا ہے علمی اعتبار سے ہارون کا عہدِ حکومت نہایت شاندار اور قابلِ فخر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جو نعمتیں عطا فرمائی تھیں اُن میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ وہ بکھ لُٹ تھا۔ عالموں، فن کاروں اور ضرورتمندوں پر بے دریغ روپیہ صرف کر دینا اس کا شعار تھا۔ خطیب بغدادی نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ علم اور علماء، حدیث و محدثین، فقہ اور فقہاء، شعر اور شعراء سے اس کے غیر معمولی تعلقِ خاطر اور اس سلسلے میں بے محابا جود و عطا کا ذکر تفصیل سے کیا ہے۔ ادیبوں اور عالموں کا حد درجہ احترام کرتا تھا۔

اُس کا دربار ہر صنف کے اصحابِ کمال کا مرکز تھا۔ اس کے تمام وابستگانِ دولت اور متعلقینِ خاص اپنے اپنے کمالات میں منتخبِ روزگار تھے۔ خطیب کا بیان ہے کہ ہارون کے پاس جیسا نورتن جمع تھا وہ کسی فرمانروا کو میسر نہ آیا۔ اس کے وزیر برامکہ تھے، اس کے قاضی ابو یوسف تھے۔ اُس کا درباری شاعر مروان بن ابی حفصہ جیسا قادر الکلام تھا جو اپنے زمانہ کا جریر شمار کیا جاتا تھا۔ اُس کا ندیم عباس بن محمد تھا، اُس کا حاجب فضل بن عباس جیسا مرجع خلائق تھا۔ اُس کا مغنی ابراہیم موصلی جیسا یگانہ روزگار گویا تھا۔ اس کی بیوی ام جعفر (زبیدہ) مخیر خاتون تھی۔ جس نے نیکی اور رفاہِ عامہ کے بہت سے کام انجام دیئے۔"

آمدنی
63000000 دینار
31500000/- روپے سالانہ آمدنی (صرف خراج)

خلیفہ ہارون رشید کی سلطنت کی سالانہ آمدنی

ہارون رشید کے زمانہ میں خراج کی سالانہ آمدنی سات ہزار پانچ سو قنطار تھی۔ ایک قنطار آٹھ ہزار چار سو دینار کا ہوتا ہے اور بموجب تحقیق گبن اور دیگر مورخین کے دینار کم از کم پانچ روپے کا ہوتا ہے۔ اگر اس آمدنی کو روپوں میں معلوم کیا جائے تو سلطنت کے خراج کی سالانہ آمدنی ۳۱ کروڑ پچاس لاکھ روپے کی تھی۔ ہر صوبہ کا خراج الگ الگ مقرر تھا۔ علاوہ زر نقد کے خراج میں بہت سی دیگر اشیاء بھی سالانہ آتی تھیں مثلاً حلے، شکر، گلاب کی بوتلیں، زیت سیاہ، یمن کے تھان، کھجور، عودِ ہندی، ریشمی تھان، فرش خوشدار، فانیذ، گھوڑے، غلام، ہلیلہ، نقرہ چاندی، ریشم، شہد، فرشی چادریں، مندیل، باز (جانور)، رب الرمانین، انجیر، بچھڑے، زقم (قسم پھل)، سوزماہی وغیرہ۔ ہر صوبہ کا گورنر یا عامل ہوا کرتا تھا اور یہ رقم گویا بطور ٹھیکہ کے عاملوں سے لی جاتی تھی۔ اس طرح سے گویا یہ آمدنی سالانہ صرف خراج کی تھی۔ ٹیکس کی آمدنی کسی قسم کی نہ تھی۔ اس کے علاوہ عشر اور جزیہ اور زکوٰۃ کی الگ الگ آمدنی تھی۔ اور اگر وہ سب آمدنی اور اشیا کی قیمت ملالی جاتے تو قریباً چالیس کروڑ روپے سالانہ آمدنی تھی۔ 400000000

ماخذ: تاریخ اسلام حصہ سوم، الفخری، خطیب بغدادی، طبری، نیز البرامکہ، ہارون رشید (دپامر)۔

خلیفہ ہارون کی فوج کی تعداد

صوبوں کے گورنروں کو فوجی اختیارات ہوا کرتے تھے۔ ضرورت کے مطابق عامل جس قدر چاہے فوج نوکر رکھ سکتا تھا۔ اگر کسی صوبہ میں کوئی بغاوت نمودار ہوتی تو اس وقت اور فوج نوکر رکھ لی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں توپ، بندوق یا بارود کوئی چیز ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لیے صرف تیر، تلوار اور نیزے سے لڑائی ہوا کرتی تھی۔ زمانہ حال کی طرح ہمیشہ قواعد سکھانے یا ہمیشہ مشق کرانے کی ضرورت نہیں تھی۔ اگر کسی صوبے کا عامل یا گورنر بغاوت پر آمادہ ہو جاتا تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ ہارون رشید کسی دوسرے صوبہ کے عامل کو اس کی سرکوبی کے لیے روانہ کر کے بغاوت فرو کرا دیا کرتا تھا۔ ایسا موقع بہت کم آتا کہ جس میں

200000/- فوج

خلیفہ کو اپنی خاص فوج بھیجنے کی ضرورت ہوتی اور جب کبھی خلیفہ ہارون جہاد پر جاتا تو جہاد کا نام سنتے ہی تمام ملک آج کے والنیٹروں کی طرح لڑنے کے لیے اُمنڈ آتا تھا۔ اور ایسی ہی دیگر ضرورتوں کے وقت جس قدر فوج درکار ہوتی فوراً نوکر رکھ لی جاتی تھی۔ مامون رشید کے زمانہ تک فوج کی تعداد دو لاکھ تھی اور یہ فوج ہمیشہ کے لیے تھی۔ اس فوج کے سپاہیوں کا نام محکمہ دفترِ شاہی میں تحریر تھا اور ان کو ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی۔ یہی حال خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں تھا۔ غرضیکہ ہارون الرشید کی مقررہ فوج کی تعداد دو لاکھ تھی۔ اس جانباز فوج کے دلیرانہ کارنامے تاریخ شجاعت میں نہایت جلی اور سنہری الفاظ میں لکھے جائیں گے۔ اس میں عرب کی ایسی اقوام شامل تھیں جنہوں نے بہادری میں تمام دُنیا سے خراجِ تحسین حاصل کیا تھا۔

عہدِ فتوحات و کشور کشائی

ہارون کا عہدِ فتوحات و کشور کشائی اتنا روشن اور تابناک ہے کہ اس کی مثال اُموی اور عباسی اور بعد کی خلافتوں میں بھی مشکل سے ملے گی۔

وہ بڑا شجاع اور بہادر تھا، جنگ کے موقعوں پر لشکر کی قیادت خود کیا کرتا تھا۔ اگر ایسا نہ کرتا تو کبھی اس کے عہد میں دُنیا کے اتنے وسیع رقبہ پر اُس کا قبضہ نہ رہتا لیکن ساتھ ہی ساتھ اس میں غصہ بھی بلا کا تھا۔ پھر ایک عیب اس میں یہ تھا کہ وہ انتہا درجہ کا وہمی تھا۔ چغل خوروں کی باتیں غور سے سنتا تھا اور اُن پر فوراً یقین کر لیتا تھا۔ اگر اسے سلطنت کے کسی عہدہ دار کے خلاف جھوٹی سچی کوئی شکایت پہنچتی تو اس کے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ اُس وقت کوئی شخص اُس سے بات کرنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔ اگر دُشمن اُس کے قابو میں آ جاتا تو اسے عبرتناک سزا دیے بغیر نہیں چھوڑتا تھا۔ بہت کم ایسا ہوا کہ اس نے کسی دُشمن کو معاف کر دیا ہو۔

پامر نے ہارون کے عہدِ فتوحات و کشور کشائی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ہے:

> ہارون الرشید کے زمانہ کے بعض مورّخین اس کی اس قدر تعریف نہیں کرتے لیکن یہ بات خوب ذہن نشین کر لینا اور یاد رکھنی چاہیے کہ خلافت کی تاریخ میں ہارون کی سلطنت اور حکومت کا زمانہ ایک نہایت ہی اعلیٰ ترین اور شوکت و رونق کا زمانہ ہے۔ اس کی حکومت میں سلطنت کی حدود اتنی

وسیع ہو گئی تھیں کہ اتنی پھر کسی زمانہ میں نہیں ہوئیں۔ مشرقی دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ اور مغربی افریقہ کا ایک بہت بڑا حصہ اس کے زیر نگیں اور تابع فرمان تھا اور ان ملکوں سے اس کے خزانہ میں خراج آیا کرتا تھا۔ شہر بغداد اس زمانہ میں اپنے کامل عروج اور کامل رونق پر تھا۔

ہارون کی وفات کے فوراً بعد ہی بغداد کی رونق کم ہونا شروع ہو گئی اور سلطنت سے یکے بعد دیگرے صوبے نکلنا شروع ہو گئے اور خود خلفاء کی طاقت اور حکومت جلد جلد کم ہونے لگی۔ مسلمان مورخین اس سبب سے بھی گزشتہ شان و شوکت کے زمانہ کی تعریف کرتے ہیں اور ہارون کی سلطنت اور شوکتِ عظیم کو بیان کیے جاتے ہیں۔

ایک اہم معرکہ ہارون کا عہد بیرونی فتوحات کے لحاظ سے نہایت ممتاز ہے۔ اس کے زمانہ میں رومیوں کے ساتھ خاص طور سے بکثرت معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ بعض مہموں میں خود ہارون شریک ہوتا تھا اور بعض میں خاندانِ شاہی کے معزز ارکان کو افسر بنا کر بھیجتا تھا۔ رومی ممالک پر تقریباً ہر سال فوج کشی ہوتی تھی۔ ۱۸۱ھ میں خود ہارون نے صفصاف کا قلعہ فتح کیا اور اسی سن میں عبدالملک بن صالح ایشیائے کوچک میں انقرہ تک بڑھتا چلا گیا اور مطمورہ فتح کر لیا۔ ۱۸۷ھ میں قاسم بن رشید نے قرہ کا محاصرہ کیا اور عباس بن جعفر نے حصن سنان کا، یہاں کے لوگوں نے محاصرہ سے گھبرا کر تین سو بیس مسلمان قیدیوں کو جو ان کے ہاتھوں میں اسیر تھے رہا کر کے صلح کر لی۔

اس سلسلے کا سب سے اہم معرکہ ایشیائے کوچک پر حملہ تھا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ قسطنطنیہ کی ملکہ رینی (آئیرنی) ہارون کی باجگذار۔ رومیوں نے جب اس کو معزول کر کے نقفور (نیسی فورس) کو مقرر کیا تو اس نے ہارون کو لکھ بھیجا کہ ملکہ اپنے بچاؤ کے لیے تم کو رُخ کی جگہ استعمال کرتی اور اپنی خلقی کمزوری اور ضعفِ عقلی کی وجہ سے تم کو خراج دیتی تھی۔ حالانکہ تمہیں خود اس کو خراج دینا چاہیے تھا اس لیے میرا خط دیکھتے ہی جس قدر روپیہ تم وصول کر چکے ہو فوراً واپس کر دو ورنہ تلوار فیصلہ کرے گی۔

یہ خط پڑھ کر ہارون جوشِ غضب سے لبریز ہوگیا اور اسی کی پشت پر یہ جواب لکھ کر واپس کر دیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"امیر المومنین کی طرف سے روم کے کتے نقفور کو معلوم ہو کہ میں نے تجھ کافر بچے کا خط پڑھا تو اس کا جواب آنکھوں سے دیکھے گا"

یہ جواب بھیج کر اسی وقت فوجوں کو کوچ کا حکم دیا اور ایشیائے کوچک پر حملہ کر کے ہر قلہ فتح کیا۔ بہت سی آبادیاں برباد کر ڈالیں۔ نیسی فورمیں مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے اس کو خراج دے کر صلح کرنی پڑی۔ یہ سردی کا زمانہ تھا۔ مسلمان ایشیائے کوچک کی سردی برداشت نہ کر سکتے تھے اس لیے ہارون کے لوٹتے ہی وہ عہد و پیمان سے پھر گیا۔ ہارون کو راستے میں اس کی خبر ملی، وہیں سے وہ پلٹ پڑا، اور ایشیائے کوچک کو پوری طرح پامال کر کے واپس ہوا۔ اور دوسرے سال ۱۸۸ھ میں ابراہیم بن جبریل کو بھیجا۔ نیسی فور نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور اس کے ۴۰ ہزار آدمی مارے گئے۔

یورپین مورخین میں لیبان نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

نیسی فور کی اس بد عہدی کے انتقام میں ہارون نے رومی سلطنت کے مختلف حصوں پر عام یورش کر دی۔ داؤد بن عیسیٰ نے متعدد مقامات فتح کیے۔ شرجیل بن معن نے حصن صقالیہ اور دلسہ یزید بن مخلد نے صفصاف اور مغلونیہ کو فتح کیا۔ اور حمید بن معیوف نے سواحل شام اور مصر میں فتوحات حاصل کیں اور سترہ ہزار رومی قید کیے۔ خود ہارون طوانہ کی طرف بڑھا۔ اس پیہم یورش سے نیسی فور گھبرا گیا۔ اور جزیہ و خراج دے کر صلح کرنے پر مجبور ہو گیا۔ ان فتوحات کے علاوہ قونیہ اور اناطولیہ کے بعض دوسرے مقامات بھی فتح ہوئے۔

شام رومیوں کا بہت نازک مورچہ تھا، اسلامی تسلط کے بعد مسلمان اسی کو مرکز قرار دے کر براہ خشکی اناطولیہ کی طرف بڑھے تھے۔ اور قونیہ و انگورہ پر بھی اسی راستے سے قابض ہوئے تھے۔ اس لیے رومیوں کو شام واپس لینے کی فکر دامن گیر تھی۔ لیکن خشکی کے راستے

سے حملہ کا دروازہ بالکل بند تھا، کیونکہ اناطولیہ میں قونیہ تک مسلمان قابض تھے اس لیے وہ بحرِ روم کی طرف سے شام کے ساحل پر بحری حملے کرتے تھے۔ ہارون نے اس خطرہ کو مٹانے کے لیے سواحلِ شام پر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں، قلعے بنوائے اور طرطوس، عین زربہ اور ہارونیہ بسایا اور مصیصہ کو از سرِ نو مستحکم کر کے ان شہروں میں مسلمان آباد کیے اور ولسہ کے شورش پسندوں کو جلاوطن کر دیا۔

کریٹ اور قبرص کی فتح

اپنی سلطنت کے فتنہ وفساد رفع کرنے اور مسلمان دشمنوں سے جنگ میں مصروف رہنے کے علاوہ خلیفہ ہارون کو سلطنتِ روم (بیزنطائن) یا خوزار کی غیر مہذب اقوام ترکمانوں سے ہمیشہ لڑائیاں کرنی پڑتی تھیں۔ ان دونوں میں سے کسی ایک دشمن کے مقابلے کے لیے وہ اپنی نہ رکنے والی مسلمانوں کی تمام فوج کو نہ بھیج سکتا تھا کیونکہ اس کی بہت سی فوج سلطنت کے کسی نہ کسی حصے میں بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف رہتی تھی۔ تاہم ہارون یونانیوں کی سلطنتِ روم پر ہر سال حملہ کرتا رہتا تھا۔ اور ہر سال خود ایک نائب کو جہاد پر بھیجتا تھا اور ہر مرتبہ فتحیاب ہو کر غنیمت میں بہت سا مال و دولت اور لونڈی غلام لایا کرتا تھا۔ ۱۷۵ھ ۷۹۱ء میں جاڑے کے موسم میں ایک بار عربوں کے لشکر کو شکست ہوئی۔ لیکن عربوں کے بیان کے مطابق کریٹ میں اور رومی (یونانی) مورخین کے بیان کے بموجب قبرص کی بحری لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ یونانی امیر البحر تھیو فیلوس گرفتار ہو کر ہارون کے حضور لایا گیا۔ خلیفہ نے اس سے کہا کہ دو باتوں میں سے ایک بات قبول کرو اسلام یا موت، جب اس نے مسلمان ہونے سے انکار کر دیا تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔

ہارون الرشید نے ۷۹۸ء-۷۹۷ء میں یونانیوں کے شہر صفصاف پر قبضہ کر کے عبدالملک بن صالح کو یونانیوں کے ملک میں اور آگے روانہ کر دیا۔ عبدالملک شہر ایکرا تک بڑھتا چلا گیا یونانیوں کے شہنشاہ قسطنطین کو اس کی ظالم والدہ نے اندھا کر دیا۔ اس کے بعد جو واقعات یونان میں ہوتے ان سے یونانیوں کی ہمت اور بھی ٹوٹ گئی۔ طرفین کے قیدیوں کے تبادلے کے بعد اور یہ تبادلہ عباسیوں کے زمانہ میں اول ہی مرتبہ تھا، عرب اپنے وطن کو لوٹ گئے۔

یونانیوں سے چار برس کے لیے صلح کا معاہدہ ہو گیا اور سلطنتِ روم کی شہنشاہ بیگم ایرینی نے خلیفہ کو ایک کثیر المقدار خراج دینا منظور کر لیا۔

اس طرف اہالیانِ خوزا۔ یعنی ترکمانوں نے آرمینا پر حملہ کر کے بہت سے مسلمانوں کو تہ تیغ کیا۔ چونکہ ہارون الرشید ان کو اپنی سلطنت کی حدود سے نکالنے کے لیے اس طرف گیا ہوا تھا، لہٰذا اس سال وہ سلطنتِ روم کے غیر محفوظ مقاموں کو ختم کر کے فائدہ نہیں اٹھا سکا۔

۸۰۲ء، فاسفورس (نقفور) نے سلطنتِ روم پر قبضہ کر لیا، خلیفہ کی اس سے پھر جنگ شروع ہوئی۔ اس نے شہنشاہ روم (یونان) نے ہارون کو یہ خط لکھا:

"فاسفورس شہنشاہ یونان کی جانب سے ہارون الرشید شاہ عرب کو معلوم ہو کر مجھ سے پہلے جو یہاں تخت نشین تھی وہ اپنے تئیں نہایت کمزور اور تم کو بڑا ہی زبردست خیال کرتی تھی۔ اسی لیے وہ تم کو خراج دیا کرتی تھی، حالانکہ اس رقم سے دوہرا خراج خود تم کو ادا کرنا چاہیے تھا۔ چونکہ وہ عورت تھی، وہ اس کی کمزوری و حماقت تھی، مرقوم ہے کہ جس قدر خراج سلطنتِ روم سے تم کو اب تک وصول ہو چکا ہے وہ سب اور نیز وہ رقم جو اپنے اس جرم کی معافی کے عوض ادا کرنا چاہو یہ سب میرے پاس بھیج دو، ورنہ میرے اور تمہارے درمیان تلوار سے فیصلہ ہو گا۔"

جب ہارون الرشید نے خط پڑھا تو اس کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔ امراء اور وزراء کسی میں اس کی جانب آنکھ اٹھانے کی مجال نہ ہوئی، گفتگو کرنا تو درکنار رہا۔ اس لیے تمام درباری خوفزدہ ہو کر اس کے سامنے سے چلے گئے۔ تب خلیفہ نے دوات اور قلم منگا کر اپنے قلم سے فاسفورس کے خط کی پشت پر یہ جواب لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

امیر المومنین ہارون الرشید کی جانب سے فاسفورس سگِ روم کو معلوم ہو کر اے پسرِ کافر تمہارا خط میرے پاس پہنچا۔ اس کا جواب کانوں سے سننے

کے بجائے تم آنکھوں سے دیکھ لوگے۔"

ہارون اسی دن مع فوج کے یونان کی طرف روانہ ہوگیا اور شہر ہریکلی (ہرقلہ) کو فتح کرکے جلادیا اور ویران کر ڈالا۔ پھر یونان کا بہت سا علاقہ فتح کر ڈالا، یہاں تک کہ ناتسفورس نے جو ایک باغی مسمّیٰ بارڈینس کی سرکوبی میں مصروف تھا مجبوراً صلح کے لیے التجا کی۔ یہ صلح آخر کار خلیفہ نے اس شرط پر منظور کر لی کہ ناتسفورس ہر ششماہی خراج ادا کیا کرے۔

لیکن ہارون الرشید جب واپس گیا اور رقہ پہنچا تو ناتسفورس نے بارڈینس پر فتح پالی اور یہ خیال کرکے کہ آج کل سردی نہایت سخت پڑتی ہے اس لیے واپس آکر اب میرے ملک پر حملہ نہیں کر سکے گا معاہدہ فسخ کر دیا، جب اس امر کی اطلاع رقہ میں پہنچی تو ہارون سے یہ واقعہ کہنے کی کسی میں ہمت نہ پڑی۔ اس خیال سے کہ ایسے سخت موسم میں کہیں خلیفہ اسی کو لڑائی پر نہ بھیج دے۔ آخر کار ایک شاعر نے اشعار کے ذریعے اس امر کی آگاہی خلیفہ کو دی جن کا مطلب یہ تھا کہ ناتسفورس نے وہ معاہدہ فسخ کر ڈالا جو امیرالمومنین نے اس سے کیا تھا۔ لیکن اُمید ہے کہ اس نقضِ معاہدہ سے وہی برباد ہوگا۔ خلیفہ کو یہ خوشخبری دینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک بڑی فتح عنایت کرے گا اور وہ ایسی فتح ہوگی جو ہمارے زمانہ کی تمام فتوحات سے زیادہ شان و شوکت والی ہوگی۔ جب ہارون کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے کہا کہ کیا ناتسفورس نے معاہدہ منسوخ کر دیا؟

وہ وزیروں سے بہت ناراض ہوا کہ انہوں نے اس امر کی اطلاع بھی نہ دی اور مجھ کو دھوکے میں رکھا۔ خلیفہ اسی وقت سرحدِ یونان کی طرف روانہ ہوگیا۔ اگرچہ سردی نہایت سخت تھی اور مسلمانوں کو بڑی مصیبت برداشت کرنا پڑی لیکن ہارون الرشید نے ناتسفورس کو سخت شکست دی، یونان کی چالیس ہزار فوج قتل ہوئی۔ آخر کار بعد تبادلہ اسیران طرفین میں پھر صلح ہوگئی۔ علی بن عیسیٰ نے خراسان میں بغاوت برپا کر رکھی تھی، جس کا آئندہ تذکرہ ہوگا۔ اس سے یونانیوں نے فائدہ اٹھانا چاہا اور پھر دشمنی کا اظہار کر دیا۔ ہارون نے ایک لاکھ ۳۵ ہزار فوج سے حملہ کرکے ہریکلی فتح کر لیا اور ہارون الرشید کے جرنیلوں نے ملک روم کے دیگر تمام قلعہ جات فتح کرکے منہدم کر دیے اور خلیفہ کے بیڑہ کے

جہازوں نے جزیرۂ قبرص کے قریب ۱۶ ہزار یونانیوں کو گرفتار کر کے ملک شام روانہ کر دیا۔
ناتسفورس کی اب کے بار بالکل ہمت ٹوٹ گئی اور وہ شکستہ دل ہو گیا۔ مجبوراً اس نے نہایت عاجزانہ شرائط منظور کر کے صلح کی التجا کی۔ اپنے اور اپنے بال بچوں اور بیوی وغیرہ کا جزیہ منظور کیا اور اقرار کیا کہ ہرقلہ کو اب کبھی آباد نہ کروں گا۔

شارلیمان اور ہارون الرشید

مغربی حکومتوں سے ہارون الرشید کے تعلقات مختلف اور جداگانہ نوعیتوں کے تھے جو مغربی فرمانروا اس کی جبروت وجلال، حاکمیت و بالادستی اور اقتدار و اختیار کی وسعت کو تسلیم کر کے سر نیاز خم کر دیتا تھا۔ اس سے ہارون کا برتاؤ اخوت اور محبت کا ہوتا تھا۔ لیکن اگر کوئی اکڑتا تھا اس کی قوت اور دبدبہ کو چیلنج کرتا تھا۔ اس سے ٹکر لینے کی کوشش کرتا تھا تو ہارون بھی اس وقت تک چین نہ لیتا تھا جب تک اس کی قوت پارہ پارہ نہ کر دے۔
ہم پڑھ چکے ہیں کہ ہارون نے دشمنِ روم کو کس انداز میں مخاطب کیا اور کس طرح اس کی سرکوبی کی تھی۔ لیکن مغربی روم کے فرمانروا شارلیمان کا برتاؤ بالکل دوسرا تھا۔
اس سلطنت کا حاکم (شارلیمان) شاہِ فرانس تھا، شارلیمان نے لمبارڈیا پر قبضہ کر کے سیکسن قوم کو جو جرمنی میں رہتی تھی اور بُت پرست تھی عیسائی بنا لیا، پھر اس نے جرمنی اور اٹلی کو بھی فتح کر لیا۔ وہ چاہتا تھا کہ مشرقی رومی ممالک کو بھی اپنے قبضۂ اقتدار میں لا کر ایک عظیم الشان سلطنت قائم کرے اور خلافتِ اسلامیہ میں وہ دینِ عیسوی کا علمبردار اور زائرینِ بیت المقدس کا حامی تسلیم کیا جائے۔ اس غرض کے لیے اس نے دولتِ عباسیہ سے اپنا تعلق پیدا کرنا چاہا۔ اور ہارون کے پاس سفیر بھیجے۔ ہارون نے بھی دوستی کا جواب دوستی سے دیا اور اس طرح دونوں سلطنتوں میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے۔
بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شارلمین اور ہارون الرشید کے درمیان دوستانہ تعلقات اور سفیروں کا تبادلہ محض ایک افسانہ ہے اور اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ نہ یہ دونوں بادشاہ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے اور نہ ان کے درمیان تحفے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ لیکن یہ خیال حقیقت پر مبنی نہیں۔

عربوں اور رومیوں میں اقتصادی تعلقات عرصے سے قائم تھے۔ عرب اور فرانسیسی تاجر ایک دوسرے کی سرزمین میں تجارت کا مال لے کر جاتے تھے اور کثیر منافع اٹھا کر واپس آتے تھے۔ ان کے علاوہ مارسیلز اور یورپ کے یہودی تاجر بھی اکثر تجارت کی غرض سے بلادِ اسلامیہ میں آتے رہتے تھے۔

اقتصادی ضروریات کے علاوہ روحانی کشش بھی اہلِ مغرب کو بلادِ اسلامیہ کی طرف کھینچتی تھی۔ بیت المقدس مسیحیوں کے نزدیک بھی ارضِ مقدس ہے۔ اور بلادِ مغرب سے سینکڑوں ہزاروں افراد اس کی زیارت کے لیے آیا کرتے تھے، اس طرح مشرق و مغرب میں دینی اور تجارتی رشتے قائم تھے۔

یہ امر حیرت انگیز ہے کہ مسلمان مورخین نے اپنی کتابوں میں ان تعلقات کے بارے میں جو شارلیمان اور ہارون الرشید کے درمیان تھے کچھ نہیں لکھا البتہ فرانسیسی مؤرخین نے ان واقعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ غالباً اس کا سبب یہ ہے کہ یہ تعلقات زیادہ اہم اور سیاسی رنگ کے نہیں تھے۔ اسی لیے مسلمان مؤرخین نے ان کا اس اہتمام سے ذکر نہیں کیا۔ شارلمین کی سلطنت دولتِ عباسیہ سے بہت فاصلے پر واقع تھی۔ شارلمین نے خود ہی پہل کر کے ہارون کے دربار میں وفود اور سفراء بھیجے اور سرزمین بیت المقدس میں عیسائی زائرین کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے اور انہیں سہولتیں پہنچانے کی درخواست کی، ہارون کو اور مسلمانوں کو اس کی مملکت کا خیال بھی آسکتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی شان و شوکت سے واقف تھے۔ ان تعلقات اور روابط کا فائدہ بھی ہارون سے زیادہ شارلیمان کو پہنچا، کیونکہ مؤخر الذکر چاہتا تھا کہ خلافتِ اسلامیہ کے نزدیک اس کا رتبہ شاہ قسطنطنیہ نقفور سے برتر ہو جائے۔ اور اسے خلافتِ اسلامیہ میں دینِ عیسوی کا علمبردار اور زائرین بیت المقدس کا حامی تسلیم کر لیا جائے۔ اسی خیال کے زیرِ اثر اس نے ہارون الرشید کے پاس اپنے وفود بھیجے جن کے ساتھ اس نے بیش بہا تحفے بھی روانہ کیے۔

یہ امر بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ جہاں مشرقی رومی سلطنت سے ہارون

کے تعلقات خراب تھے وہاں اندلس کی سلطنت بنی اُمیہ اور ہارون کے تعلقات نہایت بُرے اور افسوسناک تھے۔ ہارون بنی اُمیہ کو باغی اور دُشمن سمجھتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو مٹانے اور فنا کرنے کا خواہش مند تھا۔ شارلمین کا ہارون کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اندلس میں بنی اُمیہ کی سلطنت اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے مقابلے میں اپنی پوزیشن مضبوط بنا سکے، اور ان دونوں سلطنتوں کو کمزور کر کے ان علاقوں میں اقتدار قائم کر سکے۔

شارلمین کا جو وفد سب سے پہلے ہارون کے پاس آیا وہ ایک یہودی طبیب اسحاق کی زیر سرکردگی تھا۔ ایک ماہ تک ہارون نے اس وفد کو شرفِ باریابی نہیں بخشا۔ آخر ایک روز انہیں دربار میں بلایا۔ جب یہ لوگ دربار میں پہنچے تو وہاں کی شان و شوکت دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ ہارون الرشید دربار کے بیچ میں سونے کے ایک تخت پر بیٹھا ہے جس پر لاتعداد جواہرات ٹکے ہوئے ہیں۔ تخت کے دونوں طرف جو ستون ہیں ان پر سونے کے پانی سے بیل بوٹے بنے ہوتے ہیں۔ ہر ستون کے قریب غلام کھڑے ہیں جو پنکھے ہاتھوں میں لیے خلیفہ کو جھل رہے ہیں۔ تخت کے پیچھے دو غلام ننگی تلواریں لیے کھڑے ہیں۔ تخت کے اوپر ایک چھوٹا سا شامیانہ ہے جو آبنوس کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ یہ شامیانہ سیاہ دیباج کا ہے جس پر سنہری نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہیں۔ شامیانہ کے کناروں پر سونے کے ہلال بنے ہیں جن پر موتی ٹکے ہیں اور ہر ہلال کے بیچ میں سُرخ، زرد اور نیلے یاقوت لگے ہیں۔ ہارون الرشید تخت پر بیش قیمت بھڑک دار لباس پہنے بیٹھا تھا۔ یہ لباس خاص اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ بیرونی ملکوں کے وفود آنے پر اُسے استعمال کیا جائے۔ اس نے وفد کے ارکان کا شایانِ شان استقبال کیا۔ وہ دربار کی شان و شوکت دیکھ کر بیحد مرعوب ہوئے اور ہارون کی عظمت کا جو نقشہ ان کے دلوں میں بنا ہوا تھا اس میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ یہ پہلا وفد ۱۸۵ھ (۸۰۰ء) میں بغداد پہنچا تھا۔

اس وفد کے جواب میں ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد شارلمین کے دربار میں بھیجا اور اس کے ساتھ کئی قیمتی تحائف بھی روانہ کیے۔ ان میں ایک گھڑی بھی تھی۔ فرانس کے دربار کے شاہی لوگوں نے اس گھڑی کو جادو کا کوئی طلسم سمجھا اور بعض نے خیال کیا کہ اس میں کوئی جن ہے جو گھڑی بجاتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے چاہا کہ اسے توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے

انہیں روکا۔

اس موقع پر ایک معاہدہ بھی عمل میں آیا جس کے تحت سلطنتِ عباسیہ نے یہ ذمہ داری قبول کی کہ وہ ارضِ مقدس فلسطین کی زیارت کرنے والے مسیحیوں کی حفاظت کا پورا انتظام کرے گی۔ اس سے پہلے مسیحی زائرین کی حالت بہت قابلِ رحم تھی اور انہیں رہزنوں اور ڈاکوؤں سے ہر وقت خطرہ رہتا تھا۔

کچھ عرصے بعد شارلمین نے ہارون الرشید کے پاس ایک اور وفد روانہ کیا اور اس کے ساتھ اپنے ملک کی بعض نفیس چیزیں بھی بطور تحفہ ہارون الرشید کے پاس بھیجیں۔ یہ وفد چار سال یہاں مقیم رہا۔ اس دوران دونوں مملکتوں کے درمیان اندلس کی سلطنت بنی اُمیہ اور قسطنطنیہ کی رومی سلطنت کے بارے میں کئی معاہدے بھی عمل میں آئے۔

ہارون الرشید نے بھی اپنا ایک وفد دوبارہ شارلمین کے پاس بھیجا جس میں بعض مسیحی بھی شامل تھے۔ وفد کا لیڈر ایک شخص عبداللہ تھا۔ وفد کے ساتھ کئی مشرقی تحفے اور بہت خوبصورت پشمینے کا ایک خیمہ بھی تھا۔ جب یہ وفد یورپ کے شہروں اور میدانوں سے گزرتا تو فضا اس عطر کی خوشبو سے مہک اُٹھتی تھی جو شارلمین کو تحفے میں پیش کرنے کے لیے لے جایا جا رہا تھا اور جس سے یورپ والے اس وقت تک بالکل ناواقف تھے۔

موسیو لیبان مشہور فرنچ مستشرق نے سچ ہی تو کہا ہے:

"ہارون الرشید کے عہد میں بغداد نے اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی اور سرسبزی حاصل کی اور مشرق میں تمام شہروں میں سب سے نامور ہو گیا۔ اس وقت ہارون کا نام ربع مسکون میں مشہور تھا۔ چین، تاتار اور ہندوستان سے سفیر اس کے پاس آتے تھے۔ شارلمین شہنشاہ فرانس نے بھی جو حقیقت میں تمام یورپ کا مالک تھا اس کے پاس سفیر بھیجے اور نہایت ادب سے درخواست کی کہ زائرین بیت المقدس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ خلیفہ نے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔"

سید امیر علی نے اس کا سراپا کھینچتے ہوئے بڑے پتے کی بات لکھی ہے:

"اس کی شخصیت میں بڑی کشش تھی وہ فطری طور پر سیاسی واقع ہوا تھا

اس نے کئی بار فوجوں کی کمان خود کی، نظم و نسق کی خرابیاں دُور کرنے، رعایا کا حال دریافت کرنے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے اس نے بارہا اپنی مملکت کا دورہ کیا۔ حالات سے آگاہ رہنے کے لیے کئی دفعہ اس نے سرحدی مقامات کا معائنہ کیا۔"

موسیو سیدیو نے ہارون کی شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے کتنی سچی بات کہی ہے :

"اس کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے شجاعت و کرم کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ علوِ نفس اور اتباعِ حق کا مادہ قدرت نے کافی عطا کیا تھا۔ جب کبھی وہ دیکھتا کہ وہ غلطی پر ہے تو فوراً اس کام کو چھوڑ دیتا۔"

دورِ فتوحات پر تبصرہ

ہارون الرشید کے دورِ فتوحات و کشور کشائی کی داستان بہت طویل ہے، اسے اگر تفصیل سے بیان کیا جائے تو ایک ضخیم تصنیف کی صورت اختیار کرے لیکن ہمیں چونکہ ہارون کی زندگی کے صرف چند مخصوص ترین پہلوؤں کو اُجاگر کرنا ہے اس لیے اختصار اور ایجاز سے کام لے کر ہم اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ داستان کا صرف ایک پہلو بیان کیا جائے اس سے یہ بہتر ہے کہ متعدد پہلو نظر کے سامنے رہیں تاکہ جو مرقع سامنے آئے وہ باہمہ وجوہ جاذبِ توجہ بن سکے۔

2-2-19

ماخذ

الہارون (عمر ابو النصر)

تاریخِ اسلام (معین الدین) بحوالہ ابن زبیر

ابن خلدون (فتوح البلدان)

تمدنِ عرب (موسیو لیبان)

ہارون رشید (پامر)

تاریخ اسلام (سید امیر علی)

ہارون کی سفاکیاں اور بدعہدیاں

ہارون متضاد عادات وخصائل کا حامل تھا۔ وہ بیک وقت رحم وکرم کا پیکر بھی تھا اور ظلم و شقاوت کا مجسمہ بھی۔ وہ عہد و پیمان کی پابندی بھی کرتا تھا اور مکڑی کے جالے کی طرح اسے توڑ بھی دیتا تھا۔ اس کے یہ متضاد خصائل حدِ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ مخالفوں، باغیوں، دشمنوں، اور علویوں کے ساتھ کسی درجے میں بھی وہ نرمی اور ملاطفت کا قائل نہ تھا، نہ کسی عہد و میثاق کی پابندی لازمی سمجھتا تھا۔ دوستوں تک کو جب وہ مشکوک اور مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگتا تھا تو نہ صرف ان کی بلکہ ان کے خاندان تک کی شامت آجاتی تھی۔

برامکہ کے ساتھ ہارون نے جس احسان ناشناسی کا ثبوت دیا وہ بجائے خود ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ اس پر آگے چل کر ہم ذرا تفصیل سے بحث کریں گے۔ اس وقت اس کی خوئے شقاوت کے چند نمونے پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

حُبِ رسُولؐ ایک طرف تاریخ یہ بتاتی ہے کہ وہ عبادت گزار تھا، شب زندہ دار تھا، عشقِ رسولؐ سے سرشار تھا۔ جذبۂ جہاد کا علمبردار تھا۔ دوسری طرف اپنی خلافت اور حکومت کے استحکام کے لیے وہ بڑی سے بڑی عہد شکنی اور سفاکی کو بھی ہیچ سمجھتا تھا۔ اس کے محبِ رسولؐ ہونے کا اندازہ اس ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے سرشار تھا، جب اُن کے سامنے ان کا نام مبارک لیا جاتا تو صلی اللہ علیہ وسلم علی سیدی کہتا۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ نے ایک حدیث بیان کی،

ایک شخص نے اس پر اعتراض کیا، ہارون جوشِ غضب سے لبریز ہو گیا اور کہا یہ شخص زندیق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ اسی وقت تلوار منگائی۔ ابومعاویہ نے سمجھا بجھا کر غصہ ٹھنڈا کیا۔

جذبۂ جہاد کے سلسلے میں یہ واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے۔

جذبۂ جہاد جہاد کا شوق اور شہادت کا بڑا ولولہ رکھتا تھا۔ ایک مرتبہ محدث ابومعاویہ نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری آرزو ہے کہ خدا کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں۔ یہ حدیث سن کر روتے روتے ہارون کی ہچکی بندھ گئی اور اس ولولہ کا یہ اثر تھا کہ پابندی سے وہ ایک سال حج کرتا تھا اور ایک سال جہاد میں شریک ہوا کرتا تھا۔

اس کی مذہبیت کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ کافی ہے:

مذہبیت ہارون الرشید مذہبی عقائد اور احکامات کا بڑا معتقد اور سخت پابند تھا۔ اور جو باتیں کہ ایک سچے مسلمان میں ہونا چاہئیں، یعنی خیالات میں مذہبی احکام کی پابندی اور روزمرہ کے امور میں مذہبی باتوں کی اطاعت یہ اس میں موجود تھیں۔

ہارون الرشید حج کے لیے ہمیشہ پیدل جایا کرتا۔ بغداد اور مکہ شریف کے درمیان فاصلہ بہت طویل ہے۔ اس خشک اور دھوپ کی تپش سے جلتے ہوئے ریگستان کا جس میں سے حج کے لیے مکہ کی آمد و رفت میں اس سفر کو کرنا پڑتا تھا، جب خیال آتا ہے تو اس امر کے لیے اس کی غیر متزلزل اولوالعزمی اور عادت کا استقلال بخوبی معلوم ہوتا ہے۔

صرف ہارون رشید ہی ایسا بادشاہ گزرا ہے کہ جس نے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے اس قدر سخت مصائب اپنے اوپر برداشت کر رکھے تھے اور غالباً ہارون رشید ہی ایک ایسا شخص تھا کہ جو پنجگانہ نماز کے علاوہ سو رکعتیں نفل روزانہ پڑھنے سے کبھی بھی مضمحل اور دل برداشتہ نہیں ہوتا تھا۔ جب ہارون رشید حج کو جاتا تو اس کے ہمراہ ایک سو علماء اور فضلاء مع اپنے اپنے لڑکوں کے ہوا کرتے تھے اور جس سال کہ وہ مکہ کو نہ جاتا تو اپنی جگہ تین سو آدمی حج کے لیے بھیجا کرتا اور ان کے سفر کے لیے بڑی فیاضی سے زادِ راہ مہیا کرتا تھا۔ اس کا زہد اور

ریاضت حقیقت میں خالص اور ریا سے بالکل خالی تھا۔

مظاہرۂ ظلم و تعدی

حقیقت یہ ہے کہ اقتدار اور حکومت کی طلب انسان کو خونخوار بھی بنادیتی ہے اور سفاک بھی۔ عالمگیر کی مذہبیت، عبادت و ریاضت، صوم وصلوٰۃ کی پابندی، مجاہدۂ نفس یہ سب چیزیں اپنی جگہ ایک معروف و مسلمہ حقیقت ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہوسکتا کہ جب اس نے یہ طے کر لیا کہ عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینی ہے تو باپ، بھائی، بہن اور بھتیجوں کے ساتھ اس نے جو برتاؤ کیا ظلم اور سفاکی کے سوا کسی اور لفظ سے اسے یاد نہیں کیا جاسکتا۔ حالانکہ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد مظاہرۂ ظلم و تعدی کے بغیر بھی راستے کے کانٹوں کو وہ بآسانی ہٹا سکتا تھا اسی طرح ہارون نے بھی اپنی معروف و مسلمہ مذہبیت کے باوجود جب ظلم اور سفاکی کو اپنا شعار بنایا تو برامکہ کو تہس نہس کر دیا اور جن علویوں کو اس نے اپنے راستے کا پتھر سمجھا انہیں عہد و میثاق اور عدل و انصاف سے بالکل قطع نظر کر کے بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو ظلم و تعدی کا اتنا ہولناک مظاہرہ کیے بغیر بھی حکومت کو قائم رکھ سکتا تھا اور راستے کے پتھروں کو ہٹا سکتا تھا۔ بہرحال اس نے وہی کیا جو طے کر لیا تھا ذیل میں ہم صرف دو واقعات بیان کر کے یہ باب ختم کر دیں گے۔

امام موسیٰ کاظم کی شہادت

ہارون الرشید کے حسد کے ایک اور مقتول موسیٰ بن جعفر علیہ السلام تھے۔ یہ جناب فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے اور جناب فاطمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ایک رشتہ دار نے جو ان سے دشمنی رکھتا تھا ہارون الرشید کو یہ اطلاع دی کہ تمام لوگ موسیٰ کو جائز امام سمجھ کر اپنی پیداوار کا ایک خمس ادا کرتے ہیں اور امام موسیٰ خلیفہ کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ ہیں۔

ان باتوں کی اطلاع ہارون الرشید کو متواتر اور بار بار کی گئی۔ آخر کار اس بات نے اس کے دل پر بہت اثر کیا اور خلیفہ کو بڑا ہی فکر ہو گیا۔ اس مخبر کو ایک کثیر تعداد رقم بطور انعام عطا کی گئی۔ مگر یہ دغاباز آدمی اپنی غداری کا پھل نہ پا سکا۔ کیونکہ اس کو ایک مہلک بیماری

فوراً لاحق ہو گئی جس کی وجہ سے وہ مر گیا۔ جن لوگوں کے حاضر ہونے سے خلیفہ کو کسی قسم کا رنج یا فکر ہوتا تھا ایسے لوگ یکایک بیمار ہو کر مہلک امراض میں ہمیشہ گرفتار ہو جایا کرتے تھے۔

امام موسیٰ سے ہارون کی ناراضگی کا پہلا سبب تو ظاہراً یہ تھا کہ خلیفہ ایک دفعہ حج کے لیے مقدس شہروں کی زیارت کو گیا تھا، جب مدینہ میں گیا اور آنحضرتؐ کے روضہ مبارک میں داخل ہوا تو کہا آپ پر درود اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اے رسول اللہ! اے میرے چچازاد بھائی! یہ آخری الفاظ اس نے فخریہ طور سے اپنے نام میں زائد کر دیے تھے، تاکہ تمام حاضرین پر اپنی بڑائی (عظمت) ثابت کرے۔ یہ سن کر امام موسیٰ کاظم جو وہاں موجود تھے آگے بڑھے اور کہا:

"رحمت کاملہ اور درود خدا کا آپ پر نازل ہوئے اے میرے باپ"

کیونکہ امام موسیٰ کاظم آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کی اولاد میں سے تھے اس لیے اس طرح خطاب کیا۔

یہ سن کر ہارون کا منہ غصہ سے لال ہو گیا اور کہا کہ اے موسیٰ یہ تو بڑے فخر کی بات ہے۔ بعد ازیں وہ اپنے ساتھ امام موسیٰ کو عراق لے گیا اور ایک شخص مسمی السندی کے گھر میں ان کو قید کر دیا۔ پھر اس کے تھوڑے عرصے کے بعد خلیفہ نے ان کو مروا ڈالا۔ یہ امر نہایت خفیہ طور سے عمل میں لایا گیا کیونکہ امام موسیٰ کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے اور نیز اس لیے کہ وہ حضرت علی کی اولاد میں سے تھے، عوام الناس ان سے نہایت محبت کرتے تھے اور ان کو علانیہ قتل کرانے میں یہ خوف تھا کہ کہیں عوام الناس منحرف نہ ہو جائیں۔

عہد شکنی کی عجیب و غریب مثال

دوسرا واقعہ جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ہارون کی عہد شکنی کا بہت ہی تکلیف دہ اور افسوسناک نمونہ ہے۔

۱۷۵ھ (۷۹۱ء) میں ایک بہت بڑی جنگ کا آغاز ہوا۔ یعنی یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مجتبیٰ بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے جو خلافت عباسیہ کے دعویدار تھے۔ بتاریخ ۲۴ ربیع الثانی ۱۷۵ھ مطابق ۳۰ اگست ۷۹۱ء دیلم میں ظہور کیا اور بڑی شان و شوکت سے مقابلے

کو اُٹھے۔ ان کے جھنڈے کے تلے ہزاروں آدمی جمع ہو گئے اور تمام اطراف و امصار سے لوگ آنا شروع ہو گئے۔ جب ہارون کو اس جمعیت کی خبر پہنچی تو حواس باختہ ہو گیا اور مقابلے کے واسطے اپنے وزیر فضل کو انتخاب کیا اور فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ دارالسلطنت سے پچاس ہزار سواروں کی معیت سے ہارون نے فضل کو روانہ کیا۔ بغداد سے نکل کر فضل نے اپنی کامیابی کی تدبیریں سوچنا شروع کیں۔ جب طالقان میں یہ لشکر پہنچا تو وہاں سے فضل نے یحییٰ علوی کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنی جادو بیانی سے مختلف اثر پیدا کر دیے تھے اور سلطنت کے شاہانہ جاہ و جلال اور خلافتِ عباسیہ کے رعب و داب کو اپنی تحریر میں عمدہ طور پر ظاہر کر دیا تھا، جس کے پڑھنے سے یحییٰ پر ہیبت چھا گئی اور ساتھ ہی اس کے لیے قیمتی تحائف بھی بھیجے اور یحییٰ پر بخوبی ثابت کر دیا کہ اگر جنگ کا خاتمہ صلح پر ہو تو ہر طرح سے ان کے حق میں مفید اور نفع بخش ہے، انہی خیالات نے یحییٰ کو صلح پر مجبور کر دیا اور جواب میں فضل کو صاف الفاظ میں یہ لکھا کہ مجھے اس شرط پر صلح منظور ہے کہ ہارون الرشید اپنے قلم سے صلح نامہ لکھ دے اور اس پر تمام بنی ہاشم، مشائخ، قضاۃ اور فقہا کے دستخط ہوں۔ فضل نے اس شرط کو منظور کر لیا اور خلیفہ کو تمام واقعات کی اطلاعات دیں اور جو مسودہ یحییٰ نے صلح کا بھیجا تھا وہ بھی عرضی کے ساتھ بھیج دیا۔ ہارون بھی مصلحتِ ملکی سے دب گیا اور صلح کو جنگ سے غنیمت سمجھا اور مطابق مسودہ کے معاہدہ صلح لکھ کر تمام علما، فقہا، مشائخ میں عبدالصمد بن علی کے دستخط ہوا بھیجے، فضل نے وہ خریطہ مع تمام تحائف کے یحییٰ کے سامنے پیش کیا اور یحییٰ کو اپنے ہمراہ لے کر بغداد کی طرف کوچ کیا اور ہارون سے ملاقات کرائی، فضل کے وعدوں کے مطابق ہارون نے یحییٰ سے بہت کچھ سلوک کیا اور اس کارگزاری کے صلے میں فضل کے ساتھ بھی شاہانہ فیاضیاں کی گئیں۔ شعرا نے فضل کی شان میں قصائد لکھے اور خلیفہ کو اس فتح کی مبارکباد دی۔

چنانچہ خلیفہ نے اول شاہانہ طریقے سے یحییٰ کو مہمان رکھا، لیکن کچھ دنوں بعد نقضِ عہد کرنا چاہا اور علما سے فتویٰ لینا چاہا کہ صورتِ موجودہ میں نقضِ عہد جائز ہے یا نہیں۔ البختری قاضی اور تمام علما نے ہارون رشید کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ نقضِ عہد جائز ہے لیکن

امام محمد نے اس فتوے کی بڑے زور سے مخالفت کی اور اپنے اس اصرار پر قائم رہے کہ نقض معاہدہ جائز نہیں۔ لیکن ہارون نے کثرت رائے کو تسلیم کرکے دستاویز معاہدہ کو چاک کر ڈالا اور یحییٰ کو نظر بند کر دیا۔ چنانچہ اسی حالت میں حضرت یحییٰ نے دُنیا سے کوچ کیا۔ ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک فرمانروا کی نظر میں اصل چیز اپنی حکومت کا قیام و استحکام ہے۔ عدل و انصاف، عہد و میثاق، رحم و مروّت، شفقت و عنایت اور جود و احسان کی حیثیت بالکل ثانوی ہے، ہارون نے جو کچھ کیا اس میں وہ منفرد نہیں ہے۔ اُس کے پیشرو بھی ایسا ہی کرتے چلے آتے تھے اور اس کے بعد آنے والوں نے بھی ان مثالوں کی پیروی کی اور شخصی حکومت میں اس طرح کی سفاکیاں عام ہیں اور شاید ناگزیر بھی۔

ماخذ

تاریخ اسلام (معین الدین) سوم بحوالہ خطیب بغدادی

ہارون رشید پامر

البرامکہ

غیر مسلموں سے رواداری، سخاوت، عدل و انصاف

جرجی زیدان نے اعتراف کیا ہے کہ:

ہارون علویین سے سخت برہم تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ آل عباس کے سخت دشمن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ہارون آل برمک کا خاتمہ نہ کر دیتا تو بالکل ممکن تھا کہ خلافت و سلطنت ایک دن علویین کے ہاتھ میں پہنچ جاتی۔

لیکن اس کی داد و دہش کے بارے میں لکھتا ہے:

"ہارون الرشید ایسا کریم النفس تھا کہ مال کی اس کے نزدیک کوئی وقعت نہ تھی۔ خلیفہ ہارون الرشید کے محل میں تین سو لونڈیاں تھیں، جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار سے دس ہزار دینار بلکہ ایک لاکھ دینار تک تھی۔ ان کے لیے لباس اور زیورات پر بے شمار روپیہ خرچ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ ہارون نے ایک انگوٹھی ایک لاکھ دینار میں خریدی تھی۔ ہارون رشید کے افسر باڈی گارڈ کی سالانہ تنخواہ تین لاکھ، پولیس کمشنر کی پانچ لاکھ اور حاجب کی دس لاکھ درہم تھی۔ ہارون الرشید کا مغنی ابراہیم موصلی مرا تو اس نے دو کروڑ چار لاکھ درہم ترکے میں چھوڑے اور اس کے طبیب جبرئیل کا انتقال ہوا تو اس کا ترکہ ۹ کروڑ درہم تھا۔"

فیاضی اور سخاوت

ہارون کی سخاوت اور فیاضی کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق معمور ہیں۔

ہارون الرشید کے اطوار اور عادات اس کے پیش رو منصور سے بہت کچھ ملتے جلتے تھے

مگر ہارون الرشید میں منصور سے یہ بات زیادہ تھی کہ وہ فیاض اور سخی بہت تھا۔ مثل منصور کے ہارون بھی علوم و فنون کا بڑا شائق اور خاص کر شاعری سے بہت شوق رکھتا تھا۔ عالموں اور فاضلوں کی صحبت میں بیٹھنے سے ہارون الرشید کو بہت ہی خوشی ہوتی تھی۔

ہارون الرشید کے خزانہ کی تعداد

اور یہ سب اس لیے تھا کہ توسیعِ مملکت کے ساتھ ساتھ اس کے خزانہ میں بھی غیر معمولی اضافہ ہو رہا تھا۔

"ہارون الرشید نے اپنے پیچھے ایک بے شمار خزانہ چھوڑا۔ بعض مؤرخین کے نزدیک وہ نو سو ملین دینار یا چار سو ملین پونڈ یا آٹھ ارب روپے سے کم نہ تھا۔ علاوہ ازیں جائداد اور زمین اور لونڈی غلام تھے، حالانکہ ہارون الرشید نہایت ہی سخی اور فیاض تھا اور کثرت سے روپیہ صرف کیا کرتا تھا۔"

غیر مسلموں سے حسنِ سلوک

غیر مسلموں کے ساتھ ہارون کا برتاؤ خاص طور پر حد درجہ شفقت و رحمت، رواداری اور وسیع القلبی کا تھا۔

کہانی، قصہ، داستان

"اسحاق ایک حکایت بیان کرتا ہے کہ وہ ایک دن خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ شکار کو گیا۔ خلیفہ تو شکار کے عقب میں ذرا دور نکل گیا۔ اسحاق کو تھکن معلوم ہوئی، قریب ہی عیسائیوں کی ایک خانقاہ تھی، اسحاق وہاں آرام کرنے چلا گیا۔ ایک بزرگ عیسائی منتظم خانقاہ نے اس کا استقبال کر کے بہت آرام سے اس کو اندر لے جا کر بٹھا لیا اور اس کی دعوت کی اس کے آگے بہت اچھا گوشت اور شراب رکھی اور وہ عیسائی اپنی گزشتہ عمر کے تمام تجربے اسحاق سے کہتا رہا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ عیسائی منتظم خانقاہ نے کہا کہ بنو اُمیہ کی خلافت کے زمانہ میں اس خاندان کے بھی چند شہزادوں نے تمہاری طرح یہاں مہمان ہو کر میری دعوت قبول کی تھی۔ اسحاق کے کھانا کھلانے پر ایک خوبصورت اور ہوشیار عیسائی عورت مقرر تھی۔ اس کے حاضر ہونے پر اسحاق بہت ہی خوش ہوا اور اس کا یہ وقت خوشی میں بہت جلد گزر گیا۔ اور جب وہ خانقاہ سے لشکرِ شاہی میں آیا تو رات ہو گئی تھی۔ خلیفہ اسحاق کے غیر حاضر ہونے سے اس پر خفا ہوا

لیکن اسحاق نے خانقاہ میں جانے کا حال خلیفہ سے عرض کیا اور چند اشعار جو وہاں کے حسب حال کہے تھے وہ خلیفہ کو سنائے۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ کل لشکر کا قیام یہیں رہے تاکہ میں خانقاہ کی مہمان نواز عیسائی رعایا کو ملاحظہ کر دں۔ چنانچہ دوسرے دن خلیفہ خانقاہ میں گیا اور اُن کی دعوت قبول کر کے وہاں کھانا کھایا۔ وہاں کے انتظام سے بہت خوش ہوا۔ تمام دن خانقاہ میں ٹھہرا رہا اور ایک ہزار دینار (تقریباً ۵۰۰ پونڈ) عیسائی خانقاہ کی امداد میں مرحمت فرماتے۔ اور اس خانقاہ کے متعلق جو مزروعہ زمینیں تھیں یا باغات تھے ان کا کل محصول اور لگان سات برس کے لیے معاف کر دیا۔

ظلم سے نفرت اگر کبھی اسے اطلاع ملتی کہ اس کا کوئی عامل یا گورنر غیر مسلم رعایا کے ساتھ کوئی زیادتی یا ظلم کر رہا ہے تو وہ غصہ سے بے قابو ہو جاتا اور اُسے معزول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کرتا۔

ایک نامور اور مقتدر عباسی امیر علی بن عیسٰی کے جور وستم سے مسلمان اور ذمی اور ادنیٰ اعلیٰ سب عاجز تھے۔ وہ خراسان کے اعیان و عمائد تک سب کی تذلیل و تحقیر کرتا تھا اور سب سے ناجائز روپیہ وصول کرتا تھا۔ لیکن ہارون کو خوش رکھتا تھا، اس لیے اس کی زیادتیوں کی خبر خلیفہ کو نہ ہونے پاتی تھی۔ لیکن جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے اور ہارون رشید کے پاس پیہم اس کی شکایتیں پہنچیں تو اس نے بڑی ذلت کے ساتھ علی بن عیسٰی کو معزول کر کے اس کی جگہ ہرثمہ بن اعین کا تقرر کیا۔

علی بن عیسٰی کی معزولی اور ہرثمہ بن اعین کے تقرر کا جو پروانہ لکھا تھا اس سے ہارون کی پوری سیاست پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اس کا خلاصہ نقل کیا جاتا ہے:

"میں نے تمہارا مرتبہ بڑھایا، تمہارا نام بلند کیا، سردارانِ عرب کو تمہارے نقشِ قدم پر چلایا۔ سلاطینِ عجم کی اولاد میں تمہارا رشتہ قائم کیا۔ اور ان کو تمہارا تابع فرمان بنایا، اس کا بدلہ تم نے یہ دیا کہ مجھ سے عہد شکنی کی، میرے احکام پسِ پشت ڈال کر ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا اور رعایا پر ظلم کیا۔ اور اپنی

بدکرداری، حرص، طمع اور خیانت نے منشائے خدا اور اس کے خلیفہ کو نا راض کیا۔ اس لیے
میں نے تم کو معزول کرکے ہرثمہ بن اعین کو خراسان کا والی بنایا ہے۔ اور ان کو
حکم دیا کہ وہ تم پر تمہاری اولاد پر، تمہارے کاتبوں، ماتحت عہدہ داروں پر
سختی کرکے ایک ایک درہم وصول کر لیں اور مسلمان ذمیوں سے تم نے
جس قدر مال، ناجائز حاصل کیا ہے اس کو حاصل کرکے اس کے مستحقین کو واپس
کر دیں۔ اور اگر تم اور تمہارے متعلقین اس میں مزاحمت کریں تو تازیانہ کی کوڑا
سزا دی جائے۔ تم لوگ ان سب سزاؤں کے مستحق ہو جو عہد توڑنے اور
ظلم و زیادتی کرنے والوں کے لیے ہے تم اللہ، خلیفہ، مسلمان اور ذمی سب
کے مجرم ہو۔"

ماخذ

الہارون	عمر ابوالنصر
تاریخ تمدن الاسلامی	جرجی زیدان
ہارون رشید	پامر
تاریخ اسلام سوم	طبری، یعقوبی، ابن اثیر

ہارون کا بغداد

یہ شہر قدرتی طور سے ایک عظیم الشان دارالخلافہ ہونے کے لیے بہت مناسب اور موزوں تھا، شمال سے براہ دجلہ شہر دیار بکر سے اور مشرق میں براہ خلیج فارس ہندوستان اور چین سے تجارت ہو سکتی تھی۔ علاوہ ازیں دریائے فرات بھی اس جگہ سے دریائے دجلہ سے نہایت ہی قریب ہے اور وہاں سے دریائے فرات کو ایک نہایت عمدہ سڑک جاتی تھی جو براہ راست ملک شام اور ممالک مغرب کو چلی گئی تھی۔ بغداد ایک پرانے زمانے کا نام ہے اس کے معنی ہیں خدا کا عطا کیا ہوا شہر۔ اس لفظ سے بھی اس کے نجائے وقوع کے نہایت عمدہ ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ یہ نیا شہر بہت جلد ایک عظیم الشان اور خوب بارونق دار بن گیا۔ اس کے بانی اور اس کے بعد کے دو جانشینوں نے اس شہر کی سجاوٹ میں اور اس کو بارونق بنانے میں کروڑوں روپے صرف کیے۔ ساسانی بادشاہوں کے پرانے محل اور براعظم ایشیا کے دیگر خاص شہروں سے ان کے تمام نقش و نگار اتروا کر اور عمدہ عمدہ پتھر اور مصالحہ ان میں سے نکلوا کر ان سے بغداد کی عمارتوں کو زیب دیا گیا۔ جس سے یہ شہر بڑا ہی خوبصورت اور پر رونق ہو گیا۔

بغداد کا عروج و فروغ ہارون کو بغداد بنا بنایا ملا۔ عروس البلاد کی حیثیت اسے ہارون کے زمانہ میں حاصل ہوئی۔ حالی کا یہ شعر:

حریم خلافت میں اونٹوں سے لدکر چلے آتے تھے مصر و یونان کے دفتر

درحقیقت ہارون بغداد ہی کے لیے تھا۔ ہارون کے عہد میں بغداد نے جو عروج و فروغ حاصل کرلیا تھا اس کی مثال دنیا پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مادی اعتبار سے یہ دُنیا کا سب سے زیادہ دولت مند شہر تھا۔ تعمیری اعتبار سے اس کے فلک نما ایوان وقصور اپنی مثال آپ تھے۔ بغداد کا ہر چپہ اور گوشہ زندگی بخش اور زندگی پرور مناظر سے بھرپور تھا۔ یہاں صوفیا کی خانقاہیں تھیں۔ علماء کے مدارس اور زاویے تھے۔ مغنیوں کے فن کدے تھے، خوش جمال اور خوش ادا باندیوں کے جھمگھٹ تھے۔ ادیبوں، شاعروں اور فن کاروں کے حلقے تھے۔ امیروں، رئیسوں اور وزیروں کے ایوان زرنگار تھے۔ ہنرمندوں اور پیشہ وروں کے محلے تھے، غیر مسلم آفاقیوں کے راحت کدے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ فارغ البالی اور مرفہ الحالی نے بغداد کو صحیح معنوں میں عروس البلاد بنا دیا تھا۔ لندن اور پیرس، برلن اور نیویارک، ماسکو اور جنیوا، روم اور ہیگ اپنے وقت کے بہت بڑے شہر تہذیب اور کلچر کے مرکز، ثقافت اور معاشرت کا اسوہ تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی بلکہ یہ سب مجموعی حیثیت سے بھی بغداد سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے۔ جس ایوان میں پہنچ جائیے درہموں اور دیناروں کا انبار لگا ہوا ہے۔ حسین و جمیل کنیزیں دست بستہ اور صف باندھے سامنے حاضر ہیں، جام دَور میں ہے، محفل جمی ہوئی ہے۔ نغمہ کی آواز ناہید فلک تک جا رہی ہے۔ چنگ و رباب کی فردوس گوش صدا حسن رعنا اور جمال عشوہ طراز کی جلوہ آرائی، شوقِ بے پروا اور چشم بے محابا کی فتنہ سامانی عام تھی۔ کسی مطربہ کا نغمہ پسند آیا اور لاکھوں دینار اُسے بخش دیے، کسی مغنیہ کی لَے بھائی اور اُسے فرش سے عرش پر پہنچا دیا، کسی گوّیے کا راگ مرغوب خاطر ہوا اُسے اتنا کچھ دیا کہ تنگی داماں کی شکایت پیدا ہو گئی، کسی کا حسن نگاہ پر چڑھا اور خزانے کی تھیلیاں کھول دی گئیں۔ کسی رقاصہ نے اداؤں کے تیر چلائے اور منہ مانگے داموں پر حاصل کر لی گئی۔

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!

یہ حال صرف فرمانرواؤں ہی کا نہیں تھا الناس علیٰ دین ملوکھم بالکل نمایاں حقیقت ہے۔ اس دَور کے امراء و رؤساء بھی اسی رنگ میں رنگے ہوتے تھے۔ وہی

کنیزوں کے جھرمٹ، وہی راگ راگنیوں سے شغف، وہی بات بات پر سونے اور چاندی سے شغف اور زر کا سودا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے اُس زمانہ میں فقر و فلاکت کے مفہوم سے بھی لوگ ناواقف تھے۔ بیکاری اور بے روزگاری کا نام بھی نہیں جانتے تھے۔ عسرت اور بیچارگی کے ذکر سے بھی اُن کے کان ناآشنا تھے۔ دولت کی پیداوار اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ غیر مساوی تقسیم دولت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

عتاب و تعزیر اور بذل و عطا

یہ بغداد تھا جہاں ہارون دادِ عیش اور دادِ حکومت دے رہا تھا۔ کسی کی کوئی بات گراں گزری تو جبین پُر شکن ہو گئی۔ عتاب و تعزیر کا دور چلنے لگا۔ کوئی بات پسند آگئی تو فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔

معن بن زائدہ خلیفہ کا ایک ندیم تھا۔ کسی بات پر خلیفہ اس سے ناراض ہو گیا۔ مگر اُس کو اپنے ندیموں سے جُدا نہ کیا اور اس کو اپنے پاس حاضر رہنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ ہارون نے ایک دن یہ دیکھ کر کہ معن آہستہ آہستہ اور بدقت چلتا ہے اس سے کہا کہ اے معن اب تو تم بوڑھے ہو گئے ہو اس نے عرض کی کہ امیر المومنین! آپ کی خدمت اور ملازمت میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ ہارون نے کہا لیکن تم میں اب تک ہے۔ اس بوڑھے نے جواب دیا، ہاں امیر المومنین! آپ کی ملازمت کی وجہ سے ہمت باقی ہے۔

خلیفہ نے کہا کہ تم بہت بہادر معلوم ہوتے ہو۔

معن نے جواب دیا ہاں امیر المومنین آپ کے دشمنوں کے لیے بہت بہادر ہوں۔

یہ عقل مندی کے جوابات سن کر خلیفہ معن پر پھر مہربانی کرنے لگا یہاں تک کہ ایک دن خوش ہو کر اس کو صوبہ بصرہ کا گورنر مقرر فرما دیا۔

ایک حاضر جواب عرب

بغداد کا ہارون صحرا کے باشندوں سے بھی اتنی ہی دلچسپی لیتا تھا جتنی اس مہذب اور متمدن شہر سے۔

اس زمانہ کے عربوں کی حاضر جوابی کی صرف ایک مثال ذیل میں لکھی جاتی ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے بے شمار حج کعبہ شریف کے ادا کیے۔ ایک دفعہ حج کو جاتے ہوئے

صحرائی راستہ میں ایک معمر عورت ملی، ہارون الرشید نے اس سے دریافت کیا کہ تو کس قبیلے سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ قبیلۂ طے سے ہوں۔ خلیفہ نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ یہ کیا بات ہے کہ تیری قوم میں سے حاتم کی مانند اور کوئی کیوں پیدا نہیں ہوا۔

اس مہذب معمر عورت نے یہ جواب دیا کہ امیرالمومنین! یہ کیا بات ہے کہ تمام خلفائے بنی اُمیہ اور بنی عباس میں سے آپ جیسا اور کوئی خلیفہ پیدا نہیں ہوا؟

خلیفہ نے یہ جواب سن کر اس زنِ بزرگ کو بہت بڑی تعداد میں زرِ نقد انعام دیا۔

ماخذ

ہارون الرشید ۔ پامر

الاغانی

سیر و شکار، تفریح اور مشاغل

ہارون کے مشاغل، سیر و شکار اور تفریحی سرگرمیوں سے متعلق ذیل کے معلومات یقیناً بہت دلچسپ ثابت ہوں گے۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ حکومت کی گراں بار ذمہ داریوں کو خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دینے کے باوجود زندگی کی دلچسپیوں اور رنگ آرائیوں سے بھی وہ پورے طور پر لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ ایک باوقار فرمانروا بھی تھا، یار باش دوست بھی، اور زندگی کی بوقلموں کیفیتوں سے آشنا رہنے والا مردِ زندہ دل بھی!

ہارون کے متعلق مشہور ہے کہ وہ نبیذ قسم کی ایک شراب پیتا تھا جسے فقہائے عراق نے حلال قرار دے دیا تھا، وہ راگ کا بہت شائق تھا اور اس کے لیے بڑی بڑی رقمیں لٹا دیتا تھا اس کے زمانہ میں بغداد میں موسیقی کے فن کو بڑی ترقی ہوئی۔

بغداد میں اگر کوئی امیر یا وزیر یا دربار کا کوئی معزز فرد راگ رنگ کی کوئی محفل منعقد کرنا چاہتا تو وہ اس کی تیاری کے لیے اپنے منتظم کو حکم دیتا تھا جو عمدہ عمدہ کھانے پکوانا اور مغنیوں، ستار بجانے والوں، ناچنے والی لونڈیوں کا انتظام کرتا تھا۔ شعراء کو بھی مدعو کیا جاتا تھا۔ جب یہ تمام انتظام مکمل ہو جاتا تو صاحبِ مجلس اپنے دوستوں اور ساتھیوں کے ساتھ تشریف لاتا۔ تمام لوگ اپنے پہنے ہوئے کپڑے اتار کر ایک خاص لباس پہن لیتے جو "مجالس کا لباس" کہلاتا تھا۔ یہ لباس سرخ، زرد اور سبز رنگ کے کپڑوں پر مشتمل اور بہت قیمتی اور باریک ہوتا تھا۔

اس کے بعد گھر کا منتظم انہیں ایک بڑے ہال (کمرے) میں لاتا جہاں بہت عمدہ فرش بچھا ہوتا تھا۔ درمیان میں آبنوس کی لکڑی کا ایک چبوترہ ہوتا جس کے چاروں طرف کرسیاں بچھادی جاتی تھیں، چبوترے پر ریشم کا ایک دسترخوان بچھا ہوتا تھا۔

جب تمام اہلِ مجلس اکٹھے ہو جاتے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ جاتے تو غلام بلوری صراحیاں لاتے جن میں نبیذ ہوتی تھی۔ دسترخوان پر مختلف رنگوں اور شکلوں کے جام موجود ہوتے تھے جن میں نبیذ انڈیل کر پی جاتی تھی۔ مختلف میووں اور ٹھنڈے گوشت کی رکابیاں بھی موجود ہوتی تھیں۔ عطریات سے تمام فضا مہکی ہوتی تھی۔ کھانے پینے کے دوران مختلف قسم کی بحثیں ہوتی رہتیں۔ کھانے کے بعد راگ رنگ کی محفل شروع ہو جاتی تھی۔

جب خلیفہ شکار کے لیے جانا چاہتا تو اپنے ارادہ سے حاجب کو مطلع کرتا تھا۔ حاجب ان تمام لوگوں کو جن سے شکار میں مدد مل سکتی اکٹھا کرتا تھا، بازوں اور کتوں کا انتظام کرتا تھا محل کے ملازموں کو تیار کرتا تھا۔ جب تمام تیاری مکمل ہو جاتی تو خلیفہ کو اطلاع دیتا تھا۔ خلیفہ تمام لوگوں کو لے کر بغداد سے نکلتا اور دجیل، پہنچتا تھا۔

دجیل کا علاقہ کئی میلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کے بعض حصوں کو ایک مضبوط دیوار نے گھیرا ہوا تھا جو نصف دائرہ کی شکل میں بنی ہوئی تھی۔ تمام لوگ جو خلیفہ کے ساتھ آتے جنگل کے چاروں طرف پھیل جاتے اور جن جانوروں کا شکار کرنا ہوتا ان کو اپنے گھوڑوں اور کتوں کی مدد سے اس دیوار کی طرف بھگاتے، اور دائرہ تنگ کرتے جاتے، جانوروں کو اور کہیں راہ فرار نہیں ملتی تھی تو انہیں مجبوراً اس دیوار کی طرف ہی بھاگنا پڑتا تھا، جب وہ اس احاطہ میں پہنچ جاتے تو ان کا مکمل محاصرہ کر لیا جاتا اور خلیفہ کو اطلاع دی جاتی، خلیفہ اپنے خاص آدمیوں کے ساتھ آتا جتنے جانور چاہتا شکار کر لیتا اور باقیوں کو چھوڑ دیا جاتا۔

جتنی دیر تک خلیفہ کے خادم شکار ہنکانے میں لگے رہتے تھے اتنی دیر خلیفہ بغداد کے نواحی علاقوں کا چکر لگاتا رہتا۔ اور قدرت کے نظاروں سے لطف اندوز ہوتا رہتا۔ جب اُسے اطلاع ملتی کہ شکار کو گھیر لیا گیا ہے تو وہ مقررہ جگہ پر آتا اور شکار کرتا۔

جب کسی پرندے کا شکار کرنا ہوتا تو وہ لوگ جن کے پاس باز اور شکرے ہوتے

اپنے بازوں اور شکروں کو ہوا میں اڑا دیتے، وہ شکار پر جھپٹتے اور آن واحد میں اسے زمین پر لے آتے تھے۔

سیر و شکار کے تذکرہ کے بعد اب خلیفہ کے باغ کا مختصر سا حال بیان کیا جاتا ہے جو اپنی خوبصورتی اور ترتیب میں اپنی نظیر آپ تھا، خلیفہ اکثر اس میں سیر کے لیے جایا کرتا تھا۔ باغ کی کیاریوں میں سینکڑوں قسم کے خوشنما پھول کھلے رہتے تھے۔ مختلف قسم کے درخت اُگے ہوتے تھے۔ یہ درخت ہندوستان، خراسان اور ترکستان تک سے منگوا کر لگوائے گئے تھے، جا بجا خوبصورت جھاڑیاں اُگی ہوتی تھیں جنہیں قینچی سے کاٹ کر حیوانات کی شکل دی ہوتی تھی۔ بعض جھاڑیاں مور کی شکل کی تھیں۔ بعض دوسرے خوبصورت پرندوں کی شکل دی ہوتی تھی۔

کیاریوں کے درمیان حوض بنے ہوتے تھے جن میں چھوٹی چھوٹی نہروں کے ذریعے پانی آتا تھا، ان حوضوں میں خوش نما رنگ کی چھوٹی چھوٹی مچھلیاں تیرتی رہتی تھیں، باغ کی دیواروں پر چھوٹے چھوٹے رنگین پتھروں کو جوڑ کر مختلف جانوروں اور پھولوں کی نہایت خوبصورت تصاویر بنائی گئی تھیں جو پچی کاری کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھیں۔ ان کاموں کے لیے فارس، روم اور ہندوستان تک سے کاریگر منگائے گئے تھے۔

کسی سطح پر نقش بنانا

ہارون اور زبیدہ

ہارون کی شادی زبیدہ سے ہوئی جو اُس کی بنتِ عم تھی۔

زبیدہ ہارون کی نہایت محبوب اور چہیتی بیوی تھی۔ باہمہ رُعب وہیبت وصولت و جلال ہارون اگر دُنیا میں کسی سے دبتا تھا اور جھکتا تھا تو وہ زبیدہ ہی تھی۔ ہارون پر زبیدہ کے اثر ورسوخ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ برامکہ کے زوال کا سب سے بڑا سبب وہی تھی۔ ولی عہدی کا ذاتی خصوصیات اور اہلیت کے لحاظ سے مامون بہت زیادہ مستحق تھا، لیکن زبیدہ مصر تھی کہ امین ولی عہد بنایا جائے۔ ہارون کو اپنی مرضی اور ارادے کے خلاف یہ بات ماننی پڑی اور امین کی ولی عہدیت پر بیعت ہو گئی۔

زبیدہ کے صفاتِ حمیدہ

زبیدہ صفاتِ حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کی مالک تھی، پاک سرشت، پاک نہاد، عبادت وریاضت سے اُسے خاص دلچسپی تھی، سخاوت اور فیاضی اس کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔

زبیدہ کی ایک سو کنیزوں کو قرآن شریف حفظ یاد تھا۔ اور زبیدہ کو اگر کچھ کام تھا تو وہ قرآن خوانی کا تھا۔ ان سو کنیزوں میں سے ہر ایک روزانہ تین پارے پڑھتی تھی۔ گویا زبیدہ خاتون کا محل مثل شہد کے چھتے کا تھا جو ہر وقت قرآن پڑھنے کی وجہ سے گنگناتا رہتا تھا۔ ١

نہرِ زبیدہ

یہ بات زبیدہ خاتون ہی کی فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے ہے کہ پاک شہر مکہ میں اوّل ہی اوّل مرتبہ پانی بہت کثرت اور بڑی اچھی طرح سے بہم پہنچایا گیا۔

تھا اس سے پہلے وہاں پانی کی بہت کمی تھی اور خصوصاً حج کے ایام میں جو ایک عظیم الشان سالانہ مجمع ہوتا تھا تو پانی کی ایک ایک مشک ایک ایک دینار (پانچ روپے) میں آیا کرتی تھی۔ علاوہ ازیں اس سڑک پر جو بغداد سے مکہ شریف کو جاتی ہے زبیدہ خاتون نے بہت سے کنوئیں بنوا دیے تھے اور حجاج کے آرام کے لیے متعدد کارواں سرائے بنوا دی تھیں۔ مسافر خانہ

زبیدہ کی شان اور آن

زبیدہ خاتون کی خانہ داری کا انتظام بھی بڑی فیاضی اور صرف کثیر سے ہوتا تھا۔ زبیدہ کے لیے سونے اور چاندی کی رکابیوں اور طباقوں میں کھانا چنا جاتا تھا۔ اس سے پہلے عرب کے دستور کے موافق صرف سفرہ بچھایا جاتا تھا یا چمڑے کا دسترخوان ہوتا تھا اور امیروں اور بادشاہوں سب کا یہی دستور تھا۔ اور جس محمل یا ہودہ یا تخت پر زبیدہ ہوتی تھی وہ آبنوس یا صندل کی لکڑی کا ہوتا تھا۔ اور چاندی سے مرصع اور نقش و نگار سے مزین ہوتا تھا۔

کنیزوں کا باڈی گارڈ

زبیدہ نے اپنی کنیزوں کا اپنے لیے ایک باڈی گارڈ بنایا تھا اور ان کو زرق و برق زرتار وردیاں بنوا دی تھیں۔ اور جہاں زبیدہ جاتی یہ باڈی گارڈ اس کے ہمراہ ہوتا تھا۔ زبیدہ خاتون کی یہ رسم پھر بغداد کے تمام دولت مندوں اور امراء و شرفاء اور اشرافوں نے اختیار کر لی۔

ابونواس کی دُرگت زبیدہ کے ہاتھوں

ایک دن ہارون رشید بہت رنجیدہ اور غمگین بیٹھا ہوا تھا۔ ابونواس اس کے حضور میں حاضر ہوا۔ اس نے خلیفہ کو خوش کرنے اور ہنسانے کی کوشش کی لیکن ہنسی نہ آئی۔ آخر کار اس ظریف نے کہا کہ امیر المومنین آپ آج اس قدر رنجیدہ کیوں ہیں؟ واللہ میں نے آپ کی مانند کسی شخص کو ایسا نہیں دیکھا جو اپنے اوپر اس قدر ظلم رکھتا ہو۔ آپ دنیا اور دین دونوں کی خوشیاں کیوں حاصل نہیں کرتے؟ جبکہ یہ باتیں آپ کے اختیار میں ہیں۔ عقبیٰ میں خوشی اور ثواب حاصل کرنے کے یہ طریقے ہیں کہ محتاجوں اور مساکین دیا میں کو فی سبیل اللہ خیرات دیجیے اور ان کی دستگیری کیجیے۔ مکہ شریف جا کر حج کیجیے۔ مسجدوں کی مرمت کرائیے بعد سے اور مکتب جاری کیجیے اور اپنی سلطنت کے ہر حصے میں ترقی کی

کوشش کیجئے۔ ایسے سب امور کی بابت آپ کو دین میں جزا ملے گی اور اس دنیا کی خوشی اور عیش وآرام کے یہ کام ہیں کہ عمدہ عمدہ نفیس نفیس کھانے کھائیے، شربت پیجئے، مدینہ یا حجاز اور عراق کی ماہ رُو اور خوبصورت کہ چاہے وہ بلند وبالا ہوں یا متوسط یا پستہ قد اپنے گرد جمع کر لیجئے جن کی عقل ان کی شکل کی مانند منور اور ان کی زبان ان کی آنکھوں کی چمک کی مانند فصاحت اور بلاغت رکھتی ہو۔ ابو نواس نے ایسی مسلسل اور عمدہ تقریر کی کہ خلیفہ کی پریشانی اور سستی جاتی رہی۔ خلیفہ کو راضی کر کے ابو نواس اپنے گھر روانہ ہوا۔ ابو نواس کے جاتے ہی زبیدہ خاتون ہارون الرشید کے پاس آئی اور خوشامد وغیرہ کر کے خلیفہ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ ابو نواس نے آپ کے حضور میں جو باتیں کی ہیں وہ آپ مجھ سے بیان کریں اور اس نے مزید کہا کہ ابو نواس نے آپ کو ایسی نصیحتیں کیں لیکن آپ نے اس کو جھڑکا نہیں، خلیفہ نے جواب دیا کہ ایسی اچھی نصیحتوں پر اس کو جھڑکنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

یہ سن کر زبیدہ خاتون غصے میں بھر کر خلیفہ کے پاس سے چلی گئی۔ اپنے محل میں پہنچ کر اس نے اپنے غلاموں کو بلایا اور ان کو حکم دیا کہ ابو نواس کے گھر جا کر اسے خوب پیٹو۔

غلام ابو نواس کے گھر گئے۔ وہاں اس کو خوش خوش پایا کیونکہ وہ خلیفہ کو راضی کر کے اور اس کا غم غلط کر کے آیا تھا۔ اس کو یہ امید تھی کہ خلیفہ میری باتوں سے راضی ہوا ہے وہ یقیناً مجھے کچھ انعام دے گا کہ یکایک یہ غلام جا پہنچے اور ابو نواس کو اس قدر مارا کہ اگر اس کی بیوی بیچ میں پڑ کر اس کو نہ بچاتی تو درحقیقت ابو نواس مر جاتا۔ ابو نواس کو اس قدر سخت چوٹ آئی کہ وہ کئی دن تک صاحبِ فراش رہا۔ ہارون کو اس بات کی کچھ خبر نہ تھی۔ ایک دن اس نے مسرور کو بھیج کر ابو نواس کو بلایا۔ مسرور ابو نواس کا یہ حال دیکھ کر بہت متعجب ہوا۔ مگر وہ ترغیب دے دلا کر ابو نواس کو اس کے خلیفہ کے حضور میں لے گیا۔ خلیفہ اس سے نہایت مہربانی سے پیش آیا۔ اس کو بیٹھنے کا حکم دیا اور پوچھا کہ کیا وجہ تھی جو تم اتنے دنوں سے دربار میں نہیں آتے۔

ابو نواس نے خلیفہ کے حضور میں آتے ہوئے ایک دروازہ دیکھ لیا تھا جس پر ایک پردہ پڑا تھا اور اس میں کوئی شخص نظر آتا تھا۔ ابو نواس نے اپنی سوجھ بوجھ سے پہچان لیا

کہ پردے کے پیچھے زبیدہ خاتون ہیں اس لیے اس نے ذرا احتیاط سے گفتگو کرنے کا تہیہ کیا۔
عرض کیا کہ امیر المومنین میں بیمار تھا اس وجہ سے حاضری سے معذور رہا۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑا افسوس ہے تم بیمار رہے اور مجھے تمہارا حال معلوم نہ ہوا۔ اور ہاں اس دن جو تم ماہ پیکر اور خوبصورت عورتوں کی باتیں کر رہے تھے وہ بہت عمدہ گفتگو تھی۔ وہی گفتگو میں تم سے اس وقت پھر سننا چاہتا ہوں۔

ابو نواس نے کہا کہ امیر المومنین میں اس دن آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ عربوں نے لفظ ضرۃ، کو جس کے معنی دسوت، کے ہیں لفظ ضرر سے جس کے معنی نقصان کے ہیں استخراج کیا ہے اور عربی میں ایک ضرب المثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کی دو بیویاں ہوتی ہیں اس کی باقی زندگی رنج اور تکلیف میں گزرتی ہے اور جس کی تین بیویاں ہوتی ہیں اس کی تمام زندگی بے چینی اور بہت رنج سے گزرتی ہے اور جس شخص کے چار بیویاں ہوں تو اس شخص کو مثل مردہ کے سمجھنا چاہیے گو کہ وہ زندہ ہی ہوتا ہے۔ امیر المومنین! میں نے تو آپ کو یہی مشورہ دیا تھا اور علاوہ ازیں میں نے یہ بھی کہا تھا کہ جو شخص ایک ہی بیوی پر قناعت کر کے خوش رہتا ہے تو اس کو بڑی لذت اور عظمت حاصل ہوتی ہے اور اس کی زندگی بڑی خوشی سے گزرتی ہے۔

ہارون رشید نے چلا کر کہا، اگر میں نے اس قسم کا ایک حرف بھی تم سے سنا ہو تو اللہ تعالیٰ میرے مذہب سے مجھے خارج کر دے۔

ابو نواس نے عاجزی سے کہا کہ شاید امیر المومنین کی یاد سے یہ باتیں فراموش ہو گئی ہیں۔ ایک بات میں اور کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ عربی ضرب المثل کے مطابق بنی مخزوم تو گویا قوم قریش میں مثل پھول کے ہیں اور آپ زبیدہ خاتون دختر قاسم کے شوہر ہیں۔ زبیدہ خاتون پھولوں کی پھول ہیں اور دیکھنے والوں کی راحت و چین ہیں۔ امیر المومنین! میں نے آپ کے بشرہ سے ازراہ قیافہ یہ بات معلوم کر لی تھی کہ آپ کا دل دوسری عورتوں کی جانب مائل ہے اس لیے میں یہ بات ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ صرف زبیدہ خاتون ہی ایک ایسی مخدرہ باعصمت ہیں جو آپ کے لیے مناسب ہیں۔ کوئی اور عورت آپ کے مناسب

نہیں ہے۔

ہارون الرشید نے غصے میں آ کر کہا کہ ابونواس ذرا تم ہوش میں آؤ۔ کیا تم مجھے جھوٹا بنانا چاہتے ہو؟

ابونواس نے عرض کیا امیر المومنین تو کیا آپ مجھے وقتِ مقررہ سے پہلے ہی مروا دینا چاہتے ہو۔ یا پھر آپ مجھے پھر صاحبِ فراش کرانا چاہتے ہو کہ جس میں سوائے غم اور غصے کے اور کوئی مجھے تسلّی دینے کے لیے بھی نہ ہو؟ اس وقت پردہ کے پیچھے سے ہنسی کی آواز سنائی دی اور ایک آواز آئی ابونواس تم سمجھے ہو تم نے اس قسم کی نصیحت سے مختلف نصیحت نہ کی ہوگی جیسی کہ اب کر رہے ہو، یہ صرف امیر المومنین کے خیالات پریشان ہوں گے کہ انہوں نے گھڑ لیے تھے اور تمہارا نام لگا دیا۔ ابونواس نے جواب دیا۔

ہاں ہاں درست ہے۔ اور جلدی سے اُٹھ کر اپنے گھر کی طرف دوڑتا ہوا چلا کہ کہیں آج بھی کوئی کلمہ میرے مُنہ سے زبیدہ خاتون کے خلاف نہ نکل گیا ہو۔ لیکن جب ابونواس اپنے گھر پہنچا تو دروازے پر زبیدہ خاتون کے غلاموں کو موجود پایا، یہ غلام زبیدہ خاتون کی طرف سے اس کے لیے خلعتِ فاخرہ اور ایک بڑی تعداد زرِ نقد بطورِ انعام کے لے کر بیٹھے تھے۔

یہ انعام پا کر ابونواس نے قسم کھائی کہ میں آئندہ کوئی لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالوں گا کہ جس کی وجہ سے زبیدہ خاتون کو کوئی رنج پہنچے۔

خلیفہ کو جب یہ تمام احوال معلوم ہوا تو وہ بہت ہنسا اور ابونواس کے پٹنے پر افسوس کیا۔ بعد ازاں خلیفہ نے ابونواس کو زبیدہ خاتون کی طرح بہت ہی قیمتی خلعت اور ایک کثیر زرِ نقد کی رقم بطورِ انعام عطا فرمائی۔

عبرت ہارون رشید کے زمانہ میں زبیدہ نے جس شان و شوکت اور دبدبہ کی زندگی بسر کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ لیکن ہارون کے بعد اس کا ستارہ گردش میں آیا۔ بیوگی کے غم کی تلافی امین کی خلافت نے کسی حد تک کر دی تھی لیکن دونوں بھائیوں میں جنگ تخت نشینی برپا ہوئی۔ امین مارا گیا۔ مامون کامیاب رہا۔ اس حادثہ نے اُسے زندہ درگور اور نیم جان کر دیا۔ اگرچہ مامون نے اس کے اجلال واکرام میں بظاہر کوئی فرق

نہ آنے دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس غم نے اس کی جان لی۔ اس کی زندگی کا یہ پہلو بھی بیحد روشن اور تابناک ہے کہ ہارون کی وفات سے لے کر امین کے قتل تک اور امین کے قتل سے لے کر اپنی وفات تک اس نے کوئی ایسی کمزوری ظاہر نہ ہونے دی جس سے اس کی شان، آن اور وقار میں فرق آتا۔

ماخذ

ہارون رشید	پامر
تاریخ اسلام	امیر علی
المامون	شبلی

عہدِ ہارون کی علمی ترقیاں

ہارون الرشید کا عہدِ حکومت جس اعتبار سے دیکھئے یکتا، بے ہمتا، شاندار اور فقید المثال نظر آئے گا۔ علمی اعتبار سے اس کے زمانہ میں جو ترقیاں ہوئیں انہوں نے ایک طرف عربی زبان کو علومِ مغربی اور علومِ ملل قدیمہ سے مالا مال کر دیا، دوسری طرف مسلمانوں کی فکری تعمیر و تشکیل میں غیر معمولی اور نمایاں حصّہ لیا۔

بے خوفِ تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اگر ہارون کے زمانہ میں علم و ادب کی سرپرستی نہ ہوئی ہوتی اور بیت الحکمت نہ قائم ہوا ہوتا، ادیبوں، شاعروں، عالموں اور فن کاروں کی جھولیاں سیم و زر سے نہ بھری گئی ہوتیں تو مسلمانوں کے علمی عروج و فروغ کا دور شاید بہت دیر میں شروع ہوتا ہے اور پھر وہ مقام حاصل نہ کر سکتا جو ہارون کے چند سالہ دورِ حکومت میں اس نے حاصل کر لیا۔

اصحابِ علم و کمال

ہارون الرشید کے زمانہ میں جس قدر اہلِ علم و کمال، فضلاءؒ مفتی علماء، شعراء، ادیب، نجومی، قاضی، طبیب وغیرہ موجود تھے اس قدر اہلِ کمال کسی خلیفہ کے زمانے میں نہیں ہوتے۔ مغنیوں اور موسیقاروں کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔ وہ ان سب کا مربی تھا اور بذاتہٖ اس میں سب قسم کی خوبیاں موجود تھیں۔ ہارون الرشید خود اپنے زمانہ کا ایک کامل اہلِ علم اور بڑا عالم و فاضل تھا۔ شاعر بھی تھا۔ شعر بہت اچھے کہتا تھا۔ علم تاریخ، علم حدیث، فقہ، اور شاعری میں وہ بہت بڑھا ہوا تھا۔

مناسب موقعوں پر ان کا اظہار کیا کرتا تھا۔ ہارون بڑا ہی صاحب تمیز اور بڑی عقل و فہم، فراست و کیاست رکھتا تھا، ایسا شخص خوش اخلاق، بامروت، متواضع اور حلیم تھا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ دل سے اس کا ادب اور لحاظ کرتا تھا۔

جاحظ کا قول ہم عصر اہلِ قلم نے بھی ہارون کی مدح سرائی اور اس کی علمی قدردانیوں کے اعتراف میں بخل سے کام نہیں لیا ہے۔

جاحظ کا قول ہے کہ جیسے ارباب کمال ہارون کو میسر ہوئے اور کسی دوسرے خلیفہ کو میسر نہیں ہوئے کیونکہ وزارت میں برامکہ، عہدۂ قضاۃ میں ابویوسف، شاعروں میں مروان بن ابی حفصہ، ندیموں میں عباس بن محمد عباسی، حاجبوں میں فضل بن الربیع، مغنیوں میں ابراہیم الموصلی اور ہارون کی ذات خاص سے جس کا تعلق تھا وہ اس کی پیاری بیگم زبیدہ خاتون تھی۔

فن کاروں اور دانشوروں کی مختصر فہرست آگے چل کر عہدِ ہارونی کے ادیبوں شاعروں اور عالموں میں سے بعض کا ذکر ہم ذرا تفصیل سے کریں گے لیکن مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ عہدِ ہارونی کے باکمال اور صاحبانِ علم و فضل میں سے جن علماء، فضلاء، ادباء، شعراء، اور نحویین کا انتقال ہارون الرشید کے زمانہ میں ہوا ان میں سے چند کے نام مولانا جلال الدین السیوطی نے اپنی تاریخ الخلفاء کتاب میں درج کیے ہیں ہم انہیں یہاں نقل کرتے ہیں:

۱۔ حضرت مالک بن انس	۲۔ لیث بن سعد
۳۔ قاضی ابو یوسف	۴۔ قاسم بن معن
۵۔ مسلم بن خالد زنجی	۶۔ نوح الجامع
۷۔ حافظ ابوعوانہ لشکری	۸۔ ابراہیم بن سعد زہری
۹۔ ابواسحاق فزازی	۱۰۔ ابراہیم بن ابی یحییٰ شیخ الشافعی

۱۱۔ اسد کوفی (جو اصحاب ابوحنیفہ میں سے تھے)

۱۲۔ اسمٰعیل بن عیاش	۱۳۔ بشر بن مفضل

۱۴- سیبویہ امام العربیہ
۱۵- سلیم مقری صاحب حمزہ
۱۶- جریر بن عبدالحمید زیاد بکائی
۱۷- ضیغم زائد
۱۸- عبداللہ عمری زاہد
۱۹- عبداللہ بن مبارک
۲۰- عبداللہ بن ادریس کوفی
۲۱- عبدالعزیز بن ابی حازم
۲۲- دراوردی
۲۳- کسائی
۲۴- شیخ القرا محمد بن حسن صاحب ابوحنیفہ
۲۵- علی بن مسہر
۲۶- غنجار
۲۷- عیسیٰ بن یونس سبیعی
۲۸- فضل بن عیاض
۲۹- ابن السماک واعظ
۳۰- مروان بن ابی حفصہ شاعر
۳۱- معافی بن عمران موصلی
۳۲- معتمر بن سلیمان
۳۳- مفضل بن فضالہ قاضی مصر
۳۴- موسیٰ بن ربیعہ
۳۵- ابوالحکیم مصری جو اولیا میں سے تھے
۳۶- نعمان بن عبدالسلام اصفہانی
۳۷- ہیثم
۳۸- یحییٰ بن ابی زائدہ
۳۹- یزید بن ذریع
۴۰- یونس بن حبیب نحوی
۴۱- یعقوب بن عبدالرحمٰن قاری مدینہ
۴۲- عبدالرحمٰن بن قاسم
۴۳- عباس بن احنف شاعر
۴۴- ابوبکر بن عیاش مقری
۴۵- یوسف بن ماجشون وغیرہم

اس فہرست میں جتنی جتنی تحقیق کی جائے اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے ۔

اصحابِ فضل وکمال کی جماعت

استاد سنتلانہ نے جامعہ مصر میں ایک لیکچر (فلسفہ کے مذہب کی تاریخ) پر دیا تھا۔ جس کے آغاز میں انہوں نے فرمایا تھا کہ عہدِ آلِ عباس میں فن ترجمہ کی تاریخ تین ادوار میں تقسیم کی جاسکتی ہے ۔

پہلا دور ابوجعفر منصور کی خلافت سے شروع ہوتا ہے اور ہارون الرشید پر جاکر ختم ہوجاتا ہے جس کی مدت ۱۳۶ھ ، ۱۹۳ھ تک سمجھنی چاہیے، مترجمین کا طبقہ اول یہی ہے

[illegible]

[illegible]

[illegible] علم الافلاک کے [illegible]

[illegible]

۱- محمد بن کثیر فرغانی (ابن کثیر) ۲- بختیشوع بن جبرئیل

۳- جبرئیل بن بختیشوع بن جبرئیل ۴- حارث حسن بن سہل بن نوبخت

۵- ذکریا طیفوری ۶- سہل بن شاپور (ابن سہل)

۷- مسند بن علی ۸- صالح بن بہلہ ہندی

۹- عباس بن سعید جوہری ۱۰- عبداللہ بن سہل بن نوبخت

۱۱- ابو حفص بن عمر بن الفرخان ۱۲- موسیٰ بن شاکر اور ان کے صاحبزادے

۱۳- محمد ۱۴- احمد

۱۵- حسن - یہ سب منجم تھے۔

قفطی نے تین اور ہستیوں کا ذکر کیا ہے جو علم الہندسہ اور علم الحیل میں کمال رکھتے تھے اور

۱۶- موسیٰ بن اسرائیل ۱۷- ماشاء اللہ منجم یہودی

۱۸- میخائیل بن ماسویہ ۱۹- یحییٰ بن ابی منصور

۲۰- یعقوب بن اسحاق اور اُس کے یگانۂ روزگار شاگرد

۲۱- حسنویہ لفطویہ
۲۲- سلمویہ
۲۳- حمویہ
۲۴- احمد بن طیب
۲۵- ابو قریش
۲۶- یوحنا بن ماسویہ لفراقی
۲۷- ابو قریش المعروف
۲۸- عیسیٰ اسیدلانی وغیرہ۔ مثلاً
۲۹- آل ثابت
۳۰- یاسرجویہ
۳۱- آل الکمرانی
۳۲- ابن دہن ہندی مدیر بیمارستان

برامکہ ابن ندیم کا قول ہے کہ یہ شخص سنسکرت سے عربی میں کتابوں کے ترجمے کیا کرتا تھا اور منکہ طبیب ہارون الرشید یہ بھی سنسکرت سے عربی میں ترجمہ کیا کرتا تھا۔ خیر، اب کہاں تک یہ فہرست پیش کی جاتے۔ اس فہرست کے علاوہ اور بہت سے قابلِ ذکر اسماء ہیں جو بے شمار ہیں لہذا انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

عہدِ ہارون کے علماء صلحاء صوفیاء

خلیفہ ہارون الرشید کا عہدِ زرّیں علماء، صلحاء، اور صوفیا کے لحاظ سے بھی فرد اور یگانہ تھا۔ اس دور میں جس پایہ کے عالم پیدا ہوئے، جس رُتبہ کے اہلِ دل نمایاں ہوتے، کسی ایک شخص کے عہد میں اس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

عہدِ ہارونی کے علماء اور اصحابِ علم وکمال کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ علومِ مختلفہ و متنوعہ کے امام تھے۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر۔ تفقہ، قیاس اور افتا میں قاسم بن معن زبان دانی اور محاوراتِ عرب میں داؤد طائی اور فضیل بن عیاض زہد و ورع میں، اپنا جواب آپ تھے۔

امام محمد کی جلالتِ شان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام شافعی کو ان کی شاگردی پر فخر تھا۔

عہدِ ہارون کے جملہ علماء اور اصحابِ فضل وکمال اور صوفیاء و صلحاء کا تذکرہ ان مختصر اوراق میں ناممکن ہے۔ لیکن ان میں سے کچھ کا ذکر مختصر طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس سے باقی کا اندازہ ہو جائے گا۔

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا!

اگلے صفحات میں جن بزرگوں کا ذکر ہم کر رہے ہیں اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب ملحوظ رکھی ہے۔

امام ابو یوسف

قاضی امام ابو یوسف، امام ابوحنیفہ کے شاگرد رشید اور عہدِ ہارون الرشید کے فقید المثال شخصیت تھے۔ انہوں نے امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور بہت سے آئمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی اعمش ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحاق شیبانی، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ محمد بن اسحاق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے مسائل سیکھے۔ خدا نے حافظہ و ذہن ایسا قوی دیا تھا کہ ہر ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے۔ حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث میں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے اور ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے۔

امام صاحب جب تک زندہ رہے قاضی صاحب ان کے حلقۂ درس میں ہمیشہ شریک ہوتے رہے۔ ان کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا۔ چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں ان کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُن کے جانشین ہادی نے بھی ان کو اسی عہدے پر بحال رکھا۔ لیکن ہارون الرشید نے اُن کی لیاقت و قابلیت سے واقف ہو کر تمام ممالکِ اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا۔

وفات کے وقت کیا فرمایا؟ جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاوّل کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُن کی زبان پر تھے۔

"اے خدا تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ خلاف واقعہ نہیں کیا ہے۔ میری ہمیشہ خواہش رہی ہے کہ جو فیصلہ ہو تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقے کے مطابق ہو۔ جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تھا تو امام ابوحنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ابوحنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستے سے باہر نہ جاتے تھے۔"

قاضی صاحب بہت بڑے دولت مند تھے۔ لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا۔ مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپے مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور کوفہ و بغداد کے محتاجوں کو دیے جائیں۔

علوم مختلفہ میں کمال امام صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے۔ اگرچہ اُن کی شہرت زیادہ تر ترتیب فقہ میں ہوئی لیکن اور علوم میں بھی وہ اپنی آپ ہی نظیر تھے۔ مورخ ابن خلکان نے ہلال ابن یحییٰ کا قول نقل کیا ہے کہ ابویوسف تفسیر مغازی، ایام تفسیر مغازی، ایام العرب کے حافظ تھے۔ اور فقہ اُن کا ادنیٰ سا علم تھا۔ حدیث میں اُن کا یہ پایہ تھا کہ حفاظِ حدیث میں شمار کیے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ذہبی نے "تذکرۃ الحفاظ" میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔ یحییٰ ابن معین کہا کرتے تھے کہ:

"اہل الرائے میں ابویوسف سے بڑھ کر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں"، امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ "کان منصفا فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے کہ ابویوسف "اتبع القوم للحدیث"

خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ "اول جب مجھ کو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابویوسف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یحییٰ بن معین اور احمد بن حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں نقل کیں۔ اس سے زیادہ ان کی عظمت و شان کی کیا دلیل ہوگی!

امام ابوحنیفہ کا اعتراف فقہ میں ان کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کو خود اُن کے کمال کا اعتراف تھا۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے۔ امام صاحب عیادت کو گئے۔ واپس آئے تو ساتھیوں سے

کہا: اگر خدا نخواستہ یہ شخص ہلاک ہوا تو دُنیا کا عالم ہلاک ہوا۔"

اور آئمہ بھی ان کے جدتِ ذہن اور قوتِ فہم کے قائل تھے۔ امام اعمش اسی زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے۔ انہوں نے قاضی سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے جواب بتایا۔ امام اعمش نے کہا کہ اس پر کوئی سند ہے؟

قاضی صاحب نے فرمایا، ہاں، وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ، یعقوب یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے جب تمہارے والد کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس کا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا۔"

فنِ فقہ کا پہلا مصنف

امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں، مختلف علوم میں ان کی تصنیفات بہت ہیں۔ اور ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں ان کی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن اس جگہ کتاب الخراج کا ذکر مقصود ہے۔

ہارون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب سے یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب نے اس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اگرچہ اس میں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے متعلق مسائل ہیں اور اس لیے اس کو اس زمانہ کا قانونِ مالگذاری کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظِ حیثیت اور بلحاظِ تنوع لگان کی مختلف شرحیں، کاشت کاروں کی حیثیتوں کا اختلاف، پیداوار کی قسمیں، اس قسم کی اور مراتب کو اس خوبی اور دقتِ نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اُن کے متعلق قواعد قرار دیے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے، طرزِ تحریر میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ نہایت آزادانہ ہے۔ قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ ساتھ جا بجا ان ابتریوں کا ذکر ہے جو انتظاماتِ سلطنت میں موجود تھیں اور ان پر نہایت بے باکی کے ساتھ خلیفۂ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

ہارون کے سامنے کلمۂ حق

امام صاحب کی تاریخِ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابلِ قدر ہے یہ ہے کہ ہارون الرشید

جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جس کی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے۔ کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون رشید کو لکھتے ہیں کہ "اے امیر المومنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کیا کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا دشمن ان لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں، اور اگر تو دو ایک بار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے، بلکہ اگر عمال اور صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس میں ایک مرتبہ انصاف کے لیے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پاتے۔

امام صاحب کے سوا کس کی جرأت تھی کہ ہارون کو یہ الفاظ لکھتا۔

اولیت امام صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں۔ مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ:

"قاضی ابو یوسف پہلے شخص ہیں جس نے علماء کے لیے ایک خاص لباس تجویز کیا۔ ورنہ آج تک تمام لوگوں کا ایک لباس ہوتا تھا۔"

کتاب الخراج امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" اپنی اہمیت، معنویت اور افادیت کے اعتبار سے یکتا اور یگانہ چیز ہے۔ یہ کتاب لکھ کر امام صاحب نے ثابت کر دیا کہ علمائے حق بڑے سے بڑے سلطان کو ٹوک سکتے اور راہ حق کی طرف اس کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

کتاب الخراج کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:

امیر المومنین نے رعایا سے ظلم کے ازالہ اور اس کی فلاح و بہبود کے لیے خراج، عشور، صدقات اور جزیہ پر ایک جامع کتاب لکھنے کا حکم دیا ہے۔ خدا امیر المومنین کو ان امور سے متعلق اس کے فرائض کی تکمیل کی توفیق دے۔ امیر المومنین کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ اس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے اور عذاب بھی بہت بڑا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس امت کا ذمہ دار بنایا ہے اور اس کے ذریعہ آپ کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ کوئی عمارت جس کی بنیاد تقویٰ پر نہ ہو قائم نہیں رہ سکتی۔ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے بنانے والے پر گرا دیتا ہے

اس لیے اس امت اور رعایا کی ذمہ داری جو آپ کے سپرد ہے اس کو ضائع نہ کیجئے عمل میں اللہ تعالیٰ قوت عطا فرماتا ہے اور آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھئے۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو اس کو ضائع کر دیا۔ موت انسان کی آرزوؤں سے قریب تر ہے۔ اس لیے عمل میں جلدی کیجئے۔ موت کے بعد عمل کا موقع نہیں ہے۔ بادشاہوں کو اپنے خدا کے دربار میں وہی چیز پیش کرنا ہوگی جو چرواہا اپنے مالک کی خدمت میں واپس کرتا ہے یعنی (رعایا) اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس چیز کا والی بنایا ہے اس میں حق و انصاف کو قائم کیجئے۔ اگرچہ تھوڑی دیر سہی۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے خوش قسمت وہ راعی ہوگا جس کے ذریعہ اس کی رعایا کو خوش بختی حاصل ہو، کج روی اختیار نہ کیجئے ورنہ رعایا بھی سیدھی راہ سے ہٹ جائے گی۔ خواہش نفس کی تکمیل اور غصہ کی بنا پر مواخذہ کرنے سے بچیئے۔ جب آپ کے سامنے ایسے دو امور آئیں جن میں سے ایک میں دُنیا کا بھلا ہو، اور دوسرے میں آخرت کا تو آخرت والے امر کو اختیار کیجئے۔ دُنیا فانی اور آخرت پائیدار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہمیشہ نگاہ میں رکھیئے۔ خدا کے معاملے میں قریب و بعید سب کو برابر سمجھئے اور اس بارے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے خوف نہ کیجئے۔ خوف دل سے ہوتا ہے زبان سے نہیں، تقویٰ اختیار کیجئے، وہ احتیاط سے حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص خدا کے لیے تقویٰ اختیار کرتا ہے خدا اس کو بچاتا ہے۔

ظلم کے خلاف احتجاج

مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ خراج کے عمال اپنی جانب سے ایسے تحصیلدار کو بھیجتے ہیں، جو ظلم کرتے اور ناجائز مال وصول کرتے ہیں۔ اس خدمت پر صالح اور پاک دامن لوگوں کو مقرر کرنا چاہیے۔ جب اس پر آپ کوئی عامل مقرر کریں اور وہ اپنی جانب سے کسی امین، دیندار اور معتبر آدمی کو یہ سپرد کر دے تو اس کو اس آمدنی سے مقررہ دستور کے مطابق مناسب معاش دی جائے لیکن وہ اتنی زیادہ نہ ہو کہ جس میں صدقات کی کل آمدنی ہی ختم ہو جائے۔

مشورہ صائب

جو شخص اس خدمت پر مامور کیا جائے اس کو فقیہ، عالم اور امین ہونا چاہیے۔ عموماً ان کے تقرر میں احتیاط نہیں کی جاتی بلکہ جو شخص چند دنوں تک

کسی والی کے در سے چمٹ جاتا ہے اسی کو مسلمانوں کی گردن پر سوار کر دیا جاتا ہے خواہ خود اس کے اخلاق، پاک دامنی اور سلامت روی کا کوئی علم نہ ہو۔

عمالِ خراج کیسے ہوں؟

خراج کے عمال کے تقرر میں اس کا لحاظ ضروری ہے کہ وہ ظالم اور خراج ادا کرنے والوں کی تحقیر و تذلیل کرنے والے نہ ہوں۔ ان کی عام پالیسی نرم لیکن خفیف سخت آمیز ہونی چاہیے۔ مگر اس طرح کہ کسی شخص پر ظلم و زیادتی نہ ہونے پائے۔ مسلمانوں کے ساتھ نرمی، نافرمانوں کے ساتھ سختی، ذمیوں کے ساتھ عدل، مظلوموں کے ساتھ انصاف، ظالم پر درشتی اور عام لوگوں سے درگزر کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔

ماتحتوں کے ظلم کا خلیفہ ذمہ دار ہے

والیٔ خراج کی جانب سے جو ظلم و زیادتی بھی ہوگی وہ بالائی حکم (خلیفہ کا حکم) پر محمول کی جائے گی۔ اور ماتحتوں کے لیے سندِ جواز سمجھی جائے گی۔ اگر ان میں سے کسی ایک کو پوری سزا دی جائے تو دوسروں پر اس کا اثر پڑے گا اور وہ ڈریں گے ورنہ سب جری ہو جائیں گے۔ اس لیے جب کسی عامل یا والی پر ظلم، رعایا کے مال میں خیانت، فَے کے مال میں حرام خوری یا بدکرداری ثابت ہو جائے تو اس کو اس کے عہدہ پر برقرار رکھنا اس سے مدد لینا، رعایا کے کسی معاملے میں اس کو مختار بنانا اور حکومت کے معاملات میں شریک کرنا حرام ہے۔ اس کو ایسی عبرت ناک سزا دینی چاہیے جس سے دوسروں کو سبق ہو اور آئندہ ایسے کاموں کی جرأت نہ کریں۔

خبر رسانی اور پرچہ نویسی

مجھ کو یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ سرکاری خبر رساں اور پرچہ نگار خبروں میں بے احتیاطی کرتے ہیں اور حکام و رعایا کے جن حالات سے ان کو واقف اور باخبر ہونا چاہیے ان سے بے توجہی کرتے ہیں۔ رعایا کے معاملات میں حکام کے ساتھ ہو جاتے ہیں اور ان کی زیادتیاں اور صحیح خبریں چھپاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ والی اور عمال ان کو راضی نہیں رکھ سکتے۔ ان کے متعلق غلط خبریں دیتے ہیں۔ ان امور کی پوری تحقیقات ضروری ہے۔ اس کے لیے ہر شہر اور جگہ کے عادل اور ثقہ لوگوں کا

انتخاب کرنا چاہیے۔ اس کا اہتمام ضروری ہے کہ خبر رساں رعایا اور حکام کی کوئی خبر نہ چھپانے پائیں اور نہ اس میں اپنی جانب سے کوئی اضافہ کریں۔ ایسا کرنے والوں کو سزا دی جائے، قضاۃ، ولاۃ اور دوسرے عہدہ داروں پر خبر رسانوں کی نگرانی ضروری ہے لیکن جب تک وہ عادل اور ثقہ نہ ہوں ان کی بھیجی ہوئی اطلاعیں قبول نہ کی جائیں۔ (یہ ٹکڑے کتاب الخراج میں مختلف مقامات پر ہیں ہم نے ان کو ایک جگہ نقل کر دیا ہے)

ان اقتباسات سے اس کا پورا اندازہ ہوتا ہے

ہارون نے ان ہدایات پر عمل کیا

کہ حکومت کے نظم و عدل اور انصاف کے قیام کے تمام اساسی اصول اس میں آگئے ہیں۔ ہارون رشید نے ان اصولوں کو اپنا رہنما بنایا چنانچہ خراج کی تحصیل وصولی میں سختی کو یک قلم موقوف کر دیا۔

۱۔ سواد کے علاقہ میں خراج کی مقررہ شرح سے زیادہ جو دسواں حصہ لیا جاتا تھا اس کو بند کر دیا۔

۲۔ عمال کے تقرر کے وقت ان کو عدل و انصاف کی ہدایت کرتا۔

۳۔ ظالم اور خائن عمال کو نہایت عبرتناک سزا دیتا۔

ماخذ

سیرۃ النعمان (شبلی)

تاریخ اسلام عہد عباسیہ (ابن اثیر، یعقوبی)

ابوُمعاویہ

عہدِ ہارونی کے ایک سربرآوردہ عالم اور مانے ہوئے اہلِ کمال ابوُمعاویہ بھی تھے۔ ہارون ان کا بہت زیادہ ادب و لحاظ کرتا تھا۔ اور ان کی خدمت اپنے لیے موجب شرف و سعادت سمجھتا تھا۔

اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے کہ اس نے ایک مرتبہ نابینا عالم ابومعاویہ ضریر کی دعوت کی اور خود ان کے ہاتھوں پر پانی ڈالا۔ اور معاویہ سے پوچھا۔

"آپ کو معلوم ہے کون آپ کے ہاتھ پر پانی ڈال رہا ہے؟"

ابومعاویہ نابینا تھے، ان کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا بولے

"نہیں"

ہارون نے کہا،

"میں نے خود یہ خدمت انجام دی ہے" اس دور کے علما بھی علم کی اتنی عظمت کرتے تھے ابومعاویہ نے اس پر کسی ممنونیت کا اظہار نہیں کیا بلکہ یہ جواب دیا کہ:

"ہاں آپ نے علم کی عزت کے لیے ایسا کیا"

اس واقعہ سے جہاں ہارون کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے وہاں یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ اس عہد کے علماء بھی علم کا وقار کس طرح قائم رکھتے تھے۔

ماخذ

تاریخِ اسلام عہدِ عباسیہ (خطیب بغدادی)

اَسد بن عَمرو

خلیفہ ہارون الرشید کے عہد کے نہایت نمایاں اور ممتاز اصحابِ علم میں اسد بن عمرو بھی تھے۔ یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی مجلسِ تصنیف میں تحریر کا کام سپرد ہوا۔ بہت بڑے رُتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے ان کو ثقہ کہا ہے۔

بلال رازی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا۔ طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا۔ تمام اہلِ دربار اور اعیانِ بنی ہاشم کھڑے تھے۔ مگر ایک شخص ہارون کے برابر بیٹھا تھا۔

مجھ کو نہایت تعجب ہوا۔ لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسد بن عمرو ہیں۔

بغداد میں قضا کے عہدہ پر مامور تھے۔

سنہ ۱۸۸ھ میں انتقال کیا۔

ماخذ

سیرۃ النعمان (شبلی)

الجواہر المضیئہ

ابنِ سماک

یہ بہت بڑے عالم، بہت بڑے بزرگ اور بہت بڑے اہلِ دل تھے۔ ہارون ان کی صحبت کا جویا رہتا تھا۔ ان کی باتیں ہوش گوش سے سنتا اور حد درجہ متاثر ہوتا۔

گوشِ حق نیوش

ایک مرتبہ ابن سماک کے سامنے ہارون نے پینے کے لیے پانی مانگا۔ خادم نے حاضر کیا۔ ابنِ سماک نے ہارون سے پوچھا اگر یہ پانی روک دیا جائے تو اس کو حاصل کرنے کے لیے کتنی قیمت تک میں خریدو گے؟ اس نے کہا نصف سلطنت کے عوض۔

جب ہارون پانی پی چکا تو پھر پوچھا کہ اگر یہ پانی بدن سے خارج نہ ہوسکے تو اس نکالنے میں کتنا خرچ کروگے؟ ہارون نے کہا نصف سلطنت۔

ابن سماک بولے جس سلطنت کی قیمت ایک چلو پانی ہو، اس کے لیے جھگڑنا نہ چاہیے

یہ حکیمانہ نصیحت سُن کر ہارون رو دیا۔

ہارون کا گریۂ بے اختیار

یوں تو علماء، صلحاء، صوفیاء اور اتقیاء کی صحبت ہارون کو بہت مرغوب تھی۔ لیکن ابن سماک کی دل میں اتر جانے والی باتیں اسے بہت متاثر کرتیں۔ ایک مرتبہ ابن سماک سے درخواست کی، انھوں نے فرمایا۔

خدا سے ڈر اکر جس کا کوئی شریک نہیں اور اس پر یقین رکھ کر کل تجھے خدا کے روبرو

جانا ہے۔ وہاں تجھے دو مقاموں میں سے ایک مقام اختیار کرنا ہے جس کے علاوہ تیرا مقام نہیں ہے، یہ مقام جنّت و دوزخ ہیں۔

یہ سُن کر ہارون اتنا رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی۔ یہ حالت دیکھ کر ہارون کے حاجب فضل بن ربیع نے کہا کہ:

سبحان اللہ! امیر المومنین کے جنّت جانے میں بھی کوئی شبہ ہے۔ وہ خدا کے حقوق ادا کرتے ہیں، اس کے بندوں کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ اس کے صلے میں انشاءاللہ ضرور جنّت میں جائیں گے۔

ابنِ سماک نے ہارون سے فرمایا:

امیر المومنین اس دن فضل تیرے ساتھ نہ ہوگا، اس لیے خدا سے ڈرتا رہ اور اپنے نفس کی دیکھ بھال رکھ۔ یہ سُن کر ہارون پھر زار و زار رونے لگا۔

ماخذ

تاریخ اسلام (عہدِ عباسیہ) طبری

حفص بن غیاث

جو سعادت آثار ہستیاں ہارون کے زمانہ میں رونقِ بزمِ علم و عمل تھیں ان میں ایک فرد فرید شخصیت حفص بن غیاث کی بھی تھی۔

یگانۂ روزگار محدث بہت بڑے محدث تھے۔ خطیب بغدادی نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے۔ اور علامہ ذہبی نے ان کو حفاظِ حدیث میں شمار کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل، علی بن المدینی وغیرہ نے ان سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ سیاسی خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے۔ کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے، چنانچہ اسی طرح جو حدیثیں روایت کیں اُن کی تعداد تین یا چار ہزار ہے یہ امام صاحب کے ارشدِ تلامذہ میں سے ہیں۔ امام صاحب کے شاگردوں میں بزرگ، نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جن کی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور غم کو مٹانے والے ہو۔

حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرماتے:

مختصر تاریخِ بغداد میں ان کی نسبت لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے

منصبِ قضا مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے۔ لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا۔ اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون نے

ان کا شہرہ سن کران کو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی، چونکہ قرض سے زیر بار تھے۔ اس لیے مجبوراً قبول کرنا پڑی۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے۔ اور قضا کا تمام سررشتہ انہی کے اہتمام میں تھا۔ چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کی اطلاع کے بغیر حفص کو مقرر کر دیا اس لیے ان کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن بن زیاد سے کہا کہ حفص ہمارے مرافعہ میں آئیں تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے، لیکن جب اُن کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید کریں۔

وفات ۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے، تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے۔ ۱۹۴ھ میں وفات پائی۔

ماخذ

سیرۃ النعمان

الجواہر المضیۃ

تہذیب الکمال

جعفر طیالیسی

محدثین کرام کا بھی ایک بڑا اور صاحبِ عظمت طبقہ ہارون الرشید کے عہد میں موجود رہا۔ انہی میں ایک قابلِ صد افتخار ہستی جعفر طیالیسی کی بھی تھی۔

یہ بہت بڑے محدث تھے۔ حصولِ حدیث کے سلسلے میں انہوں نے بڑی بڑی تکلیفیں جھیلیں اور زحمتیں برداشت کیں مگر جبینِ استقامت پر شکن تک نہ آئی۔

سنہ ۱۸۲ھ مطابق ۷۹۸ء میں عالمِ فانی سے عالمِ باقی کی طرف کوچ کیا۔

ماخذ

الجواہر المضیئۃ

امام زفر

امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں امام ابو یوسف اور امام محمد کے بعد امام زفر کا درجہ تھا بلکہ بعض اصحاب علم امام صاحب کے شاگردوں میں علم اور جامعیتِ علم کے اعتبار سے امام زفر کو بہت بڑا درجہ دیتے ہیں۔

مرتبۂ اجتہاد امام زفر مرتبۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ انہوں نے فقہ حنفی کے گراں بہا خدمات انجام دیے ہیں جنہیں تاریخ حنفیہ ہمیشہ ممنونیت کے ساتھ یاد رکھے گی۔

امام محمد اور ابوزفر فقہ میں اگرچہ اُن کا رُتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں۔ اس لیے صاحبین سے ان کو مؤخر رکھنا پڑا۔

صاحب الحدیث یہ عربی النسل تھے، شروع زمانہ میں ان کو حدیث کا شغل رہا۔ اور اس وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے۔ پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین کی تعدیل یحییٰ بن معین جو فنِ جرح وتعدیل کے امام ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: زفر صاحب الرائے ثقہ مامون، بعض لوگوں نے

ان کی تصنیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابلِ اعتبار نہیں ۔

قیاسی احکام میں مہارت ان کو خاص کر قیاسی احکام میں نہایت کمال تھا، امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرماتے ہیں ۔ ۱ اقیس اصحابی ، وکیع بن الجراح جن کا ذکر گزر چکا ہے۔ ان سے استفادہ کرتے تھے ، قضا کا عہدہ بھی ان کو ملا تھا۔

ماخذ

سیرۃ النعمان

تہذ ۔ ۔ سماء واللغات ، علامہ نووی

عبداللہ بن مبارک

یہ وہ گراں مایہ ہستی تھی، فنِ حدیث کو جس پر ناز تھا۔ علم وفضل کی مسند جس سے انتساب پر فخر کرتی تھی، تحقیق وتدقیق جس کا شعار تھا۔ حدیثِ رسولؐ سے جس کا شغف عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ تفقہ فی الدین جس کی سرشت تھی۔ مسائل مبہمہ ومختلفہ کی کنہ تک پہنچنا اور ان کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے کسی ایک نتیجے پر پہنچنا اور اس سلسلے میں اپنے مسلک کی وضاحت دل نشین اور دلآویز طریقے پر کرنا طرۂ امتیاز تھا۔

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

جلالتِ شان

"وہ امام جس کی امامت وجلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے جس کے ذکر سے خدا کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ جس کی محبت سے مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث

حدیث میں جو ان کا پایہ تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ محدثین ان کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے۔ ایک موقعہ پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ان سے عالم المشرق کے لقب سے خطاب کیا۔ امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس موقع پر موجود تھے بولے کہ کیا غضب ہے کہ امام المشرق کہتے ہو وہ عالم المشرق والمغرب ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن مبارک کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی نے حدیث

کی تحصیل میں کوشش نہیں کی۔ خود عبداللہ بن مبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیثیں سنیں جن میں سے ہزار سے روایت کی۔ صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سینکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ فنِ روایت کے بڑے ارکان میں سے ہیں۔ لیکن افسوس کہ آج ان کا پتہ نہیں ہے۔

ہارون عبداللہ کے سامنے بے حقیقت تھا ان کے فضل و کمال، زہد و تقویٰ نے اس قدر لوگوں کو مسخر کرلیا تھا کہ بڑے بڑے اُمراء و سلاطین کو وہ رُتبہ حاصل نہ تھا، ایک دفعہ خلیفہ ہارون الرشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن مبارک بھی رقہ پہنچے، ان کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اس قدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں، ہزاروں آدمی ساتھ ہوتے اور گرد چھاگئی۔ ہارون رشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا یہ کیا حال ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن مبارک ہے، بولی کہ حقیقت میں حکومت اس کا نام ہے ہارون کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا۔

امام ابوحنیفہ سے کسبِ فیض یہ امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں اور امام صاحب کے ساتھ ان کو خاص خلوص تھا، ان کو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھ کو حاصل ہوا ہے وہ امام اعظم اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ ان کا مشہور قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ و سفیان کے ذریعے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں۔

یہ مرو کے رہنے والے تھے۔ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے، مقام ہیت میں وفات پائی۔

مآخذ

سیرۃ النعمان، تہذیب الاسماء واللغات، تہذیب الکمال۔
تاریخ الکمال، تاریخ ابن خلکان۔

فضیل بن عیاض

بہت بڑے بزرگ تھے، متقی، پرہیزگار، خدا ترس، خدا کے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتے، کسی سے مرعوب نہ ہونے والے، دُنیا سے بیزار، اہلِ دُنیا سے نفور، اربابِ جاہ و جلال سے بے خوف، اصحابِ تاج و تخت سے بے نیاز۔

ایک مرتبہ فضیل بن عیاض نے ہارون سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے حسین چہرے والے!

تو اس اُمت کا ذمہ دار ہے اور تجھی سے اس کی باز پرس ہو گی۔"

یہ نصیحت سُن کر ہارون زار و قطار رویا۔

منصور بن عمار کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں تین آدمی رقیق القلب تھے۔ اور خشیتِ الٰہی سے جن کی پلکوں پر آنسو رکھے رہتے تھے۔

فضیل بن عیاض، ابو عبدالرحمٰن زاہد اور ہارون الرشید۔

ماخذ

تاریخ اسلام، (عہدِ عباسیہ) تاریخِ خطیب بغدادی

امام مالک

امام مالک اگرچہ ہارون الرشید سے پہلے ہی دُنیا ئے علم و تحقیق میں اپنا سکہ جما چکے تھے لیکن ہارون الرشید کے زمانے میں بھی موجود تھے اور ہارون نے باہمہ جبروت امام صاحب کی قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں کی۔

جب ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا مودّب ہو کر بیٹھتا اور سماعتِ حدیث کا شرف حاصل کرتا۔ اپنے دونوں شاہزادوں۔ امین و مامون۔ کو بھی اس نے کسبِ تحقیق کے لیے بارگاہِ امام صاحب میں بھیجا۔

امام مالک پر اُردو زبان میں کافی لٹریچر موجود ہے۔ لہٰذا سلسلۂ بیان کے لیے اتنا ہی ذکر کافی ہے۔

خود راقم الحروف نے بھی امین الخولی کی ضخیم کتاب "مالک" کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے جس سے امام صاحب کے حالات و سوانح سے متعلق معلومات حاصل ہو سکتے ہیں۔

امام محمدؒ

دمشق کے قریب ایک گاؤں ان کا آبائی وطن تھا۔ لیکن والد نے واسط کی اقامت اختیار کرلی تھی۔ ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔ یہ امام ابو حنیفہ کے دستِ راست تھے۔

تحصیلِ علم سنِ رُشد کا آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا، یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محققین و فقہاء کی صحبت اٹھائی۔ مسعر بن کدام، امام سفیان ثوری، مالک بن دینار، امام اوزاعی وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک امام ابو حنیفہ کی خدمت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے تحصیلِ علم کی پھر مدینہ گئے اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے، آغازِ شباب ہی میں ان کے فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے۔ بیس برس کے سن میں مسندِ درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا۔ ہارون الرشید نے ان کے فضل و کمال سے واقف ہو کر قضا کی خدمت سپرد کی، اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں رَے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا۔ رَے کے قریب رانبویہ ایک گاؤں ہے، وہاں پہنچ کر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائیؒ جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس سفر میں ساتھ تھا۔ اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا "آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے۔"

علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے نہایت

جاں گداز مرثیہ لکھا ہے جس کا ایک شعر ہے:

ترجمہ: درہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لیے مشکلات کو حل کرنے والا کہاں سے آئے گا؟"

آزادی اور حق گوئی

امام محمد نے اگرچہ زندگی کا بڑا حصہ درباریوں کے تعلق سے بسر کیا۔ لیکن آزادی اور حق گوئی کا سررشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ۱۷۵ھ میں یحییٰ علوی نے جب علمِ بغاوت بلند کیا تو ہارون رشید اُن کا سروسامان دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا اور دب کر صلح اختیار کی، معاہدہ قلم بند ہوا۔ اور یحییٰ کے اطمینان کے لیے بڑے بڑے علما، فضلا، فقہا، اور محدثین نے اس پر دستخط کیے۔ یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون رشید نے نقضِ عہد کرنا چاہا۔ تمام علما۔ نے ہارون کے خوف سے فتویٰ دے دیا کہ موجودہ صورت میں نقضِ عہد جائز ہے۔ لیکن امام محمد نے اعلانیہ مخالفت کی، اور آخر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام شافعی کی عقیدت امام محمد سے

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اس کا اندازہ آئمہ مجتہدین کے اقوال سے ہو سکتا ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ جب امام محمد کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اتر رہی ہے۔ انہی کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔ امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ دقیق مسائل آپ کو کہاں سے حاصل ہوتے فرمایا: محمد بن الحسن کی کتابوں سے۔

امام محمد کے حلقۂ درس سے اگرچہ بہت سے علماء تعلیم پا کر نکلے؛ لیکن ان سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہو گا۔ اگلے زمانے میں بھی امام تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے۔ تاریخ و رجال کی آج سینکڑوں کتابیں موجود ہیں، وہ کیا شہادت دے رہی ہیں۔ بلاشبہ امام شافعی کو امام محمد کے فیضِ صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے؛ اور اس کا خود ان کو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں:

"امام محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے، اس لیے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی مرتبہ ہیں اس لیے میں نے ان کی صحبت لازم سمجھی اور ان کا درس قلم بند کرتا تھا۔"

شاگرد کا اکرام و اجلال امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور شاگردوں کی نسبت ان کے ساتھ خاص مراعات کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون رشید کے دربار میں جا رہے تھے کہ راستہ میں امام شافعی ملے جو ان کی ملاقات کو آ رہے تھے اسی وقت گھوڑے سے اترے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اس وقت حاضر خدمت نہیں ہو سکتا، امام شافعی نے کہا میں کسی اور وقت حاضر ہوں گا آپ تشریف لے جائیں"

امام محمد نے کہا، نہیں وہاں جانا کوئی ضروری نہیں، امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اور اسی بنا پر بعضوں کو ان کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ میں استادی و شاگردی میں یہ امر مانع اور معیوب نہ تھے۔ اور در اصل آج بھی معیوب نہیں ہیں۔ امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور ان کی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں لیکن وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

پایۂ علم و عمل امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھ کر نہیں دیکھا۔ ادب و عربیت میں اگرچہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے جو مسائل نحو کی جزئیات پر مبنی ہیں اکثر جامع کبیر میں موجود ہیں اور ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں ان کا کیا پایہ تھا۔ چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔

حدیث میں ان کی کتاب "موطا" مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحج، جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے اس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور متعدد مسائل ہیں جو شخص ادعا کے ساتھ کہا ہے کہ،

"مدینہ والوں کا دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں، حالانکہ ان مسائل میں ان کے

خلاف صریح حدیث موجود ہے۔"

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار ہی ان کتابوں پر ہے

وفات ۱۸۹ھ میں امام محمد خلیفہ ہارون الرشید کے ہمراہ رے تشریف لے گئے۔ وہاں قریب کے ایک موضع رنبویہ میں انتقال کیا۔ اتفاق سے کسائی نحوی نے بھی اسی جگہ انتقال کیا، تو ہارون کو بہت صدمہ ہوا۔ اور کہا کہ آج فقہ اور نحو دونوں کو ہم دفن کر آئے ہیں۔

ماخذ

سیرۃ النعمان، تہذیب الکمال، ترالی التاسیس، الجواہر المضیۃ، ہارون الرشید (پاشا)

عہدِ ہارون کے اَطبّاء اور حکماء

ہارون الرشید کا عہدِ حکومت اس اعتبار سے بھی خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس کے زمانہ میں دیارِ غیر سے طبیبوں اور حکیموں کی بڑی تعداد بغداد میں آئی۔ اور مالا مال ہو کر یہیں بس گئی۔ تقریباً یہ سب کے سب ہندو، عیسائی اور یہودی تھے۔

ان طبیبوں کے تفصیلی حالات اگر دیکھنا ہوں تو اصل مصادر کا مطالعہ کیجئے۔ ذیل میں نمونۃً صرف چند کا اجمالی تعارف کافی ہے۔ اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ اس عہد میں فن کاروں کی حوصلہ افزائی کس کس طرح کی جاتی تھی۔

منکہ

ہارون کے زمانے میں جو اصحابِ فضل و کمال اپنا دیس چھوڑ کر بغداد آئے اور پھر خلیفہ کی قدردانیوں اور زرپاشیوں سے متاثر ہو کر بغداد کو اپنا وطن بنا لینے پر مجبور ہو گئے ان میں ایک ہندو طبیب منکہ بھی تھا۔ جو خاص طور پر بلایا گیا تھا اور طبیبِ شاہی کے منصب پر مامور ہوا تھا۔

یہ فیلسوف علمِ طب اور حسنِ معالجہ میں مشہور تھا۔ ان کے علاوہ علمِ لغت اور علومِ ہندسہ کے فارسی اور عربی خوب جانتا تھا۔

کتاب "اخبار الخلفاء" و "البرامکہ" میں لکھا ہے کہ ہارون ایک مرتبہ سخت عارضہ میں مبتلا ہو گیا اور کسی طبیب کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ تب ابو عمر الاعجمی نے کہا کہ ہندوستان میں منکہ نامی ایک مشہور طبیب ہے۔ اگر امیر المومنین اس کو طلب کریں تو اس کے علاج سے ضرور فائدہ ہو گا۔

چنانچہ ہندوستان سے یہ نامی طبیب بلایا گیا اور اس کے علاج سے فائدہ ہو گیا۔ سنسکرت سے فارسی میں اس حکیم نے بہت کتابیں ترجمہ کی ہیں۔

ماخذ

البرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنسٹن)

صالح بن بہلہ

جو لوگ ہارون کے زمانہ میں ہندوستان یا دوسرے مقامات سے بغداد آتے ان میں سے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے کچھ عرصے بعد بہ رضا و رغبت اسلام قبول کر لیا، ان نو مسلم ہندوستانی طبیبوں میں صالح (الفنسٹن صاحب نے اس کا تلفظ سالی کیا ہے) بن بہلہ بھی تھا۔

یہ شخص ہندوستان کے چیدہ طبیبوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ معالجات کے فن سے پورے طور پر واقف تھا۔ ہارون کی بہن عباسیہ کے پہلے شوہر ابراہیم عباسی پر جب سکتے کی کیفیت طاری ہوئی اور سب نے اس کی موت کا فتویٰ دے دیا۔ تو یہ صالح تھا جس نے دربار کے طبیبوں کو چیلنج کیا اور ایسا علاج کیا کہ تھوڑی ہی دیر میں مُردہ زندہ ہو گیا۔

ہارون الرشید جو پیکرِ غم بنا بیٹھا تھا جوشِ مسرت سے بے قابو ہو گیا اور اس نے توقع سے کہیں زیادہ اس شخص کو انعام و اکرام سے نوازا۔

ماخذ

(البرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخِ ہند (الفنسٹن)

کنکہ

یہ بھی دربار ہارونی کا ایک ہندو طبیب تھا۔ اپنی حذاقت، تشخیص اور فنِ معالجات میں مہارت کی بنا پر اس نے غیر معمولی شہرت اور رسوخ حاصل کر لیا تھا۔

ہندوستان کے اگلے حکیموں میں یہ سب پر فائق تھا۔ علمِ طب میں اس کو بڑا کمال حاصل تھا۔ ادویہ کے خواص اور ان کی تاثیر کا ماہر تھا۔ علمِ نجوم اور ہیئت میں بھی اس کی شہرت تھی۔ ابو معشر بلخی نے اپنی کتاب الالوف میں لکھا ہے کہ علمائے ہند میں کنکہ علمِ نجوم میں سب سے مقدم ہے۔ اس کی تصنیفات "عموذار فی الاعمار، اسرار الموالید، القرانات الکبیر، والقرانات الصغیر و کتاب فی التوہم و کتاب فی الاحداث عالم والدور فی القرآن اور فرابادین جس کو عربی میں کناش کہتے ہیں، مشہور ہیں۔ علاوہ طبابت کے ترجمے کا کام بھی اس کے سپرد تھا۔

ماخذ

البرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنسٹن)

صنہجل، شاناق، جودر

یہ طبیب بھی ہندوستان کا رہنے والا تھا، یہ نہ صرف فنِ طب میں غیر معمولی مہارت رکھتا تھا بلکہ علمِ نجوم میں بھی اسے غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں موالید الکبیر نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ہے۔

صنہجل کے علاوہ ہندوستان کے جو لوگ علمِ طب، اور نجوم میں بہت زیادہ نمایاں اور ممتاز تھے وہ باکھر، راجہ، صکہ، داہر، انکو، زنکل، جبہر، اندی، جاری، ہیں۔ انہی کی تصنیفات پر اس زمانہ میں علمِ نجوم وطب کا انحصار تھا۔ اور اکثر تصنیفات انہیں ہندی طبیبوں کے ذریعے عربی میں ترجمہ ہوئی ہیں۔

شاناق اس ہندی طبیب کے معالجات مشہور ہیں۔ علاوہ طب کے علومِ حکمت سے بھی واقف تھا اور علمِ نجوم میں اسے خاص کمال حاصل تھا۔ اس کے حکیمانہ اقوال تاریخوں میں منقول ہیں۔ اس کی تصنیفات میں سے کتاب البیطرہ، کتاب فی علم النجوم، کتاب منتحل الجواہر مشہور ہیں۔ اس پچھلی کتاب میں راجہ یا بادشاہ کے واسطے نہایت مفید نصائح ہیں۔ (قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کا نام "سنگھ" ہے جو عربی میں شاناق ہو گیا ہے)

جودر ہندوستان کا مشہور فاضل اور طبیب ہے۔ اس کی علومِ حکمت میں بھی تصنیفات ہیں۔ اور کتاب الموالید مشہور ہے جس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ہے۔

(ماخوذ از طبقات الاطباء، باب دوازدہم متعلق اطبائے ہند ص ۳۲-۳۵)

ماخذ

البرامکہ، طبقات الاطباء، تاریخ ہند (الفنسٹن)

جبرئیل بن بختیشوع

علم اور کمال کے معاملے میں ہارون الرشید کسی تعصب اور تنگ نظری کا قائل نہ تھا۔ اس نے بغیر کسی تامل کے جس طرح ہندوستان سے بلند پایہ طبیبوں کو طلب کیا اور ان کے دامن سیم و زر سے بھر دیے اسی طرح دوسرے مقامات کے عیسائی اور یہودی اصحابِ کمال کو بھی اس نے بلایا۔ اور بلند سے بلند منصب پر فائز کیا۔ انہی میں ایک جبرئیل بن بختیشوع بھی تھا۔

جبرئیل بن بختیشوع بن جارجس یونانی دربارِ ہارون الرشید کا فاضل طبیب تھا۔ اس کے علاج بڑے بڑے معرکے کے مشہور ہیں۔

۱۷۵ھ میں جب جعفر برمکی بیمار ہوا تو خلیفہ نے اس طبیب کو اس کے علاج کے واسطے مقرر کیا تھا۔ دربارِ رشید میں اس کا مرتبہ وزارت سے کم نہ تھا۔

جب امین الرشید تختِ نشین ہوا تو وہ بھی اس کی بڑی عزت کرتا تھا اور بغیر اس طبیب کے پانی تک نہ پیتا تھا۔ ۲۳ برس تک ہارون کی اس نے خدمت کی تھی اور عہدِ مامون رشید میں بمقام مدائن ۲۱۳ھ مطابق ۸۲۱ء فوت ہوا۔ اور دیر مار سرجیس میں دفن ہوا۔ علاوہ طب کے دیگر فنون میں بھی اس کی تصنیفات ہیں۔

ماخذ

البرامکہ، طبقات الاطباء۔

عہد ہارون کے ادیب، شاعر، فن کار

ہارون کے زمانہ میں ادیبوں، شاعروں، موسیقاروں اور فن کاروں کی تعداد بھی حد شمار سے خارج تھی۔ اقتصادیات کا مشہور قاعدہ طلب و رسد زندگی کے ہر گوشہ میں کارفرما ہے۔ یہی چیز ہمیں یہاں بھی موجود ملتی ہے۔

اموال کی کثرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد میں علم و فن کی ترویج بڑی تیزی سے ہونے لگی۔ شاعری کا بازار گرم ہو گیا اور تہذیب و تمدن کے چشمے پھوٹنے لگے۔ مؤلف کتاب الاغانی کہتا ہے کہ مشہور مغنی ابراہیم موصلی نے ہارون سے جو رقمیں وصول کیں وہ لاکھ دینار سے بھی زیادہ تھیں۔ جب ایک مغنی پر اس قدر زر کثیر صرف کیا جا سکتا ہے تو نہ معلوم اس کے علاوہ بغداد میں اور جو ہزاروں ادبا، شعراء اور مغنی ہوں گے ان پر کس قدر رقم صرف کی گئی ہوگی۔ اس طرح علم و فن کی جو گرم بازاری ہوئی اس کا سہرا کلی طور پر ہارون الرشید کے سر بندھتا ہے۔

ہارون الرشید کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اپنے زمانہ میں فلسفے کی کئی مشہور پرانی کتابیں ترجمہ کرائیں۔ اس کار اہم کی طرف اس نے اپنی توجہ مبذول کر رکھی تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے وزراء نے بھی کتابوں کے ترجمہ کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ اس طرح یونانی اور فارسی اسالیب و فکر کی اشاعت بڑی تیزی سے ہوئی اور اس کا یہ کارنامہ قدیم و جدید تہذیبوں کو ملانے کا ایک ذریعہ بن گیا۔

ادب، صرف و نحو اور فقہ کو بھی ہارون کے زمانے میں بہت فروغ حاصل ہوا۔ جہاں

نحو کے بارے میں بصری اور کوفی دو گروہ بن گئے وہاں فقہ نے بھی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مذاہب کی صورت اختیار کر لی۔

کیمیا نے بھی اس کے عہد میں بڑی ترقی کی، جہاں تک مصوری کا تعلق ہے اس کے عہد میں جو محلات تعمیر کیے گئے ان میں تصاویر بھی بنائی گئی تھیں۔

موسیقی کے فن نے تو اس کے عہد میں بے انتہا عروج حاصل کیا۔ الفرج الاصفہانی کی کتاب "الاغانی" پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس فن نے ہارون کے عہد میں کس قدر ترقی کر لی تھی۔

اگلے صفحات میں اسی سلسلے کی بعض مشہور اور نمایاں ہستیوں کا ذکر ہم الگ الگ کریں گے۔

ابوالعتاہیہ

نام اسماعیل بن قاسم، کنیت ابواسحاق، لقب ابوالعتاہیہ، جائے پیدائش کوفہ، شعر وادب کا امام، نادر بحر میں لطیف معانی، سہل الفاظ، بے تکلف انداز، بیان، متروک اور قدیم الفاظ کے استعمال کا خاص شوق، نہایت دولت مند، لیکن بے حد بخیل، زہدیات میں اس کا کلام بھی بے نظیر ہے۔

اس کا دیوان طبع ہوچکا ہے۔ اغانی اور محاضرات کی دوسری کتابوں میں تفصیل سے اس کا ذکر ملتا ہے۔

ایک دفعہ ہارون الرشید نے بڑی شان وشوکت سے ایک مجلس ضیافت ترتیب دی جس میں ابوالعتاہیہ کو بھی مدعو کیا۔ یہ نابینا تھا۔ بعد ختم طعام ہارون الرشید نے ابوالعتاہیہ سے کہا کہ اس نشاط انگیز موقع پر کچھ پھڑکتے ہوتے شعر سناؤ۔ ابوالعتاہیہ نے ایک شعر سنایا۔ جس کا مضمون یہ تھا کہ:

"خدا کرے بلند قلعہ کے سایہ میں تیری زندگی سچی خوشی کے ساتھ بسر ہوتی رہے۔"

یہ سن کر ہارون نے کہا:

"شاباش، آفرین، مرحبا"

ابوالعتاہیہ نے پھر دوسرا شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا:

"دعا ہے کہ ہر صبح وشام تیری ہر ایک ادنیٰ سے ادنیٰ خواہش تک کو اللہ تعالیٰ خیال کرنے

سے پہلے ہی مہیا کر دیا کرے"۔

یہ شعر سن کر ہارون نے کہا۔ مرحبا!

ابوالعتاہیہ نے دو شعر اور پڑھے۔ جن کا مضمون یہ تھا کہ؛

"لیکن جب قریب موت کے تیرے سانس سے تجھ کو سینے میں رک رک کر تنفس ہونے لگے گا اس وقت بلا شبہہ تجھ کو یہ معلوم ہو گا کہ یہ تمام دُنیا فانی اور دھوکے کی ٹٹی تھی"

یہ اشعار سُن کر خلیفہ کو رقت طاری ہوئی۔ اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہونے لگے۔ یہ دیکھ کر فضل نے جو یحییٰ وزیر اعظم کا بیٹا تھا ابوالعتاہیہ کی طرف مڑ کر ناصحانہ لہجے میں کہا۔

"خلیفہ نے تو تم کو اس لیے بلایا تھا کہ تمہارے اشعار سُن کر خوشی اور انبساط میسر ہو اور تم نے ایسے اشعار سنائے جن سے خلیفہ کو رنج ہوا۔ اس قسم کے اشعار کا یہ کیا موقع تھا؟"

ہارون رشید نے فضل کو روکا اور فرمایا:

"نہیں فضل نہیں۔ ابوالعتاہیہ سے کچھ مت کہو، یہ محسوس کرتا ہے کہ اس دُنیا میں ہم اندھے ہو رہے ہیں۔ اور اس کا دل نہیں چاہتا کہ ہم یہاں مزید اس سے زیادہ اور اندھے بنے رہیں۔"

ماخذ

ہارون الرشید (پامر) دیوان ابوالعتاہیہ۔

ابونواس

ہارون کے زمانہ کا یہ بھی یگانہ روزگار شاعر تھا۔ خمریات اس کا خاص موضوع تھا۔ بذلہ سنجی اور ظرافت اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ قصیدے بھی کہتا تھا اور ہجو بھی۔ پُر گو اور حاضر جواب شخص تھا۔ اپنی خوش طبعی کے باعث ایسا بھی ہوتا کہ آئی ہوئی مصیبت ٹل جاتی۔

ہارون الرشید کو نبیذ پینے کی بہت عادت تھی اور علاوہ ازیں کبھی کبھی شرع کے احکام سے بھی وہ متجاوز ہو جاتا تھا۔ ایک دن کسی ترنگ میں آ کر یہ حکم دے بیٹھا کہ ابونواس کو اسی وقت اور اسی جگہ قتل کر ڈالو۔ ابونواس نے عرض کیا اے امیر المومنین کیا آپ مجھے بے جرم و بلا دلیل صرف تلون مزاجی سے قتل کرا۔تے ہیں؟

ہارون نے کہا، نہیں بلکہ تم قتل کیے جانے کے مستحق ہو،

اس شاعر نے جواب دیا، اللہ تعالیٰ بھی گنہ گاروں کو اوّل اُن کے جرائم سے مطلع فرماتا ہے اور پھر ان کو معاف کر دیتا ہے، فرمایئے کہ میں قتل کیے جانے کا کس وجہ سے مستحق ہوں؟

خلیفہ نے کہا، تم نے جو ایک شعر کہا ہے کہ

"اے ساقی مجھ کو شراب پینے کو دے اور مجھ سے کہہ کہ یہ شراب ہے جبکہ میرے سب افعال علی الاعلان اور ظاہر ہیں تو تو مجھ سے شراب کا نام کیوں چھپاتا ہے؟"

اس بے شراب پینے کی وجہ سے تم قتل کیے جانے کے مستحق ہو گئے ہو،

ابونواس نے پوچھا، امیر المومنین! کیا آپ واقف ہیں کہ مجھے شراب دے دی گئی تھی اور

میں نے اسے پی لیا تھا؟"

خلیفہ نے کہا: "ہاں مجھے شبہ ہے"

ابونواس نے کہا: "کیا آپ مجھے شبہ پر قتل کرانا چاہتے ہیں؟ حالانکہ قرآن شریف میں حکم ہے کہ ان بعض الظن اثم۔"

یہ سن کر ہارون نے جواب دیا کہ تم نے اور بھی ایسے اشعار کہے ہیں جن کی وجہ سے تم قتل کے مستحق ہو۔ مثلاً تمہارے شعر میں الحاد کا مضمون ہے، تمہارا شعر ہے!

"کوئی شخص اس بات کی اطلاع دینے کے لیے واپس نہیں آیا کہ وہ جنت میں رہا یا دوزخ میں"

ابونواس نے پوچھا کہ "اچھا امیر المومنین آپ ہی فرمایئے کہ کیا کوئی شخص اس بات کی اطلاع دینے واپس آیا ہے؟"

خلیفہ نے جواب دیا "نہیں"۔

یہ سن کر ابونواس نے کہا کہ اس بات کا مجھے کامل یقین ہے کہ سچ بات کہنے میں آپ مجھے قتل نہ کرائیں گے"

خلیفہ نے کہا کہ: "ان سب باتوں کے علاوہ تم نے اپنے ایک شعر میں اللہ تعالیٰ کی نسبت نعوذ باللہ کلمات بے ادبی کا اظہار کیا ہے، وہ مضمون یہ ہے کہ:

"اے محمد تو ہی ایسا شخص ہے کہ مصیبت کے طوفان کے پیدا ہوتے وقت ہم سب کی آنکھیں تیری ہی جانب لگی رہتی ہیں۔ آ تشریف لا، کیونکہ میں اور تو دونوں مل کر آسمانوں کے بادشاہ کو شکست دے سکتے ہیں۔"

ابونواس نے خلیفہ سے پوچھا کہ "ہم نے اس (اللہ تعالیٰ) کو شکست دے دی؟"

خلیفہ نے جواب دیا کہ "میں نہیں جانتا کہ تم نے کیا کیا؟"

ابونواس نے کہا: "امیر المومنین جس بات کو آپ جانتے ہی نہیں تو اس کے عوض آپ مجھ کو قتل کیسے کریں گے؟"

ہارون جواب دیتے دیتے تھک گیا اور اب اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا، ابونواس سے کہا

کہ تم اپنی یہ بیہودہ گفتگو بند کرو تم نے ہمیشہ اپنے اشعار میں ایسی باتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے تم قتل کے مستحق ہو گئے ہو۔ ابونواس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ باتیں جاننے سے بھی بہت پیشتر جانتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم تر انھم فی کل واد یھیمون وانھم یقولون مالا یفعلون۔ (اور شاعروں کی باتوں پر وہ لوگ چلتے ہیں جو گمراہ ہیں۔ تو نے نہ دیکھا کہ وہ ہر وادی اور میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں۔ اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جن کو وہ نہیں کرتے)

خلیفہ نے حکم دیا:

"ابونواس کو جانے دو۔ قتل نہ کرو۔ یہ تو کسی گرفت میں آتا ہی نہیں۔"

اس طرح حاضر جوابی سے ابونواس کی جان بچ گئی۔

ماخذ

ہارون رشید (پامر) اغانی

اصمعی

یہ بھی عہدِ ہارون کا گلِ سر سبد ہے۔ شاعر، ادیب، نغز گو، ماہرِ لغت، کون سا کمال تھا جو اسے حاصل نہ تھا۔ اس نے خود ہی اپنی داستان بہ اندازِ خاص سنائی ہے۔ کہتا ہے:

میں نے تمام علوم کے حصول میں سخت مشقت کی، لیکن لغت، تاریخ، انساب اور اشعارِ عرب میں خصوصاً کمال حاصل کیا تھا۔ چنانچہ خلفاءِ عباسیہ کی قدر دانی سُن کر بصرہ سے بغداد پہنچا۔ خلیفہ ہارون الرشید اس وقت سلطنت پر حکمران تھا۔ شرکتِ دربار کی آرزو میں آستانۂ خلافت پر روزانہ حاضر رہتا تھا اور دربانوں و پاسبانوں کو قصہ کہانی سنا کر دوست بنا لیا تھا۔ اور اس اُمید میں رہا کرتا تھا کہ دیکھئے کس دن اقبال کا سُورج اپنی روشنی پھیلاتا ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ مدتوں اسی میں گزری، محنتِ شاقہ سے بسا اوقات میں گھبرا اٹھتا تھا۔ کہ وطن کو واپس جاؤں، لیکن بدرجہ مجبوری چند روز تک اور صبر کیا معمول کے موافق ایک رات کو آستانۂ خلافت پر حاضر تھا کہ حاجب نے آکر دریافت کہ:

"کوئی شخص اس وقت حاضر ہے جو شاعر ہو اور فنِ شعر کو اچھی طرح جانتا ہو؟"

میں نے یہ آواز سُن کر اپنے دل میں کہا۔ اللہ اکبر! مصیبت سے نکلنے کا وقت آن پہنچا اگر تقدیر نے یاوری کی اور خلیفہ کو میرا کلام پسند آگیا تو پھر کیا کہنا ہے؟ اور حاجب سے کہا میں جانتا ہوں، مجھے لے چلو۔ چنانچہ حاجب نے مجھے ساتھ لیا اور مبارکباد دے کر کہا کہ اگر خلیفہ کو تمہارا کلام پسند آگیا تو پھر مالامال ہو جاؤ گے۔ اور یہ مصائب دُور ہو جائیں گے اور دربارِ شاہی

میں لے جاکر ایسے موقع پر کھڑا کر دیا کہ جہاں سے میں خلیفہ کو بخوبی دیکھ سکتا تھا اور سلام کر سکتا تھا خلیفہ ہارون الرشید ایک مسند پر جلوہ گر تھا اور اس کا چہرہ مثل بدر کے چمک رہا تھا اور پہلو میں وزیراعظم جعفر برمکی بیٹھا تھا۔ خادم اپنے اپنے قرینے سے کھڑے ہوئے تھے۔ میں نے بھی خلیفہ کو سلام کیا۔

سلام کا جواب دے کر ارشاد فرمایا کہ "اگر دربار کی ہیبت تم پر چھا گئی ہو تو تھوڑی دیر علیحدہ بیٹھو تاکہ خوف زائل ہو جائے پھر ہمارے حضور میں آؤ تاکہ بات چیت کر سکو۔"

میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر توقف کرتا ہوں تو مناسب نہیں ہے۔ کیا عجب ہے کہ تھوڑی دیر میں یہ مجلس برخاست ہو جائے اور پھر مجھے ایسا موقع نہ ملے۔ اس لیے فوراً عرض کیا کہ امیر المومنین کی فیاضی کی روشنی نے میرے دل کی وحشت کو دُور کر دیا ہے۔ مجھے خوف نہیں، جو حکم ہو اس کی تعمیل کروں، یا اجازت ہو تو میں خود ہی ابتدا کروں۔ میرا یہ برجستہ جواب سُن کر ہارون الرشید ہنسنے لگا اور جعفر کی طرف دیکھ کر کہا

"یہ شخص اپنے فن میں کامل معلوم ہوتا ہے"، چنانچہ وزیر نے بھی تائید کی اور کہا کہ،

"امیر المومنین یہ شخص آپ کی فیاضیوں سے ضرور فائدہ اٹھائے گا۔"

پھر خلیفہ نے کہا "تم شاعر ہو یا راوی؟"

میں نے عرض کیا "راوی!"

پھر پوچھا کہ "کس سے روایت کرتے ہو؟"

میں نے جواب دیا کہ "جس قدر اہلِ فن گزرے ہیں اور جن کے کلام میں شیرینی ہے"

یہ جواب سُن کر کہا کہ "اچھا بتاؤ قد انصف القارۃ من راماھا، اس مثل کے کیا معنی ہیں؟"

میں نے عرض کیا کہ اس میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ قارہ ایک قبیلہ کا نام ہے جس کی تیر اندازی مشہور ہے اور جو ٹھیک آنکھوں پر تیر مارتے تھے۔ اور رماۃ الحدت کہلاتے تھے۔ یہ قبیلہ ملوک یمن کے عہد میں تھا اور جن کے اعزاز کا یہ عالم تھا کہ بادشاہ کے ہم پہلو بیٹھا کرتے تھے۔ اور سلطانی مرکب میں یہی لوگ سب سے آگے ہوتے تھے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ

ایک شخص نے میدانِ کارزار میں آکر پکارا: این رماۃ الحدق، یعنی وہ تیر انداز کہاں ہیں؟ اس وقت بادشاہ نے ان بہادروں سے مخاطب ہو کر کہا تھا: "القارۃ من راماھا" دوسرا قول یہ ہے کہ قارہ پہاڑ کی چوٹی اور اُس جگہ کو کہتے ہیں جو سطح زمین سے اونچی ہو۔ قائل کی مراد یہ ہے کہ جو لوگ حلم و ثبات اور شان میں بلند ہیں وہ اس سے آمادۂ پیکار ہوں۔"

یہ جواب سُن کر ہارون خوش ہوا اور کہا کہ خوب بتلایا۔ پھر کہا کہ کچھ عجاج کا کلام بھی یاد ہے؟"
میں نے عرض کیا کہ بہت کچھ۔ کہا اچھا وہ قصیدہ پڑھو جس کی ابتداء ہے طار قاصم طارقا۔
میں نے پڑھنا شروع کیا۔ پھر جب اس موقع پر پہنچا جہاں بنی اُمیہ کی مدح تھی تو میں نے اُسے چھوڑ دیا اور جہاں سے منصور کی مدح تھی وہاں سے پڑھنا شروع کیا۔ ہارون نے پوچھا کہ بنی اُمیہ کی مدح کے اشعار قصداً چھوڑ دیے گئے ہیں یا سہواً؟"
میں نے عرض کیا کہ قصداً، کیونکہ جس قدر جھوٹ کا حصّہ تھا وہ ان کے لیے چھوڑ دیا اور جو حصّہ سچائی کا ہے وہ عرض کرتا ہوں، میرا یہ جواب سُن کر جعفر پھڑک اٹھا اور کہا:
"احسنت بارک اللہ علیک"
بعد اس قصیدہ کے حکم دیا کہ عدی بن رقاع کا وہ قصیدہ پڑھو جو ولید بن یزید بن عبد الملک کی مدح میں ہے اور جس کا مطلع ہے:

عرف الدیار توھماً فاعتادھا

چنانچہ میں نے تیزی اور بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا۔ جعفر نے کہا کہ ہلکے ہلکے پڑھو تاکہ انعام سے محروم نہ ہو۔ ہارون الرشید نے جعفر کی طرف دیکھ کر کہا کہ اب تو صلہ دینا مجھ کو لازم ہو گیا ہے، لیکن آپ کو بھی میری فیاضی میں شریک ہونا پڑے گا، یہ سُن کر مجھے نہایت مسرت ہوئی اور عرض کیا کہ آج مجھے عرب و عجم پر فخر کرنے کا موقع ملا ہے۔ کیونکہ خلیفہ اور وزیر دونوں فیاضی میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔ یہ جملہ سُن کر ہارون الرشید ہنس پڑا۔
ساری رات قصہ گوئی میں کٹی۔ جب سپیدۂ صبح قریب ہوا تو ہارون الرشید نے جعفر کو حکم دیا کہ تیس ہزار درہم میری طرف سے اور اسی قدر خود اضافہ کر کے اصمعی کے پاس علی الصبح بھیج دینا، جعفر نے کہا کہ امیر المومنین کی مجلس نہ ہوتی تو ضرور میں اس قدر دیتا

لیکن مجلس میں خلیفہ کی برابری کرنا داخل بے ادبی ہے۔ مگر میں ۲۹ ہزار درہم دیتا ہوں چنانچہ صبح کی نماز سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ دونوں عطیے میرے پاس پہنچ گئے اور اسی روز سے دربار کا داخلہ میسّر ہو گیا۔ اور ایک دن کے صلہ و انعام سے میری حالت درست ہو گئی اور جعفر برمکی خاص طور سے میرے حال پر مہربانی کرنے لگا۔

ماخذ

ابرامکہ ، اغانی

ابن جامع

اسماعیل بن جامع، کنیت ابوالقاسم، عہدِ عباسی کے چوٹی کے گویّوں میں تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک روز ابنِ جامع سے اس کا نسب دریافت کیا۔ کہا:

"مجھے تو معلوم نہیں میرے بھتیجے اسحاق موصلی سے پوچھئے" پھر اسحاق سے کہا:

"بیٹا اپنے چچا کا نسب بتاؤ۔"

ہارون نے کہا:

"ارے بڈھے کھوسٹ تجھے اپنا نسب بھی یاد نہیں، دوسرے سے پوچھتا ہے۔ اور دوسرا بھی کون۔ ایک عجمی!"

ماخذ

کتاب الاغانی

اسحاق بن ابراہیم موصلی

ابو محمد اسحاق بن ابراہیم موصلی وہ شخص ہے جس نے فنِ موسیقی کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اسحق اپنے ہم عصروں میں بہ اعتبار شہرت و مقبولیت اور کمالاتِ موسیقی کے سب پر فائق تھا۔ اسحاق نے علامہ اصمعی، ابوعبیدہ، کسائی اور فراء سے فنِ ادب، انساب، روایات، فقہ اور علمِ نحو حاصل کیا تھا۔ ان تمام اُمور میں مجتہدانہ کمال رکھتا تھا۔ لیکن یہ عبرت کا مقام ہے کہ موسیقی کے انتساب نے نہ توان کو فقیہ مشہور ہونے دیا اور نہ ادیب کا اور صرف مغنی کے ایک لقب سے تمام دُنیا میں اس کو شہرت ہوئی جس کو باوجود کوشش کے سلطنت و حکومت بھی نہ مٹا سکی۔

عود بجانا زلزل سے سیکھا تھا اور تمام راگنیاں اپنے باپ ابراہیم اور شہدہ سے سیکھی تھیں۔ خلیفہ مامون الرشید اس کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ اس کو ندیموں کے زمرہ میں جگہ دیتا تھا اور دربار میں فقہا کا لباس پہن کر آنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ خلیفہ معتصم باللہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اسحاق جب گاتا ہے تو مجھے جوشِ مسرت میں خیال ہوتا ہے کہ میری سلطنت میں کسی نئے ملک کا اضافہ ہو گیا ہے۔ ۲۳۵ھ میں خلیفہ المتوکل علی اللہ کے زمانہ میں فوت ہوا۔ اس کا باپ بھی موسیقی کا اُستاد تھا۔ اسحاق کا باپ ابراہیم خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں اپنی خدمت کا معاوضہ دس ہزار درہم ماہوار یعنی ڈھائی لاکھ روپے ماہوار کا نوکر تھا۔

ابراہیم بہت سی راگنیوں کا موجد ہے۔

ماخذ

ہارون الرشید (پامر) المامون

ابراہیم موصلی

ابراہیم موصلی عہدِ عباسیہ کا مشہور مغنی تھا۔ ۱۲۵ھ میں ولادت ہوئی اور بہ عہدِ مامون الرشید ۲۱۳ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم کا باپ میمون فارس کا رہنے والا تھا۔ یہ موصلی اس لیے مشہور ہوا کہ عنفوانِ شباب ہی سے غناء موسیقی کی طرف متوجہ ہوا۔ گھر والوں نے تنگ کیا تو بھاگ کر موصل پہنچے، وہیں رہ پڑے اور موصلی کہلانے لگے۔

یوں تو ہارون کے زمانہ میں اور اُس کے دربار میں ایک سے ایک شاعر اور موسیقار موجود تھے لیکن ابراہیم موصلی حقیقی معنوں میں فنِ موسیقی کا امام تھا۔ وہ اپنے زمانے کے سب مغنیوں سے علمِ موسیقی میں گوئے سبقت لے گیا تھا۔ اور دربار کا بہت عزیز مغنی تھا۔ اگر ہم خود اسی کے بیان پر یقین کر لیں تو اس کے راگ غیر معمولی وضع کے ہوا کرتے تھے۔

خلیفہ ہارون کے دربار میں اپنی خدمت پر دس ہزار درہم (دو ہزار پانچ سو) روپے ماہوار کا نوکر تھا۔ البرامکہ میں کتاب عقد الفرید میں حالاتِ مغنین کے حوالے سے تحریر ہے کہ ابنِ جامع سہمی زلزل عمر بن بانہ عزال علویہ اس کے ہم عصر تھے۔ لیکن جو لطف اس کے گانے میں تھا دوسروں میں نہ تھا۔ ہارون الرشید نے ایک دن برصوما سے سوال کیا کہ ابراہیم کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین وہ ایسا باغ ہے جس میں ہر قسم کے پھول اور پھل ہیں۔ ابراہیم بہت راگنیوں کا موجد ہے۔ اور اسحاق موصلی اسی ابراہیم کا بیٹا ہے۔

ابراہیم الموصلی بیان کرتا ہے کہ ایک جلسۂ مے نوشی میں شرکت کے بعد طبیعت بے مزہ ہو گئی میں نے خیال کیا کہ گھومنے پھرنے سے یہ سستی جاتی رہے گی۔ سیر کو چلا تو یکایک ایک مکان میں سے کچھ خوشبو آئی۔ جب مکان معلوم ہو گیا تو میں وہاں گیا اور دروازہ کی کنڈی کھٹکھٹائی۔ ایک کنیزہ دروازہ کھولنے آئی۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے ہاں جو کھانا پک رہا ہے اس میں مجھے بھی شریک کر لو۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ یہ سن کر وہ کنیز اپنی مالکہ کے پاس گئی اور اس کی اجازت حاصل کر کے اندر لے گئی۔ ہم کو اندر بٹھا کر اس نے ایک دیگچی میں سے نمک چکھا اور پھر اس میں سے کھانا ایک قاب میں اتارا۔ اور ہم دونوں کے آگے رکھ دیا۔ ابراہیم کو کھانا بہت عمدہ اور خوش ذائقہ دار معلوم ہوا اور بعد فراغت اجازت لے کر روانہ ہو گیا۔

اس کو دروازہ پر ایک آدمی خچر پر سوار ملا۔ یہ مالک مکان تھا، اس نے اپنی کنیز سے تمام احوال سن کر خچر پر سوار ہو کر تلاش کرنا شروع کیا اور اسے تلاش کر کے بڑے اصرار سے اپنے مکان پر پھر لایا۔ اور ایک بڑے آراستہ کمرے میں لے جا کر بٹھایا اور عمدہ عمدہ میوہ جات، پھل اور مٹھائی وغیرہ اور عمدہ شراب رکھی اور شام تک اسے مہمان رکھا۔ دوسرے دن ابراہیم کے پاس اطلاع پہنچی کہ خلیفہ نے کل تمہیں کئی بار بلوایا۔

یہ سن کر ابراہیم اپنے میزبان سے رخصت ہو کر فوراً خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوا اور اپنا تمام حالِ سیر اور کھانے وغیرہ کا بیان کر کے غیر حاضری کی بابت عذر و معذرت کرتا رہا۔ اور اپنے میزبان کے گھر کے کھانے کی بڑی تعریف کی۔ خلیفہ یہ حال سن کر بہت مشتاق ہوا۔ ابراہیم سے کہا کہ اگر تمہارا میزبان میرے اور تمہارے دونوں کے نام و نشان پوچھے بغیر ہماری دعوت کرے تو میں بھی وہاں چلا چلوں۔

اس بات کا دوسری رات بہ آسانی انتظام ہو گیا۔ ابراہیم نے اپنے دھان رہ پہچان، میزبان سے کہا کہ میرا ایک دوست بہت مقروض ہے اور آپ سے ملاقات کرنے کا خواہش مند ہے۔ مگر اس خوف سے کہ اس کے قرض خواہ اس کو دیکھ کر گھیر نہ لیں، دن میں آپ کے پاس نہیں آ سکتا۔ میں اور وہ آپ کے پاس آج رات کو آئیں گے۔ جب رات ہوئی تو ابراہیم اور خلیفہ دونوں خچروں پر سوار ہو کے اس شخص کے مکان پر پہنچے۔ اس نے ان دونوں کا نہایت

پرتپاک استقبال کیا اور ایک کمرہ میں لے جا کر بٹھایا۔ کھانا چُنا، خلیفہ نے کہا کہ میں نے اپنی تمام عمر میں ایسا مزیدار کھانا کبھی نہیں کھایا۔ اور جو کچھ خلیفہ نے وہاں دیکھا اور سُنا اس سے بڑا ہی خوش ہوا۔ پھر آپ نے میزبان سے پوچھا کہ تمہارے گزر اوقات کی کیا صورت ہے؟ میزبان نے جواب دیا کہ جب میرے باپ کا انتقال ہوا تو میرے ورثہ میں ایک بڑی جائداد آئی۔ اُس جائداد کا بڑا حصہ تو میں نے فضولیات اور لہو و لعب میں اڑا دیا اور برباد کیا۔ پھر میں نے اپنا خرچ کم کر دیا۔ اور اب اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے کہ میری گزران مزے سے ہوتی ہے خدا کے فضل سے۔ مجھے اب کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ بعد ازاں شراب کی خوشبوؤں اور کنیزوں کے راگ گانے سے خلیفہ کو اس درجہ سرور حاصل ہوا کہ خلیفہ نے ابراہیم کے کان میں کہا کہ "اس میزبان کو علیحدہ لے جا کے یہ بتلا دے کہ میں خلیفہ ہارون رشید ہوں"

یہ سُن کر ابراہیم نے میزبان سے علیحدگی میں کہا کہ تم جانتے ہو کہ تمہارا یہ مہمان کون شخص ہے؟ میزبان نے کہا میں نہیں جانتا۔ ابراہیم نے کہا آگاہ ہو یہ امیر المومنین ہیں۔ میزبان یہ سُن کر اس قدر ہنسا کہ ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور کہتا رہا کہ آہا یہ کیا عجب بات ہے اے نلوان۔

یہ سُن کر خلیفہ بھی ہنسنے لگا، پھر میزبان نے اپنی بیوی کو آواز دے کر بلایا اور کہا کہ تم نے ہمارے مہمانوں کو دیکھا۔ یہ شراب پی کر مدہوش ہیں۔ ان میں سے ایک کا دعویٰ ہے کہ میں امیر المومنین ہوں۔ یہ کہہ کر ایک گلاس مذاقاً ادب کے انداز سے ہارون الرشید کی جانب بڑھایا اور کہا کہ امیر المومنین یہ نوش جان فرمائیے۔ اس انداز پر ہارون کو اور بھی ہنسی آئی ابراہیم نے کہا یہ تو دراصل امیر المومنین ہیں۔

میزبان نے ابراہیم سے یہ لفظ سُن کر کہا کہ خدارا اپنا یہ مذاق ختم کیجیے۔ ابھی دو ہی گلاس پیئے ہیں اور لٹتے ہی نشے میں اس بیچارے کو امیر المومنین بنا دیا، شاید کچھ دیر بعد تم اسے پیغمبر بنا دو۔

رات یونہی ہنسی میں گزری۔ جب صبح ہونے لگی تو یہ دونوں اپنے میزبان سے رخصت ہوئے۔ میزبان کو ہارون کے بارے میں یقین نہ آ رہا تھا۔ صبح کو ہمسایوں نے میزبان سے پوچھا کہ تمہارے ہاں کیسا شور اور غل ہو رہا تھا اور وہ تمہارے دونوں مہمان کون تھے؟

جب وہ رات کی بزمِ طرب کا حال بیان کر چکا تو ایک ہمسایہ نے اس سے دریافت کیا کہ یہ تو بتلاؤ کہ تمہارے مہمانوں کی کیا شکل و شباہت تھی؟

اور جب میزبان نے ان کی شکل و شباہت بتلائی تو اس ہمسایہ نے کہا کہ وہ شخص تو ہارون رشید ہی تھا۔

میزبان یہ سن کر ابراہیم موصلی کے گھر گیا۔ ابراہیم نے فوراً اسے اپنے پاس بلوالیا اور اپنے ساتھ خلیفہ کے محل میں لے گیا۔ یہ دونوں خلیفہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے نہایت اصرار سے کہا۔

رات کی طرح سے اپنی طنز یہ گفتگو کی نقل کرو۔

بیچارے میزبان نے بعینہٖ ویسی ہی نقل کی۔ ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ گیا۔ پھر خلیفہ نے اسے زرِ نقد انعام دینے کے لیے حکم فرمایا۔

ماخذ

ہارون الرشید (پامر) اغانی

جاحظ

جاحظ بھی ہارون الرشید کے زمانے کا ایک مشہور آدمی ہے۔ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کے اعتبار سے اگر اسے جینیس کہا جائے تو ذرا بھی مبالغہ نہ ہوگا۔

مولد و منشا

جاحظ کے مولد کے بارے میں مؤرخین و رواۃ میں اختلاف ہے۔ بعض تو کہتے ہیں کہ اس کی ولادت میں سنہ ۱۵۹ھ میں ہوئی۔ بعض کچھ اور کہتے ہیں۔ لیکن صحیح تر روایت خود جاحظ کی ہے جسے یاقوت نے اپنی "معجم" میں نقل کیا ہے کہ جاحظ کہتا ہے:

"میں ابونواس سے ایک سال بڑا ہوں، میں سنہ ۱۵۰ھ کے اوائل میں کتم عدم سے عالم وجود میں آیا اور وہ اواخر میں"

خود جاحظ کی اس نص کے بعد شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

کوفہ اور بصرہ

جاحظ بصرہ میں پیدا ہوا۔ اس زمانہ میں بصرہ و کوفہ دو شہر تھے جو تہذیب و تمدن، علوم و فنون، اور لغت و ادب کے مرکز تھے۔ بغداد اس وقت تک عہدِ طفولیت میں تھا۔ اس کی عمرانیت و حضارت ابھی اس درجے تک نہیں پہنچی تھی۔ اگرچہ عمران و تمدن کی طرف نہایت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ جب اس کی عمر پچاس سال سے متجاوز ہو گئی تو اس نے بغداد کا رخ کیا اور اس کو اپنا مستقر بنا لیا۔

جب اس کے قیام کی شہرت ہوئی تو علماء و فضلاء کی ایک جماعت

مشتاقانِ زیارت ہو کر آئی اور طالبانِ علم کا تو دریا اُمنڈ آیا۔ ہر صنف اور ہر جنس کے طلبا موجود تھے۔ نسل و قوم کا کوئی امتیاز ہی نہ تھا۔ جاحظ کہتا ہے :

" فرار میرے پاس علمِ کلام حاصل کرنے کے لیے آیا لیکن اس کو اس فن سے مناسبت نہیں تھی۔"

علمِ حدیث میں کمال

جاحظ نے علمِ حدیث بھی کئی قابل بزرگوں سے حاصل کیا تھا مثلاً قاضی ابو یوسف شاگردِ امام اعظم (قاضی القضاۃ چیف جسٹس) بغداد یزید بن ہارون، سری بن عبدویہ اور حجاج بن محمد بن حماد بن سلمہ وغیرہ۔

جاحظ سے بھی بہتوں نے اس فن کو حاصل کیا۔ مثلاً مبرد، یموت بن مزرع اور ابو بکر بن ابی داؤد سجستانی وغیرہ۔

تقریظ الجاحظ

ابو حیان توحیدی نے ایک مستقل کتاب "تقریظ الجاحظ" کے نام سے لکھی ہے۔ وہ کہتا ہے :

" اُمتِ عربیہ میں تین ہستیاں بہت زیادہ قابلِ رشک گزری ہیں۔ ان میں سے پہلی ہستی تو عمر بن الخطاب کی ہے۔ دوسری ذات حسن بصری کی ہے اور تیسری شخصیت ابو عثمان الجاحظ کی ہے جسے خطیب المسلمین، شیخ المتوکلین کہیے تو بجا ہے۔ وہ جب گفتگو کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ سحبان کی فصاحت و بلاغت سے کان آشنا ہو رہے ہیں۔ وہ اگر مناظرہ کرتا ہے تو نظام کو مات کر دیتا ہے۔ اگر سنجیدگی سے کچھ کہتا ہے تو عامر بن عبد قیس سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر ہزل و مذاق پر اتر آتا ہے تو مزید سے بھی بازی لے جاتا ہے، جاحظ وہ تھا جس سے دل کو سرور روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے۔ وہ شیخ العرب اور لسان العرب تھا۔ اس کی کتابیں ایک باغ ہے جو کلیوں سے سرسبز ہے اور اس کے رسائل، ان کے پھل بڑے بڑے خلفا۔ اس کی عظمت کے قدر شناس تھے اور امرا۔ اس کی تعریف میں رطب اللسان، بادشاہ اُسے اپنا ندیم بناتے تھے اور علما اس سے کسبِ علم کرتے تھے۔ بڑے بڑے معتزر متکبر اس کے فضائل کو تسلیم کرتے تھے اور عامہ خلائق اس کی محبت میں سرشار تھی۔ وہ زبان و قلم دونوں کا مالک تھا۔ علم و ذہانت دونوں اس کے حصے

میں تھیں۔ رائے اور ادب میں بھی اس کو قابو حاصل تھا۔ نثر و نظم کا بھی وہ بادشاہ تھا۔ اور فہم و ذکا سے بھی اسے بہرہ وافر تھا۔ اس کی عمر اچھی خاصی ہوئی۔ اس کی حکمت سارے جہان میں بوئے گل کی طرح پھیلی، لوگوں نے اس کے نقشِ قدم پر چلنا باعثِ سعادت سمجھا۔ اس کے نام سے انتساب باعثِ فخر و نازش مانا گیا اور جنہوں نے اس کی پیروی کی وہ کامیاب ہوئے۔ بلا شبہ اسے حکمت، اور فصلِ خطاب، دونوں جوہر بخشے گئے۔

لطیفہ جاحظ کہتا ہے مجھ کو عمر میں کسی سے شرمندگی نہیں اٹھانا پڑی۔ ہاں دو شخصوں نے مجھے بے شک خجل کیا۔ جن میں سے ایک واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے دروازہ پر ٹہل رہا تھا کہ ایک عورت میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ مجھے بڑی سخت ضرورت درپیش ہے ذرا تھوڑی دور تک میرے ساتھ چلئے۔ میں اُس کے ساتھ ہو لیا۔ ایک یہودی سُنار کی دکان پر جاکر کھڑی ہو گئی۔ اور اس سے مخاطب ہو کر کہا، ایسا ہی، اور یہ کہہ کر چلتی بنی۔ میں نے سُنار سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے۔ اُس نے کہا اُس عورت نے ایک انگوٹھی مجھ سے بنوائی اور فرمائش کی کہ میں اس پر شیطان کی صورت نقش کر دوں، میں نے کہا۔ میں کیا جانوں شیطان کیسا ہوتا ہے؟ یہ سُن کر وہ چلی گئی اور اب یہاں آکر جو کچھ اُس نے کہا وہ تو آپ سمجھ ہی گئے ہونگے۔

اقوال آدمی کو چاہیے کہ سخی ہو، فضول خرچ نہ ہو، بہادر ہو، لیکن سریع الغضب نہ ہو، شجاع ہو، بزدل نہ ہو، گفتگو خوب کرتا ہو، عامیانہ باتوں سے پرہیز کرتا ہو، خاموش ہو لیکن گونگا نہ ہو، حلیم اور بردبار ہو لیکن ذلت نہ قبول کرتا ہو۔ لوگوں کی مدد سے دریغ نہ کرتا ہو لیکن ظلم بھی نہ کرتا ہو۔ باوقار ہو لیکن احمقانہ طور سے نہیں، حاکم ہو لیکن غصے میں آتا ہو۔

جاحظ کی ہجو ایک ہجو گو جو معتزلہ کا بہت بڑا دشمن ہے، کہتا ہے "اگر سور کی صورت موجودہ صورت سے بھی زیادہ مسخ کر دی جائے تو جب بھی جاحظ کا کیا مقابلہ کر سکے گی؟"

ماخذ

ادب الجاحظ از حسن السندوبی کی تصنیف ہے جو مصر سے شائع ہوئی ہے۔ میں نے اس کے اہم حصص کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

(ر، ا، ج)

عربوں کے علمی کارناموں پر ایک نظر

علمی ترقیاں زیادہ تر عہدِ عباسیہ میں اور خاص طور پر عہدِ مامون الرشید میں ہوئیں، لیکن یہ سلسلہ بہت پہلے شروع ہو چکا تھا اور بہت بعد تک جاری رہا۔

لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلۂ بیان میں عربوں کے علمی کارناموں پر مجموعی حیثیت سے ایک نظر ڈال لی جائے۔

ملک گیری سے جب ان کی طبیعت سیر ہو گئی تو انھوں نے علم و فن کی طرف توجہ کی اور تھوڑے عرصے میں اس میدان میں بھی وہ سب سے آگے نظر آنے لگے۔ ایک طرف سلطنتِ عباسیہ کا آفتاب اقبال غروب ہو رہا تھا تو دوسری طرف علم و حکمت کا مہرِ درخشاں طلوع ہو رہا تھا۔ آگے چل کر حکومت مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی۔ بہت سے خود مختار عناصر پیدا ہو گئے مگر علمی ترقیوں کو جب بھی فروغ حاصل رہا۔ پہلے اگر ایک مرکز تھا تو اب علم و فن کی سرپرستی کے متعدد مراکز ہو گئے۔

غیر ملکی ادب کے تراجم عربوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ مختصر مدت میں یونان، فارس اور ہندوستان کے مختلف علوم و فنون کو عربی میں ترجمہ کر لیا، بلکہ انھوں نے اس میں وسعت پیدا کی، جدید اضافے کیے اور نئے نئے نظریات قائم کیے جو آج تک حضارتِ فرنگ کے لیے اساس کا کام دے رہے ہیں۔

عربوں کا فنِ تاریخ فنِ تاریخ میں عربوں نے ایسا امتیاز حاصل کیا تھا کہ علمائے مغرب

کے لیے وہ اُوج تک مایۂ حیرت واستعجاب ہے۔ دوسری اقوام واُمم کے مقابلے میں عربوں کے مؤلفات کو جو ترجیح حاصل ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے۔ مثلاً "کشف الظنون" کو لیجیے جس میں کتب وفنون کے اسماء سے متعلق مفصل معلومات پیش کیے گئے ہیں۔ ان کی تعداد جن کا کتاب میں ذکر ہے تیرہ سو تک پہنچی ہے۔ اور پھر شروح واختصارات وغیرہ مستزاد اور وہ تاریخی کتابیں جو سال وسنین کی حسنِ ترتیب کے اعتبار سے قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً طبری، ابنِ اثیر، ابوالفداء، یا جو اقوام وممالک کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں۔ مثلاً مسعودی، فخری، ابنِ خلدون وغیرہ اس قبیل کی کتابیں تو حدِ شمار سے خارج ہیں[1]۔ ایسے ایسے مؤلف ومصنف بھی تھے جو اپنی عبارت کی روانی وشگفتگی اور حسنِ استدلال کے اعتبار سے ممتاز ہیں۔ اکثر عرب مورخوں کو علماءِ مغرب نے وجگت گرو، تسلیم کیا ہے۔ یورپ کے علمی حلقے اس وقت تک ان کتابوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔

ابنِ خلدون ہی کو لیجیے۔ اس نے اپنی مشہور تاریخی تالیف اور ترتیب میں ممالک و مساکن کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ مغرب اور اندلس کے متعلق اس نے ایسے ایسے معلومات پیش کیے ہیں جہاں تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا۔ تاریخ ابنِ خلدون کا مقدمہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یورپ کے ایک مشہور عالم کا قول ہے کہ:

"ابنِ خلدون کا مقدمہ فلسفۂ تاریخ سے لبریز ہے۔ کوئی بھی وہاں تک نہ پہنچ سکا جہاں تک ابنِ خلدون کی طبع بلند پہنچی ہے بلکہ میں تو کہتا ہوں روم ویونان کے علماء بھی اس کی گرد کو نہیں پہنچتے۔"

علمِ جغرافیہ

فنِ جغرافیہ میں عربوں کو تقدم کا شرف حاصل ہے پہلے تو انہوں نے یونان وغیرہ کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ ترجمہ کے بعد انہوں نے اس فن کو اور بھی وسیع کیا۔ اپنے مشاہدات وتجربات سے اضافہ کیا۔ اس لیے کہ یہ قوم خود ایک جہانگیر قوم تھی بطلیموس کی بہت سی غلط فہمیوں کی تصحیح عربوں ہی نے کی ہے[2] اور یہ عرب ہی تھے جو صحرائے افریقہ

---

[1] زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ ص ۹۲ [2] زیدان

تک پہنچ گئے اور بلادِ سوڈان میں بھی اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ گزشتہ اقوام سے عرب اس باب میں بھی ممتاز ہیں کہ انہوں نے فنِ جغرافیہ میں بہت سی کتابیں اپنے مشاہدات و تجرباتِ سیاحت سے متعلق تالیف کیں، زمین کے جو نقشے بنائے ان میں بھی ایک اسلوبِ بدیع کے مالک ہوئے۔ ان کے لیے یہ فخر کافی ہے کہ کرہ پر نقشہ کھینچنے کا اصول سب سے پہلے انہی نے معلوم کیا۔ خطِ نصف النہار کا طول اور درجہ معلوم کرنے میں بھی عربوں ہی نے پہل کی۔ مشہور عرب جغرافیہ دانوں میں مسعودی، بیرونی، ادریسی، یاقوت، مقریزی، قزوینی اور ابنِ بطوطہ سے ہر شخص واقف ہے۔ ان سب میں ادریسی کی وہ شخصیت تھی کہ بارہویں صدی عیسوی میں تو اس کا کوئی ہم پایہ ہی پیدا نہیں ہوا۔ ادریسی ہی نے روجر بادشاہ صقلیہ کی فرمائش سے ایک کتاب "نزہۃ المشتاق فی احتراق الآفاق" تالیف کی جس میں بلاد و ممالک کا نہایت تفصیلی تذکرہ تھا۔ اس کے علاوہ اس نے روجر کے لیے ایک نقشہ بھی تیار کیا تھا[1] جس میں اس زمانہ کے تمام قابلِ ذکر اقالیم کو دکھایا گیا تھا۔ ادریسی کی وہ شخصیت ہے کہ جو جغرافیہ اسلام اور جغرافیۂ فرنگ کے درمیان حلقۂ اتصال کی حیثیت رکھتی ہے۔ کتاب "تراث الاسلام" میں ہے کہ:

> "بادشاہ روجر کا ایک مسلمان عالم سے جغرافیہ پر کتاب لکھانا اور نقشہ بنوانا اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان اس زمانہ میں علمی اعتبار سے اپنے تمام اقران و امثال میں ممتاز تھے۔"

عرب اور تخلیقی ادب

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عرب بس نقل و ترجمہ کے ماہر تھے۔ علوم و فنون میں انہیں براہِ راست کوئی دسترس حاصل نہیں تھی۔ یہ تحقیق انہیں یورپ زدہ، حضرات سے ظہور میں آئی ہے جن کا سارا علم و فن رہینِ منت ہوتا ہے۔ استادانِ فرنگ کا یا ہمارے وہ نوجوان اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہیں جو فرنگیت سے مرعوب و متاثر ہیں۔ ورنہ اس قول کا مہمل ہونا بالکل ظاہر و باہر ہے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا۔

وہ فرنگی علماء جن کو خدا نے عدل وانصاف کا مادہ دیا ہے اس کے علی الاعلان معترف ہیں کہ عربوں نے نقل وترجمہ میں اپنی مہارت کا جو ثبوت دیا ہے اس سے کہیں زیادہ ہے جتنی خود انہیں علوم وفنون میں دستگاہ تھی۔

عربوں کا علم طب یونانی، سریانی، کلدانی وغیرہ میں طب پر جو مواد تھا پہلے تو عربوں نے اسے حاصل کیا پھر اس فن میں تغیر وتبدل کیا اور حک و اصلاح سے کام لیا بلکہ اضافہ اور ایزاد کے بھی نہایت بے بہا جواہر چھوڑے۔ کتاب تراث الاسلام میں ہے:

"عربوں نے طب یونانی میں کافی اضافہ کیا، اور اُن کا یہ اضافہ عمل پر مبنی تھا۔ جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ طب سے رسمی اور نظری طور سے ہی نہیں واقف تھے بلکہ عملی حیثیت سے بھی اس میں کافی ممتاز تھے۔"

اس بیان سے ان لوگوں کی تسکین ہو جانی چاہیے جن کے خیال میں عربوں کا علم طب نظری تھا۔ اس میں اُن کے بڑے بڑے قیمتی مؤلفات ہیں مثلاً ابن سینا کا قانون اور ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی اندلسی کی کتاب التصریف وغیرہ۔ ان کتابوں سے فرنگیوں نے اپنی نہضت جدید میں بڑے بڑے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں عربی کی بعض کتابیں یورپ کی یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں داخل رہیں۔ عربوں میں جن لوگوں نے فنِ طب میں غیر معمولی مہارت حاصل کی، بہت ہیں جسے تفصیل مطلوب ہو، وہ طبقات الحکماء، تراجم الحکماء، اور کشف الظنون وغیرہ کی طرف رجوع کرے، یہ بات بہر حال ظاہر ہے کہ طب اور صیدلتہ (دوا سازی) میں عربوں نے نمایاں حیثیت حاصل کر لی تھی۔

علم طب کے طلباء اس طب کو ایک باقاعدہ نظام کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، ایک افسرِ اعلیٰ طلباء کا امتحان لیتا تھا۔ ممتاز طالب علموں کو انعام بھی ملتا تھا۔ چنانچہ صرف بغداد میں بہ زمانہ خلیفہ مقتدر باللہ، ان کی تعداد ڈیڑھ سو تک پہنچ گئی تھی۔

---

[1] ابن ابی طبقات الاطباء جلد ا ص ۲۲۲

اور ان میں وہ ستر افراد مستثنیٰ تھے جو خدمتِ سلطانی کے لیے مامور تھے۔

عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش تھیں اس فن میں صرف مردوں ہی کو کمال نہیں تھا بلکہ عورتیں بھی مردوں کے دوش بدوش نظر آتی تھیں مثلاً اخت مفید اور اس کی دونوں بیٹیاں، ان عورتوں کو خاص طور سے عورتوں کے معالجہ میں کمال حاصل تھا۔[1]

موجودہ زمانہ میں جو طریقہ رائج ہے عرب اس سے بے خبر نہ تھے، ان کے ہاں بھی باقاعدہ نبض دیکھی جاتی تھی۔ بول و براز کا معائنہ کیا جاتا تھا۔ اور وہ لوگ حکمائے یونان کے افکار و آراء پر داد تحقیق و تنقید بھی دیتے تھے۔ یونانی کتابوں پر انہوں نے جو حاشیے لکھے، تعلیقیں تیار کیں، مفید اور مناسب اصلاحات کیں، ان کے علاوہ اور متعدد طریقوں سے وہ اس فن کو جلا دیتے رہتے تھے، وہ عرب ہی تھے جنہوں نے طب میں کلوروفارم جیسی چیزوں کو معالجہ کے لیے ضروری قرار دیا۔ جس طرح آج کل جراحت کے لیے داغ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح وہ بھی کرتے تھے، عربوں ہی نے سب سے پہلے مرضِ سل میں ناخونوں کے ٹیڑھا ہو جانے کو ایک علامت کی صورت میں معلوم کیا۔ یرقان اور ہیضہ کا علاج دریافت کرنے میں عربوں ہی کو شرفِ اولیت حاصل ہے۔ جنون کے مرض میں افیون کے فوائد کا انکشاف بھی عربوں ہی کا رہینِ منت ہے۔ نریف (بہتے ہوئے خون کو روکنے) کے لیے ٹھنڈے پانی کا تریڑا دینا بھی عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ مثانہ اتر جانے کی صورت میں اسے بٹھانے کے لیے وہ بھی وہی طریقہ استعمال کرتے تھے جو آج کل رائج ہے۔[2]

اسی طرح جذام، چیچک، خسرہ وغیرہ کی شکل و صورت اور خصائص وغیرہ کے متعلق عربوں نے تحریری سرمایہ پیدا کیا۔

بیمارستان اور طبی درس گاہیں طب کے درس اور مریضوں کے لیے ایک خاص عمارت مخصوص ہوتی تھی جس کو "بیمارستان" کہتے

---

[1] ابن ابی اصیبعہ، طبقات الاطباء [2] زیدان تاریخ التمدن الاسلامی جلد ۳ ص ۱۸۰

تھے۔ اور جس طرح آج کل طبی درس گاہوں سے لوگ سندِ فراغت حاصل کر کے نکلتے ہیں وہاں سے بھی وہ طبابت کی سندیں لے کر نکلا کرتے تھے۔ علاج کے لیے جو عمارت مخصوص ہوتی تھی اس میں ہر قسم کا ضروری سامان اور آلات موجود رکھنے کا کافی انتظام تھا۔ نرسنگ، کے لیے ملازم تیمار داروں (خدام) کی ایک جماعت ہر وقت موجود رہتی تھی۔ جو امراض اس زمانے میں معروف تھے ان کے لیے الگ الگ وارڈ (غرفہ) تھے۔

علم الجراحت کے متعلق تحقیق و انکشاف کا سہرا زکریا رازی کے سر ہے ان لوگوں میں جنہوں نے عمل بالید، سرجری اور آلات وغیرہ کے استعمال میں خاص مہارت حاصل کر لی تھی۔ ابو القاسم بن عباس الزہراوی کو خاص امتیاز حاصل ہے۔

صیدلۃ دوا سازی اور جڑی بوٹی کی تحقیق و تفتیش پر بھی عربوں نے خاص طور سے توجہ مبذول کی، چنانچہ ہندوستان اور دوسرے ممالک سے اس باب میں نہایت وسعتِ قلب سے انہوں نے فائدہ اٹھایا۔ یورپ تک کو اس کا اعتراف ہے کہ فنِ دوا سازی کے بانی ہونے کا فخر عربوں ہی کو حاصل ہے۔ یورپ میں آج بھی بہت سی جڑی بوٹیاں انہی ناموں سے مشہور ہیں جو عربوں کے رکھے ہوئے ہیں۔

فنِ کیمیا کے بہت سے مرکبات عربوں ہی کی بدولت عالمِ وجود میں آئے۔ تقطیر، عملِ ترشیح، عملِ تذویب، بخارات بنا کے عرقوں کی کشید، قلمیں بنانا، الکحل تیار کرنا، یہ سب وہ چیزیں ہیں جنہیں پہلے پہل عربوں ہی نے جانا پہچانا، بہت سے معدنی تیزاب اور نباتاتی قلویات (کھاری چیزیں)، اور معدنی قلویات عربوں نے معلوم کیں، ان تمام چیزوں میں وہ مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔ بہت سے قدیم کیمیاوی نظریات کو انہوں نے باطل کر دیا۔

اربابِ نظر سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں ہے کہ بارود کو مرکب کی صورت میں عربوں ہی نے پیش کیا۔ ابنِ اثیر کا قول ہے کہ عربوں نے بعض ایسی دوائیں ایجاد کی تھیں کہ اگر وہ لکڑی پر مل دی جائیں تو آگ ان پر اثر نہیں کرتی تھی۔

شیشے کی صنعت میں بھی عربوں نے اپنے کمال کا سب سے اعتراف کرایا۔ ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ علم نباتات میں بھی عربوں نے ایک استاد کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

اس علم میں ابنِ بیطار اور رشید الدین ابن الصدری غیر فانی شہرت کے مالک ہیں۔ مؤخر الذکر کو اس فن کی تحقیق و تجسس کا اتنا سودا تھا کہ:

ان کے ساتھ ہمیشہ ایک مصور رہتا تھا۔ جب وہ گھاس پات اور جڑی بوٹیوں کی تحقیق کے لیے نکلتے تھے، مصور کے پاس ہر طرح کے رنگ اور مسالے رہتے تھے۔ جب رشید الدین ایسے مقامات پر جاتے تھے جہاں نباتات کی فراوانی ہوتی تھی تو وہ اس کا مشاہدہ کرتے تھے تحقیق کرتے تھے پھر مصور کو دکھاتے تھے۔ مصور اس کے رنگ، پتوں کی تعداد، شاخوں اور جڑوں کا پورا پورا اندازہ کر کے بالکل اسی طرح اس درخت کی تصویر کھینچتا تھا اور ہو بہو اس کی نقل آثار کے رکھ دیتا تھا اور اس سلسلے میں رشید الدین نے نہایت دلچسپ طریقہ اختیار کیا تھا۔ یہ کہ وہ پہلے مصور کو پودے کی بالکل ابتدائی شکل دکھاتے تھے۔ اس کی تر و تازہ صورت کی تصویر لی جاتی تھی۔ جب وہ مکمل ہو جاتا تھا تو پھر اس کی تصویر لی جاتی تھی، پھر جب وہ پودا خشک ہو جاتا تھا اور گرنے کے قریب ہوتا تھا تو پھر اس کی تصویر لی جاتی تھی اس تحقیق کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پڑھنے والا یہ محسوس کرتا کہ گویا وہ بچشمِ خود پودے کی اس نشو و نما اور تغیر و تبدل کا معائنہ کر رہا ہے۔ ظاہر ہے یہ تحقیق کتنی کامیاب اور مکمل ہوتی ہو گی۔

میں نہیں سمجھتا کہ آج کل کے ماہرینِ نباتات ابن الصدری سے زیادہ تحقیق کا ثبوت دے سکتے ہیں۔

علم طبیعات

عربوں نے طبیعات (فزکس) پر اپنی محنت و کوشش صرف کی۔ چنانچہ اس باب میں بھی نئی نئی بحثیں ان کی بدولت ہمیں نظر آتی ہیں۔

پہلے تو انہوں نے یونانی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ترجمہ کے بعد انہوں نے اس فن میں حسبِ عادت وسعت کی بہت سے مسائل کا اضافہ کیا۔ ان کی ترقی کا یہ عالم تھا کہ روز بروز اپنے لیے وہ نئی راہیں پیدا کرتے رہے، انہوں نے ایسے آلات بنائے تھے کہ جن کے ذریعے سے وہ نقل نو می تک کا حساب رکھتے تھے۔ ایسے ایسے پیمانے انہوں نے تیار کیے تھے کہ ایک گرام کے ۴۰۰۰ء حصہ سے کم وزن کا فرق تک وہ معلوم کر لیتے تھے۔ نظریۂ جذب

کے متعلق بھی ان کے بہت سے اقوال ملتے ہیں[1] روشنی کے متعلق بھی ان کے مستقل نظریات ہیں کہ اس سے پہلے کسی کی رسائی ذہن وہاں تک نہیں ہوئی تھی، بلکہ اس مسئلے میں انہوں نے بہت سے اضافے کیے، یونانیوں کے صحت طلب آراء و افکار کی تصحیح کی، اس مسئلے پر اگر آج عربوں کے اضافے نہ ہوتے تو یہ مسئلہ اس منزل تک نہ پہنچتا جہاں آج نظر آرہا ہے، بعض ارباب نظر کا خیال ہے کہ اس مسئلے پر عربوں کے مقالات و نظریات کی بدولت دُور بین کی ایجاد عمل میں آئی[2] امراضِ چشم اور ان کی تشریح سے متعلق بھی عربوں کا بہت سا تحریری مسالہ موجود ہے[3]

علم موسیقی میں عربوں کا پایہ موسیقی میں وزخامس عربوں کی ایجاد ہے جسے زریاب نے اندلس میں ایجاد کیا تھا۔ قانون بھی عربوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اس کی موجودہ ترکیب (ساخت) فارابی کی دی ہوئی ہے[4] یہ مشہور قصہ تو اکثر کو معلوم ہے کہ فارابی نے ایک باجہ ایجاد کیا تھا جو صرف دو لکڑیوں سے بنا تھا۔ ان لکڑیوں کی ترتیب میں جب ذرا سا تغیر کر دیا جاتا تھا تو مختلف قسم کے راگ نکلنے لگتے تھے۔

چنانچہ ایک مرتبہ وہ سیف الدولہ کے دربار میں حاضر تھا۔ اس سے سوال کیا گیا تم گانے بجانے سے ذوق رکھتے ہو؟

فارابی نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اپنی جیب سے ایک خریطہ نکالا۔ اسے کھولا اور اس میں سے دو لکڑیاں نکالیں، انہیں ایک خاص انداز میں ترتیب دیا اور بجانا شروع کیا تو یہ حال ہوا کہ مجلس میں جتنے لوگ تھے سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔ پھر ان لکڑیوں کی ترتیب میں ایک خاص تغیر کیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضار مجلس پر گریہ طاری ہو گیا اور ہر شخص بے حال ہو گیا۔ اس کے بعد پھر اس نے اپنی لکڑیوں میں ایک خفیف تغیر کیا اور بجانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اہل مجلس پر غنودگی طاری ہو گئی اور دربان تک

---

[1] ڈاکٹر صروف، بساط علم الفلک ص ۲۲ [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا [3] کاجوری، تاریخ الفزکیس ص ۲۳
[4] ابن خلکان جلد ۲ ص ۷۷

خراٹے لینے لگا۔ فارابی نے لکڑیاں جیب میں رکھیں اور بہ جادہ جا غائب ہو گیا [۱]

فضائے آسمانی میں پرواز کا خیال بھی سب سے پہلے عربوں ہی کو آیا۔ سب سے پیشتر اس معاملہ کی طرف جس کا ذہن منتقل ہوا وہ عباس بن فرناس تھا۔

"عباس نے اپنے جسم کو فضا میں اڑانے کی کوشش کی۔ پہلے تو اس نے اپنے بدن پر پر چڑھے، پھر دو بازو تیار کیے جیسے چڑیوں کے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے فضا میں کافی عرصے تک پرواز کی، لیکن پہلا تجربہ اس کے لیے ایک حد تک تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اترتے وقت اس کے جسم کے پچھلے حصے میں کچھ چوٹ آ گئی۔ اُسے یہ نہیں معلوم تھا کہ پرندہ اُترتے وقت اپنے پچھلے حصے سے زیادہ مدد لیتا ہے۔ عباس نے یہ غلطی کی کہ دُم نہیں بنائی" [۲]

اب ہمیں چاہیے کہ عربوں نے فنِ ریاضیات اور فلکیات میں جو ترقی کی تھی ایک نظر اس پر بھی ڈال لیں۔ ان دونوں مسئلوں پر علمائے یونان اور ہندوستان کا جو مواد تھا اس سے استفادہ کے بعد عربوں نے ان مسائل میں بھی قابلِ قدر اضافہ کیا۔ حساب میں عدد کے خواص اور دوسرے متعلقات پر انہوں نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ لفظ صفر بھی سب سے پہلے عربوں کے قلم سے نکلا، کسر عشری بھی عربوں ہی کا وضع کیا ہوا ہے۔ نو کا عدد گرا کر جمع کرنے کا اُصول بھی عربوں ہی کی جانب منسوب ہے [۳]

ہندی ہندسوں کو انہی نے نقل کرنے کا رواج دیا۔ خوارزمی نے اپنی ایک تالیف میں لکھا ہے کہ موجودہ ہندسے ہم کو ہندیوں سے پہنچے ہیں [۴] اور عربوں سے انگریزوں نے لیے ہیں۔

فنِ جبر و مقابلہ میں اگر یونانیوں کو کچھ درک تھا بھی تو بہت ناقص۔ ہم بلا خوفِ تردید یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ فن بھی عربوں ہی کے وضع کردہ فنون میں سے ایک ہے۔ کاجوری کا

[۱] ابن خلکان جلد ۱ ص ۷۷۔ [۲] نفح الطیب ج ۲ ص [۳] کتاب تراث الاسلام ص ۳۹۴
[۴] سمتھ کارپینکی، الارقام الهندیه العربیه ص ۵

قول ہے کہ جب اس پر نظر جاتی ہے کہ عربوں نے جبر و مقابلہ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ سب سے پہلے لفظِ جبر کا استعمال بھی عربوں نے کیا۔ اور ان سے انگریزوں نے لیا۔ اس پر انہوں نے مستقل نظریات بھی قائم کیے تھے جو اس وقت تک قائم ہیں۔ معاملات کے لیے حلول جبری اور ہندسی بھی انہی نے ایجاد کیے۔ درجۂ ثانیہ اور ثالثہ کے لیے معادلات سے انہی نے سب سے پہلے دنیا کو روشناس کرایا، اس فن میں عربوں نے ایسی ایسی ایجادیں کیں کہ علماءِ فرنگ آج تک انگشت بدنداں ہیں۔ کاجوری کا قول ہے کہ معادلاتِ تکعیبی کا حل جو قطوعِ مخروط کے واسطے سے ہوتا تھا۔ عربوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ درجۂ اربعہ کے معادلات کے بعض اوضاع بھی انہوں نے حل کیے۔ مامون کے حکم سے محمد بن خوارزمی نے اس علم پر ایک کتاب شائع کی، جس نے بڑی شہرت حاصل کی جس سے ساری دنیا میں خوارزمی کا نام پھیل گیا۔ علی فرنگ نے فنِ جبر پر جتنی کتابیں لکھیں وہ اسی کتاب پر مبنی تھیں، یہ کتاب فرنگیوں کے کورس میں بھی داخل ہے۔ اور ایک مدت تک یہ لوگ اس سے استفادہ کرتے رہے۔ مثلثات میں بھی عربوں نے بہت جدت سے کام لیا۔ کتبِ مثلثہ کے اعداد میں عربوں ہی نے سب سے پہلے مماس کو داخل کیا[۲] تناسبِ جیوب کا قانون بھی عربوں ہی کے انکشاف کا نتیجہ ہے اور ان کے فخر کو یہ کافی ہے کہ کروی مثلثات کے حل کا عام قاعدہ انہی نے بنایا ہے، منظر مماس اور قاطع اور اس کی منظیر، ان چیزوں کے لیے جدولیں بھی سب سے پہلے عربوں نے تیار کیں۔ اور واقعہ تو یہ ہے کہ علم المثلثات میں عربوں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی کہ پھر اس پر خاص طور سے کوئی اضافہ کیا جاتا، چنانچہ علماءِ فرنگ کو بھی اس کا اعتراف ہے۔

علم الفلکیات فلکیات میں بھی عربوں نے اپنی ذہانت و قابلیت اور ایجاد و اختراع کا ایک زمانہ سے لوہا منوا لیا۔ انہوں نے سابق فلکی علماء کی طرح یہ نہیں کیا

---

[۱] کاجوری، تاریخ الریاضیات، ص ۱۰۷

[۲] انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، مادہ مثلثات و نصیر الدین طوسی شکل الانقطاع ص ۱۲۶

کر نظریات ہی قائم کر کے رہ گئے ہوں، بلکہ انہوں نے اس فن کو عملیات میں داخل کر لیا، رصد وغیرہ قائم کرنا، بعض اہم نظریات فلکی عربوں ہی کی طبع نقاد کا نتیجہ ہیں۔

انہوں نے بہت سے رصد خانے قائم کیے اور ان میں منفعت بخش ارصاد کا انتظام کیا۔ اس فن میں انہوں نے ایسی مہارت کا ثبوت دیا کہ علمائے فلکیات دنگ رہ گئے۔ کوئی ان کی برابری نہیں کر سکا۔ مغرب نے بھی عربوں کے تفوق کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ لالاند فرانسیسی عالم فلکی بتانی کو ان بیس علماء فلکیین میں شمار کرتا ہے جو اپنی مہارت اور خصوصیات کے اعتبار سے ساری دنیا میں فرد ہیں[۱] زمین کی کرویت پر بھی عربوں کے بہت سے اقوال ملتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ زمین ایک محور پر گردش کر رہی ہے۔ بڑی منفعت بخش زیچیں بھی انہوں نے ایجاد کیں۔ زمین کے لیے نقطہ ذنب کی حرکت عربوں نے بیان کی۔ گرمائی اور سرمائی اعتدالوں کی قیمت میں بھی انہوں نے اصلاحیں کیں۔ فلک معدل النہار پر فلک بروج کے میل کی قیمت کا اندازہ بھی عربوں ہی نے کیا۔ اور باعث تعجب امر یہ ہے کہ اس میل کا حساب نہایت دقیق ہے۔

اپنی رصد میں انہوں نے ایک دقیقہ تک کا حساب رکھا تھا[۲] آفتاب زمین سے کتنا بلند ہے؟ اس سوال کا جواب جو انہوں نے دیا تھا وہ تقریباً وہی ہے جو آج کل کے علماء فلکیات دیا کرتے ہیں[۳] آلات رصد میں اصطرلاب بھی عربوں ہی کی ایجاد ہے۔ غرض اس فن میں انہوں نے غیر معمولی اضافے کیے۔ میں نے "بساط علم الفلک" میں دیکھا ہے کہ پچاس فی صد ستاروں کے نام وہی ہیں جو عربوں نے رکھے تھے[۴] اور آج تک وہ فرنگی زبانوں میں برابر استعمال ہو رہے ہیں۔ اس فن میں ان کی مہارت اور کمال کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعض فلکی علماء نے ایسے مکانات بنائے تھے جن میں آسمان تھا، آسمان

---

[۱] ملاحظہ ہو مقتطف، بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء [۲] اسمٰعیل مظہر، تاریخ الفلک العربی ص ۴۵، ۴۶

[۳] اسمٰعیل مظہر، تاریخ الفلک العربی ص ۴۵، ۴۶

[۴،۵] فاندیک، کتاب علم الالٰہیہ ص ۱۲،

پر تار سے تھے، بادل تھے، بجلیاں تھیں، سب ہی کچھ تھا اور دیکھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ سچ مچ آسمان کے نیچے کھڑا ہوا ہے[1] علماء مغرب کا اس میں اختلاف ہے کہ حرکت قمر میں انواع خلاء کے انکشاف کا سہرا کس کے سر ہے۔ بعض لوگ تیخو بر کا نام لیتے ہیں۔ بعض ابوالوفاء کا[2] لیکن اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اس انکشاف کا سہرا ابوالوفاء کے علاوہ کسی اور کے سر نہیں ہے[3]

عربوں کی ہمہ دانی

جب عربوں نے عیش و عشرت کے میدان میں قدم رکھا تو اس میں بھی وہ بازی لے گئے۔ ایک طرف اگر علم و فنون نے اپنے نظریات و خیالات کی ندرت کاریوں سے ایک عالم کو محو حیرت بنا رکھا تھا تو دوسری طرف بزم و انجمن میں بھی وہ سب سے پیش پیش تھے، ان کی بزم آرائیاں آج تک لوگوں کی زبانوں پر اور کتابوں کے اوراق میں محفوظ ہیں۔ انہوں نے جب شعر و شاعری کی طرف توجہ کی تو اس میں ایسا کمال پیدا کیا کہ اس میدان میں بھی کوئی حریف باقی نہیں رہ گیا، جب موسیقی کی طرف ان کی نظر متوجہ ہوئی تو ایسے راگ اور باجے ایجاد کیے کہ مرور ایام کے باوجود آج تک وہ باقی ہیں۔ جب انہوں نے تعمیر پر نظر عنایت کی تو ایسے ایسے قصور و محلات تیار کر کے کھڑے کر دیے کہ دنیا میں جنت کا نمونہ قائم کر دیا۔ ان کی عمارات کی خوبی، خوش نمائی، سنگینی و استحکام و تناسب اور تناسق پر جب نظر پڑتی ہے تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔

ماخذ

مصر کے مشہور مجلۂ علمی المقتطف، میں یہ مقالہ غالباً ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔
میں نے اسی زمانہ میں اس کا ترجمہ کیا تھا جو رسالہ جامعہ، دہلی میں شائع ہوا تھا۔

---

[1] المقری، نفح الطیب ج ۲ ص ۲۳۱۔ [2] کاجوری، تاریخ الریاضیات ص ۱۰۵
[3] کتاب تراث الاسلام ص ۳۹۵

شب گشت

بھیس بدل کر خبریں حاصل کرنے والا خلیفہ!

ہارون کے بارے میں بہت سی روائتیں اور حکائتیں ایسی ہیں جنہوں نے اسے پُراسرار، سحر طراز، دلچسپ اور محبوب عوام شخصیت کا مالک بنا دیا تھا۔

ممکن ہے ان روایتوں میں کہیں کہیں مبالغہ بھی ہو۔ لیکن مجموعی حیثیت سے نہ ان کی صحت مشتبہ ہے نہ اُن کی تفصیل۔

اس طرح کی بہت سی روایتوں میں سے ایک روایت حد درجہ دلچسپ ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

رات کا وقت ہے، دجلہ اپنی معمولی رفتار سے بہہ رہا ہے، دونوں کناروں پر سناٹے کا عالم ہے اور اندھیرے کی وجہ سے نہ گھاٹ نظر آتا تھا نہ کشتیاں۔ لیکن غور کرنے سے ایک چھوٹی سی ڈونگی دکھائی دیتی ہے جس پر ایک بوڑھا ملاح گردن جھکائے خاموش بیٹھا ہے اور تین شخص سوداگروں کے لباس میں بڈھے کے پاس کھڑے ہیں۔ بظاہر اس میں ایک مالک، ایک مصاحب اور تیسرا خادم معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ مصاحب نے آگے بڑھ کر بوڑھے ملاح سے اس طرح گفتگو کی۔

مصاحب: اے پیر مرد! مہربانی کرکے اس وقت ہم کو دجلہ کی سیر کرا۔ اور یہ دو دینار

تیری حق الخدمت کے موجود ہیں ان کو قبول کر۔

ملاح: حضرت میری مجال نہیں ہے جو میں آپ کی فرمائش بجا لاسکوں کیونکہ خلیفہ ہارون کا معمول ہے کہ وہ ہر شب بجرے پر سوار ہو کر نکلتا ہے۔ جس کے ساتھ ایک منادی پکارتا جاتا ہے کہ "خبردار! جو کوئی شخص اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، جوان ہو یا لڑکا، آزاد ہو یا غلام، رات کے وقت سیر کرے گا اس کا سر قلم کر دیا جائے گا۔"

یہ گفتگو ہنوز ختم نہیں ہوئی تھی کہ دور سے ایک کشتی آتی ہوئی دکھائی دی جس میں حسب موقع شمعوں اور مشعلوں کی روشنی ہو رہی تھی۔ جب وہ کشتی حد سے آگے چلی گئی تو پھر اس مصاحب نے بوڑھے ملاح سے اصرار کیا اور ایک معقول انعام کے وعدے پر رضامند کر لیا۔ یہاں تک کہ یہ کشتی بھی اگلے بجرے کے پیچھے پیچھے چل کھڑی ہوئی جب کشتی بجرے کے قریب پہنچی تو دیکھا کہ اس پر ایک مشعلچی سرخ اطلس کا لباس پہنے ہوئے اور ایک طلائی اور مینا کار دستے کا مشعل ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا جس میں عود قاتل جل رہا تھا۔ بجرے کا درمیانی حصہ شمعوں سے روشن تھا جس کے وسط میں زرنگار کرسی بچھی ہوئی تھی۔ اس پر ایک نوجوان سیاہ خلعت پہنے ہوئے بیٹھا تھا۔ دائیں بائیں تخمیناً سو غلام ایستادہ تھے۔ ان کے بیچ بیچ میں مصاحب اور بھی تھے۔

مالک: آپ نے یہ تماشا دیکھا؟ کیا خوب طرز اختیار کیا ہے؟

مصاحب: یہ تو حقیقت میں خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک: (ہنس کر) یہ ابن الرشید کی شرارت ہے یا مامون الرشید کی۔

مصاحب: حضور سچ فرماتے ہیں، بالکل خلیفہ ہی معلوم ہوتا ہے۔

مالک: (دوبارہ غور سے دیکھ کر) بے شک تمام سامانِ خلافت مہیا ہے۔ دو شخص جو سامنے کھڑے ہیں ان میں ایک تو بالکل جعفر وزیر السلطنت معلوم ہوتا ہے اور دوسرا مسرور (حبشی غلام)

مصاحب: کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا اسرار ہے، میری تو عقل گم ہے۔

سلسلۂ کلام یہاں تک پہنچا تھا کہ کشتی نظر سے دور ہو گئی۔ تب مصاحب نے ملاح

سے پوچھا کہ کیا خلیفہ اسی طرح ہر شب دریا کی سیر کیا کرتا ہے؟

اس نے کہا کہ ہاں!

چنانچہ ملاح سے دوسرے دن ملنے کا وعدہ کر کے یہ لوگ چلے گئے۔

دوسرے دن بڈھا ملاح انعام کے لالچ سے اسی جگہ اپنی کشتی لگائے بیٹھا تھا کہ یہ لوگ آموجود ہوئے۔ اور جس وقت شاہی بجرہ سامنے سے گزرا فوراً یہ کشتی بھی اس کے عقب میں روانہ ہوئی۔ دیکھا تو بجرے پر آج دوسرے ٹھاٹھ تھے۔ اور قریب دو سو غلاموں کے مودٔب کھڑے جو محل کے غلاموں سے علاوہ تھے۔ ملاح نے آج دس دینار کے لالچ سے اس کشتی کو تیز چلایا۔ اور دور تک اس بجرے کے ساتھ ساتھ چلتا گیا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے ایک باغ کے کنارے پہنچ گئے، وہاں دو غلام مع سواری کے موجود تھے۔ خلیفہ کشتی سے اترا اور خچر پر سوار ہو کے باغ کی طرف روانہ ہوا۔ یہ مسافر بھی کشتی سے نیچے آئے اور جی کڑا کر کے خلیفہ کے پیچھے ہو لئے۔ مگر آگے چل کر مشعلچیوں نے اجنبی سمجھ کر شور و غل کیا تب لوگوں نے گرفتار کر کے خلیفہ کے روبرو پیش کیا۔

خلیفہ: تم کون ہو؟ اور یہاں کیونکر تمہارا آنا ہوا؟

مصاحب: ہم غریب الدیار ہیں اور تاجرانہ حیثیت سے بغداد میں وارد ہیں۔

خلیفہ: تمہاری رسائی یہاں تک کس کی سازش سے ہوئی؟

مصاحب: حضور ہماری حماقت نے ہم سے سازش کر کے سیرِ دجلہ پر آمادہ کیا جس کی وجہ سے حضور کے خدام نے گرفتار کر لیا۔ لیکن یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ حضور کے دیدار فیض آثار سے مشرف ہوئے۔ اب آگے جو قسمت میں ہو۔

خلیفہ: اگر تم مسافر نہ ہوتے اور کوئی بغدادی ہوتا تو ضرور ہمارے دریائی قانون کے مطابق قتل کر دیا جاتا، لیکن اب تم ہمارے مہمان ہو۔ اطمینان سے استراحت کرو اور (اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر) یہ لوگ آج ہمارے مہمان ہیں، ان کو بھی اپنی بے تکلفی کی محفل میں شریک کرو۔

وزیر: بہت خوب!

تھوڑی دُور چل کر ایک عظیم الشان محل نظر آیا جو شاہانہ طرز پر آراستہ تھا۔ وہاں پہنچ کر سب لوگ اپنے اپنے قرینے سے بیٹھ گئے۔ دسترخوان چُنا گیا۔ جب کھانے سے فراغت ہوئی تو دَور شروع ہوا۔ جب ان سوداگروں کی طرف دَور آیا تو پہلے مالک نے انکار کیا۔ خلیفہ نے اس مصاحب سے سببِ انکار دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کیا کہ "حضور ہمارے آقا نے مدت سے شراب چھوڑ دی ہے" لیکن خلیفہ نے مع یارانِ مجلس خوب پی اور مست ہو کر نشے میں جھومنے لگا۔ جب ان لوگوں کو کسی قدر تخلیہ ہوا تو آپس میں اس مکان کی آراستگی اور دیگر سامان وظروف وغیرہ کی تعریف کرنے لگے۔ مالک نے اپنے مصاحب سے کہا کہ کیا خوب ہوتا اگر یہاں کے حالات کی مجھ پر وضاحت ہوتی۔

خلیفہ نے ان باتوں پر کان لگائے اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کن خیالات میں ہیں؟

ادھر سے مصاحب نے جواب دیا ہمارا مالک اس وقت حضور کی خوش انتظامی اور سامانِ آرائش دیکھ دیکھ کر محو ہو رہا ہے اور مجھ سے اس کی تعریف کرتا جاتا ہے۔

خلیفہ: آپ کے نزدیک یہاں کس چیز کی کمی ہے؟

مصاحب: ہماری کیا مجال ہے کہ کسی کمی کا ذکر کر سکیں، بفضلہٖ تعالیٰ تمام سامانِ عیش مہیا ہے۔

خلیفہ: نہیں نہیں، بلا تصنع آپ جس چیز کی کمی دیکھیں فی الفور اس کا اظہار کریں۔

مصاحب: ہمارا خیال ہے کہ شراب بلا سماع تضیع اوقات ہے۔

خلیفہ یہ سُن کر مسکرا دیا اور فوراً دستک دی جس کے ساتھ ہی ایک دروازہ کھلا اور اس سے ایک خادم نکلا۔ پھر اس نے ایک ہاتھی دانت کی مرصع کرسی لا کر بچھائی، پھر ایک خوبصورت کنیز آئی اور کرسی پر بیٹھ کر عود بجانا شروع کیا، چنانچہ اس نے چوبیس گتیں بجائیں، جس کی ہر ادا پر عقل حیران ہوتی تھی۔ اس کی خوبصورتی کے ساتھ اس کی خوش آوازی غضب تھی۔ اس نے یہ اشعار گانا شروع کیے۔

ترجمہ: عشق کی زبان میری آنکھوں میں بول رہی ہے۔

اور یہ کہتی ہے کہ میں تیرا عاشق ہوں۔

میرا ستم زدہ دل میرا گواہ ہے۔
اور میرا دل تیرے فراق سے زخمی ہے اور کانپتا ہے۔
جس محبت نے مجھے پگھلا دیا میں اس کو کہاں تک چھپاؤں۔
دل زخمی ہے اور آنسو ہلاک کرنے والے ہیں۔
تیرے عشق سے پہلے مجھ کو بھی معلوم نہ تھا کہ عشق کیا چیز ہے؟
لیکن خدا کا حکم مخلوقات میں پہلے سے نافذ ہو چکا ہے۔

یہ اشعار کچھ ایسے دردانگیز لہجے میں گائے کہ خلیفہ پر دیوانگی سی کیفیت طاری ہو گئی اور یکایک چیخ اُٹھا اور کپڑے پھاڑ ڈالے۔ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو دوسری پوشاک زیب تن کی اور ذرا دیر سکوت کرنے کے بعد اس نے پھر دستک دی۔ قاعدۂ اوّل کے مطابق دوسری لونڈی حاضر ہوئی۔ اس نے بھی عود بجانا شروع کیا۔ ان مہمانوں نے جب دیکھا کہ خلیفہ محوِ سماع ہے تو آپس میں آہستہ آہستہ اس طرح گفتگو کی:-

مالک: یہاں تو سامانِ خلافت پورے طور پر مہیا ہیں۔
مصاحب: بے شک، آخر یہ کیا معاملہ ہے؟ کچھ آپ نے بھی خیال فرمایا!
مالک: کیا تم نے خلیفہ کے منہ پر کوئی نشان بھی دیکھا ہے؟
مصاحب: جی ہاں، میں عرصے سے اس پر غور کر رہا ہوں۔
اس قدر گفتگو ہوئی تھی کہ خلیفہ متوجہ ہو گیا اور پوچھا کہ کیا سرگوشیاں ہیں؟

مصاحب نے جواب دیا کہ ہمارا مالک آپ کی اس وقت کی فیاضیوں سے بار بار ذکر کر رہا ہے۔ کیونکہ ہر ہر کنیز کے ردو بدل میں حضور نے چار جوڑے قیمتی جن میں سے ہر ایک پانچ سو دینار سے کم نہ ہو گا، خادموں کو چاک کر کے دے دیے۔ اس کے بعد مصاحب نے خلیفہ کا خیال تبدیل کرنے کی غرض سے برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

ترجمہ: سخاوت نے تیری ہتھیلی کے بیچوں بیچ گھر بنایا ہے۔
اس لیے تیرا مال تمام لوگوں کے لیے مباح ہے۔
سخاوت کسی دن اگر اپنے دروازے بند کر دے۔

تو آس کے قفل کی کنجی ہے -

خلیفہ ان اشعار کو سن کر بہت محظوظ ہوا اور فوراً حکم دیا کہ ایک ہزار دینار مع خلعت سے دیا جائے - اس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا - اور جب بیخودی کی کیفیت طاری ہوئی تو پھر ان مہمانوں میں سرگوشیاں شروع ہوئیں -

مالک : مجھ کو خلیفہ کی پیشانی پر ایک نشان نظر آتا ہے ، میری نظر تو غلطی نہیں کرتی -

مصاحب : بجا ارشاد ہوا ، مجھے بھی نظر آرہا ہے -

مالک : تو کیا اس کی نسبت دریافت کریں ؟

مصاحب : حضور موقع نہیں ہے ، ذرا صبر کیجئے !

مالک (غصہ سے) مجھے قسم ہے تربتِ عباس کی کہ جب تک اس کا حال معلوم نہ کر لوں گا اس وقت تک کچھ بھی تسکین نہ ہو گی -

تربتِ عباس کا لفظ اس زور سے نکلا کہ خلیفہ چونک پڑا - اور اس نے مصاحب کی طرف دیکھ کر کسی قدر خوفزدہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے ؟ اس نے کہا کہ بس معمولی باتیں ہیں - مگر میرے مالک کا ایک سوال ہے ، خدا کے لیے اس کا جواب صحیح دیجئے اور وہ یہ ہے کہ آپ کی پیشانی پر جو نشان نظر آتا ہے اس کی وجہ کیا ہے ؟ خلیفہ یہ بات سن کر ساکت ہو گیا - اور دیر تک مصاحب اور اس کے مالک کو پہچاننے کی کوشش کرتا رہا بالآخر خوفزدہ ہو کر رونے لگا - اور اپنا تمام واقعہ فی البدیہہ نظم میں بیان کرنے لگا اور اس سلسلے میں ڈرتے ڈرتے یہ بھی بیان کیا -

ترجمہ : میرا دل کہتا ہے کہ اس مجمع میں ہمارا سردار ہے ،

جو اس زمانہ کا خلیفہ اور پاک نسل سے ہے ،

دوسرا شخص جعفر وزیر ہے ،

جو وزیر ابن الوزیر کہا جاتا ہے ،

اور تیسرا مسرور ہے جو انتقام کے لیے جلاد ہے ،

سوداگر کی یہ بات صحیح نکلی ،

تو بہر حال جو میں چاہتا تھا وہ مل گیا۔
اور دل کی خوشی ہر طرف سے آپہنچی ہے۔

اگرچہ اس نے اپنے اشعار میں ظاہر کیا کہ میں نے اپنے تینوں مہمانوں کو پہچان لیا ہے۔ تاہم مصاحب نے اس کے اس خیال کی تردید کی اور چاہا کہ اس سلسلہ تقریر کو بھی ٹال دے مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ یہ حضرت جو آپ کے مالک ہیں میں نے ان کو پہچان لیا ہے واللہ یہ ہارون الرشید ہمارے امیر المومنین ہیں اور آپ ان کے وزیر جعفر ہیں اور تیسرے صاحب مسرور ہیں۔ لہذا میں پہلے اپنی جان بخشی چاہتا ہوں کہ حضور کے لقب کے طفیل میں دریا کی سیر کرتا ہوں اور اس کے بعد اپنا عرض حال کرتا ہوں۔ امیر المومنین اصلی نام میرا علی ہے۔ محمد جوہری کا لڑکا ہوں، میرا باپ مشہور سوداگر تھا۔ جب اس کا انتقال ہوا، تو دولت کثیر میرے ہاتھ آئی۔ امیرانہ زندگی بسر کرتا تھا، ایک دن دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک عورت خچر پر سوار میری دکان پر آئی، تین خوبصورت کنیزیں اس کے ہمراہ تھیں۔ مجھ سے پوچھا کہ علی بن محمد جوہری آپ ہیں؟

میں نے عرض کیا کہ ہاں آپ کا غلام موجود ہے۔

پھر کہا کہ میرے لائق اعلیٰ درجے کی موتیوں کی لڑیاں ہیں؟

میں نے کہا جو کچھ موجود ہے پیش کرتا ہوں۔ اگر ان میں سے کوئی پسند خاطر ہو تو زہے نصیب۔ چنانچہ سو لڑیاں میں نے پیش کیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی پسند نہ آئی اور سب سے عمدہ موتی پیش کرنے کا حکم دیا۔ تب میں نے ایک چھوٹی لڑی جو میرے والد نے ایک لاکھ کو خرید کی تھی پیش کی اور عرض کیا کہ یہ وہ قیمتی سلک جس کی نظیر بہ مشکل بادشاہوں کے یہاں ہوگی۔

چنانچہ وہ لڑی دیکھ کر پھڑک اٹھی اور کہا کہ مجھے مدت سے ایسے ہی موتیوں کی آرزو تھی۔

پسند آنے پر نرخ پوچھا، میں نے خرید کے دام عرض کر دیے، قیمت سن کر جواب دیا کہ لاگت پر پانچ ہزار دینار نفع کے دیے جائیں گے۔ ایک خوبصورت کنیز اس کے علاوہ۔

میں نے عرض کیا کہ یہ لڑکی اور اس کا مالک حضور ہیں موجود ہیں، موتی بھی آپ کے ہیں اور یہ خادم بھی آپ کا غلام ہے۔

میری بات سن کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ نفع تو تم کو ضرور ملنا چاہیے۔ پھر چلتے وقت خدا کی قسم دے کر کہا کہ قیمت لینے مکان پر ضرور آنا۔ چنانچہ میں اسی وقت دکان کو قفل لگا کر ساتھ ہو لیا۔ تھوڑی دور چل کر ایک عالی شان عمارت کے دروازہ پر پہنچا۔

سبحان اللہ! کیا کہنا، نہایت رفیع الشان عمارت تھی۔ صدر دروازہ پر یہ طغریٰ لکھا تھا:

ترجمہ: اے گھر تیرے اندر غم نہ آئے،
اور تیرے مالک کے ساتھ زمانہ بے وفائی نہ کرے،
تو مہمانوں کے لیے اچھا گھر ہے،
جبکہ مہمانوں کو کہیں گھر نہ ملتا ہو،

دروازہ پر چند لمحے ٹھہرنا پڑا۔ پھر ایک کنیز محل کے اندر لے گئی کہ چلیے قیمت لے لیجئے۔ چنانچہ ایوان میں ایک طرف میرے واسطے کرسی بچھا دی گئی۔ اس کے قریب ایک طرف حریر سرخ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور چاندی کی کرسی پر وہ بی بی بیٹھی ہوئی تھی، گلے میں وہی موتیوں کا مالا تھا جو ابھی ابھی مجھ سے خریدا تھا۔ مجھے دیکھ کر کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا کہ نورالدین! میں چاہتی ہوں تم میرے پاس رہو اور سلسلۂ کلام ایسا چھیڑا جس کے ہر ہر لفظ سے محبت کی بو آتی تھی، پھر مجھ سے کہا کہ میں اس شہر میں گمنام ہو کر رہتی ہوں، میرے نام سے کوئی واقف نہیں ہے، حلف اٹھاؤ اور خدا کی قسم کھاؤ تب میں اپنا راز ظاہر کروں گی۔ چنانچہ میں نے قسم کھائی۔ تب کہا کہ میں یحییٰ برمکی کی بیٹی ہوں، جعفر میرا بھائی ہے۔ میرا نام دینا ہے میں نے اس سے خاندان کا نام سنا تو مجھے کسی قدر تسکین ہوئی اور بطور معذرت کے عرض کیا کہ میرا گناہ معاف فرمائیے صرف طمع زر مجھے یہاں تک لائی ہے۔

دینا نے کہا: "کچھ مضائقہ نہیں، کچھ نہ کچھ احسان کرنا چاہیے، میں خود مختار ہوں۔ ابھی قاضی کو بلاتی ہوں، چنانچہ دو شاہد طلب کیے گئے پھر قاضی سے کہا کہ میں اپنا عقد

نورالدین علی سے کرنا چاہتی ہوں، آپ نکاح پڑھا دیں۔ چنانچہ قاضی نے ایجاب وقبول کرا کے نکاح کا خطبہ پڑھا اور دینِ مہر میں وہی موتیوں کی لڑی سامنے رکھ دی، بعد نکاح کے ہر طرف خوشی و مبارک باد کے ترانے گائے جانے لگے۔ لحظہ بہ لحظہ خوبصورت کنیزیں عود وغیرہ بجاتی تھیں اور عمدہ راگنیاں سناتی تھیں۔ صرف ایک شعر ان میں کا اب یاد رہ گیا ہے۔

ترجمہ: میرے اشتیاق کا موسیٰ تمہارے خوشی کے طور پر ہے،
جب تیرا حُسن اس کو غم دیتا ہے تو وہ تجھ سے چھپ کر باتیں کرتا ہے۔

جب دس لونڈیاں باری باری عود بجا چکیں تو پھر دینا نے عود بجانا شروع کیا اور حسبِ حال کچھ شعر پڑھے جس میں اپنی محبت اور میری خوبصورتی کا ذکر تھا۔ جب میں نے اپنی بی بی سے اشعار سنے تو بے ساختہ ہو کر اس سے عود لے لیا اور میں نے عود کے ساتھ کچھ گنگنانا شروع کیا۔ چار بیت اس وقت بھی یاد ہیں۔

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے تمام حُسن تجھ کو عطا کیا،
یہاں تک کہ تیرے گرفتاروں میں میں بھی شامل ہو گیا،
اپنی آنکھوں کے جادو سے خلائق کو گرفتار کرنے والے،
پانی اور آگ دونوں تیرے چہرے میں یکجا ہیں،
اور گلاب ایک گھاس ہے جو تیرے گالوں میں اُگی ہے،
تو میرے دل کی جلن بھی ہے اور نعمت بھی،
تو میرے دل میں بے انتہا تلخ ہے اور بے انتہا شیریں۔

اس کے بعد ہم خواب گاہ کے کمرے میں جو پہلے سے آراستہ تھا چلے گئے اور سو رہے، غرض کہ ایک مہینہ اسی طرح عیش و عشرت میں گزر گیا۔ عزیز و اقارب، دکان، مکان سب دل سے محو ہو گئے اور آج تک وہی بے خودی کی حالت ہے۔

ایک دن دینا نے حمام کا قصد کیا اور مجھے قسم دے کر رخصت ہوئی کہ جب تک میں واپس نہ آؤں خبردار قدم باہر نہ نکالنا، جب میں نے اقرار کر لیا تب وہ باہر نکلی، چند ہی قدم چلے ہوں گے کہ دروازہ سے ایک کہن سال عورت محل کے اندر آئی اور مجھ سے کہا

کہ بیٹا تجھ کو زبیدہ خاتون نے یاد کیا ہے، میں نے معذرت کی کہ اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکتا، قسم کھا چکا ہوں، لیکن بڑھیا نے نہ مانا اور کہا کہ

بمقابلہ زبیدہ خاتون کی ناراضی کے کفارہ یمین سہل ہے۔ غرض کہ مجبوراً میں اس کے ساتھ ہولیا۔

جب زبیدہ کے حضور میں پہنچا تب مجھے دیکھ کر فرمایا کہ نورالدین تم ہی دینا کے معشوق ہو؟

میں نے عرض کیا کہ حضور کا فرمانبردار غلام ہوں۔

تب زبیدہ خاتون نے ارشاد کیا کہ تمہارے حسن و جمال کی جیسی میں نے تعریف سنی تھی ویسا ہی پاتی ہوں۔ مجھے کوئی چیز سناؤ۔ کیونکہ تم عود خوب بجاتے ہو۔

میں نے حکم کی تعمیل کی، میری عود نوازی سے حضرت زبیدہ بہت خوش ہوئیں۔ رخصت کے وقت دعا دی کہ خدا تیرے قد و قامت اور خوبصورتی کو نظر بد سے بچائے۔ اور مجھے حکم دیا کہ دینا کے آنے سے قبل مکان پر پہنچ جائے۔

بڑھیا جو مکان سے مجھ کو لے آئی تھی گھر تک پہنچا آئی، لیکن میرے آنے سے پہلے دینا آ چکی تھی۔ میں نے چاہا کہ تخت پر جاکر بیٹھ جاؤں، وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ دینا تخت پر سو رہی ہے، میں بھی اس کے قدموں میں برابر جاکر بیٹھ گیا۔ جب اس نے مجھے بیٹھے دیکھا تو اس نے پاؤں سمیٹ لیے اور ایک ایسی لات ماری کہ عرش (تخت) سے فرش پر جا پڑا۔ اور خفا ہوکر بولی کہ نورالدین تو نے قسم توڑ ڈالی اور مجھ سے جھوٹ بولا اور زبیدہ کے مکان پر پہنچا۔ خدا گواہ ہے، اگر مجھے اپنی رسوائی کا خیال نہ ہوتا تو قصر زبیدہ کو اس کے سر پہ ڈھا دیتی۔''

پھر اپنے غلام کو جس کا نام صواب تھا بلایا اور حکم دیا کہ اس جھوٹے کمینے کی گردن اڑا دے، اب مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

صواب نے میری مشکیں کس لیں اور آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ چاہتا تھا کہ قتل کرے اتنے میں محل کی سب چھوٹی بڑی لونڈیاں میری سفارش کرنے لگیں اور دینا سے بمنت عرض کیا کہ حضور نورالدین کا یہ پہلا گناہ ہے، سرکار کے مزاج سے یہ کچھ بھی واقف نہ تھا۔

اور آخر اس کا قصور ہی کیا ہے کہ قتل کیا جا رہا ہے چنانچہ کنیزوں کی سفارش سے اس کا جنون کم ہوا اور میرے قتل سے باز آ گئی لیکن بولی کہ کوئی نشان تو ضرور ہونا چاہیے جو یہ بھی یاد رکھے چنانچہ پھر مجھ کو داغا، نشانات اسی کے ہیں اور گھر سے باہر نکال دیا۔

میں دینا کے گھر سے اس رسوائی کے ساتھ نکلا کہ اپنے اوپر ملامت کرتا تھا، مشکل آہستہ آہستہ چل کر گھر پہنچا اور علاج شروع کیا۔ چند روز میں آرام ہو گیا تو دکان کی فہم ہوئی اثاث البیت کو فروخت کر ڈالا، زرِ ثمن سے چار سو غلام خرید کیے اور تفریح کے لیے یہ کشتی خرید کی جس میں بیٹھ کر روزانہ سیر کرتا ہوں اور اپنا نام خلیفہ رکھا ہے اور اس حال میں ایک سال ہو گیا ہے۔ پھر اپنی معشوقہ کو یاد کر کے رونے لگا۔ ہارون الرشید نے یہ واقعہ سن کر بہت ہی تعجب کیا اور جوان سے اجازت لے کر واپس آ گیا۔

چونکہ نوجوان کی مہمان نوازی سے خلیفہ بہت خوش ہوا تھا اس لیے ارادہ کیا کہ اس مظلوم کا انصاف کیا جائے۔ چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ دربار میں اس نوجوان کو پیش کرو، جعفر نے نہایت اعزاز سے اس نوجوان کو پیش کیا۔

جب خلیفہ کے حضور پیش کیا گیا تو شاہی قاعدے سے سلام کیا اور دیر تک دعائیں دیتا رہا۔

ہارون نے بیٹھنے کی اجازت دی اور کہا کہ نورالدین میں چاہتا ہوں کہ تمہارا افسانہ سنوں کیونکہ وہ عجیب دلکش داستان ہے۔

نوجوان نے عرض کیا کہ امیرالمومنین سے معذرت کا خواستگار ہوں، جب تک عفوِ قصور نہ ہوگا مجھے اطمینان نہ ہوگا۔

چنانچہ ہارون نے اس کا قصور معاف کیا اور امان دی، تب اس نوجوان نے اوّل سے آخر تک دوبارہ اپنا حال سنایا۔ جب ہارون کو یقین ہو گیا کہ واقعی یہ دینا کا بندہ ہے تب نوجوان سے دریافت کیا کہ

اب بھی تم اپنی معشوقہ سے ملنا چاہتے ہو؟

عرض کیا کہ ہاں امیرالمومنین یہی تو احسان کا وقت ہے

چنانچہ جعفر کو حکم دیا کہ فوراً دینا کو حاضر کرے۔ جعفر نے لاکر پیش کر دیا۔ تب ہارون نے دینا سے پوچھا کہ اس نوجوان کو پہچانتی ہو؟

جواب دیا کہ امیرالمومنین کیا عورتیں بھی مردوں کو پہچانتی ہیں :

یہ جواب سن کر ہارون کو ہنسی آگئی اور کہا کہ میں خوب سن چکا ہوں۔

تب دینا نے عرض کیا کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا، اب میں امیرالمومنین سے معافی کی خواستگار ہوں۔

خلیفہ نے قصور معاف کر کے قاضی کو بلایا اور دوبارہ نورالدین علی کا دینا سے عقد پڑھا دیا۔ چنانچہ نورالدین کی بقیہ زندگی ہارون کی مصاحبت میں نہایت عیش و عشرت سے گزری۔

ماخذ

البرامکہ ، اعلام الناس

الف لیلہ کا ہارون رشید

الف لیلہ عربی زبان میں ایک زندۂ جاوید کتاب ہے۔ دُنیا کی کوئی ایسی زبان نہیں جس میں اس کا ترجمہ نہ ہو چکا ہو اور اسے شوق سے نہ لیا گیا ہو اور شوق کی آنکھوں سے نہ پڑھا گیا ہو، اس کتاب میں خلفاءِ اسلام کی زندگی کے بعض بڑے دلچسپ پہلو پیش کیے گئے ہیں، وہ اتنے دلچسپ ہیں کہ انہوں نے شہرتِ عام اور بقائے دوام کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ الف لیلہ کی کہانیاں بچے بچے کی زبان پر ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ نہایت دلچسپ اور سبق آموز بھی ہیں۔

الف لیلہ میں ہارون رشید کے متعلق بھی کئی دلچسپ حکایتیں موجود ہیں۔ ان میں سب سے مختصر اور بے حد دلچسپ حکایت ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

عہدِ دولت ہارون الرشید بادشاہ بغداد میں علی خواجہ نامی سوداگر ساکنِ بغداد تھا۔ پیشہ تجارت میں بسر اوقات کرتا تھا۔ باوجود اطمینان و فارغ البالی حسرتِ زن و فرزند میں مرتا تھا۔ سچ یہ ہے کہ تنہائی کی زیست موت سے بدتر ہے۔

اس تاجر نے تین شب متواتر خواب میں دیکھا کہ کوئی بزرگ اس سے کہتا ہے، اے شخص حج تجھ پر فرض ہے تو کیوں نہیں قصدِ بیت اللہ شریف نہیں کرتا۔ اس راہ میں کیوں قدم نہیں دھرتا۔ جلد خانۂ کعبہ کو روانہ ہو، خبردار اس میں توقف ذرا نہ ہو۔

یہ خواب دیکھ کر خوف اس کے دل پر طاری ہوا اور اس پیرِ مرد ستودہ صفات نے کچھ

ایسی تاثیر اس کے دل پر کی کہ اپنا سب اسباب تجارت بیچ کر سفرِ بیت اللہ کی تدبیر کی۔ اپنے مکان میں ایک کرایہ دار کو رکھ کے ہمراہ ایک قافلہ کے جو مکہ کو جاتا تھا روانہ ہوا۔ اور قبل جانے کے اس نے ایک ہزار اشرفی جو زادِ راہ سے بچی تھیں ایک ٹھلیا میں رکھ کر اور اس میں روغن زیتون بھر کر مُنہ اس کا اچھی طرح بند کیا، اور ایک سوداگر کے پاس جو اس کا بڑا شفیق و غمخوار تھا، صاحب اعتبار تھا، اس گھڑے کو لے گیا۔ کہا، میں عازم خانۂ خدا ہوں، تجھ کو اپنا شفیق جانتا ہوں، میری واپسی تک یہ ٹھلیا روغن زیتون کی اپنے پاس رہنے دیجیے، جب مع الخیر واپس آؤں گا لے لوں گا۔

اس سوداگر نے کنجی اپنے گودام کی علی خواجہ کو دے کر کہا کہ تم آپ گودام کھول کر جس مقام پر چاہو رکھ دو۔ حج سے واپس آکر اپنی امانت بجنسہٖ لے لینا۔

علی خواجہ نے اس ٹھلیا کو ایک حجرہ میں رکھ کے اس کو مقفل کر دیا اور کنجی اس کی اس سوداگر کے سپرد کر دی، اور اپنا مالِ تجارت ایک اونٹ پر بار کر کے اس پر سوار ہوا اور قافلہ کے ساتھ روانہ ہوا۔ بعد طے مراحل و قطع منازل جب مکہ معظمہ پہنچا اور مناسکِ حج سے فرصت پائی تو اسباب تجارت جو اس کے پاس تھا نکال کر بیچنا شروع کیا۔

اتفاقاً دو سوداگر سیر کرتے ہوئے اور پسند کر کے آپس میں کہنے لگے۔ کہ اگر یہ تاجر اس متاعِ نادر کو قاہرہ دارالسلطنت مصر میں لے جا کر فروخت کرے تو نفع کثیر ہاتھ آئے۔

علی خواجہ مدت سے ملکِ مصر دیکھنے کا مشتاق تھا۔ یہ بات سن کر زیادہ تر اشتیاق بڑھا اور بغداد جانے کا ارادہ ملتوی کر کے مصر کا عزم مصمم کیا اور ایک مصری قافلے کے ساتھ چل نکلا۔ جب وہاں پہنچا۔ اس ملک کی سیر سے دل نہایت مسرور ہوا۔ شہر کو بارونق دیکھا اور وہاں کے باشندوں سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوا۔ مال جو عمدہ دکھایا سب کو پسند آیا۔ بڑی قیمت سے بیچا، فائدہ بہت اٹھایا اور اسباب خرید کر کے دمشق جانے کا ارادہ کیا۔ ایک ماہ تک قاہرہ میں رہ کر سیرِ اہرام کی، جو کنارے دریائے نیل کے کئی منزلوں سے نظر آتے ہیں۔ اور شہروں کو جو کنارے دریائے نیل کے آباد ہیں دیکھ کر لطف مزید حاصل کیا۔ پھر وہاں سے دمشق کی جانب روانہ ہوا۔ راہ میں رود سلیم اور اس کی مسجد کی جو نشانِ اسلام

نے تعمیر کی تھی زیارت کی، اور شہر دمشق میں داخل ہو کر اس کو نہایت آراستہ اور آباد پایا چشمے بکثرت، زراعت و باغات شگفتہ اور بازار دیکھے نہایت محظوظ ہوا اور بغداد کو بھول گیا۔ رُوح میں بالیدگی ہوئی، جان میں جان آئی۔ سبزہ و گل کے نظارہ سے تازگی پائی۔ چوک کی خوب سیر کی، لطف اٹھایا، بازاروں میں گشت کی، چکر کھائے، چند دن اس شہر میں قیام کیا، پھر وہاں سے حلب اور موصل و شیراز کا راستہ لیا۔ عمائد کی ملاقات سے محظوظ ہوا۔ اسی طرح جا بجا پھرتا اور امصار و بلاد کی سیر کرتا سات برس کے بعد بغداد میں داخل ہوا۔ اعزا و احباب کی ملاقات سے دل کو سرور حاصل ہوا۔

حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر !

اب ذکر اس بے ایمان امانت دار کا سنیے۔ سات برس تک نہ اس کو علی خواجہ یاد آیا نہ اس گھڑے کو دیکھا۔ جس روز علی خواجہ اس شہر میں داخل ہوا اسی شب کو وہ اپنی عورت کے ساتھ کھانا کھاتا تھا۔ عورت نے کہا مدت تک سے روغن زیتون ہم نے کھایا نہیں بلکہ نظر بھی نہیں آیا، سوداگر کو علی خواجہ کا قصہ یاد آیا، بی بی سے کہا، میرا ایک دوست کعبہ شریف گیا ہے۔ اس کا گھڑا روغنِ زیتون کا میرے پاس امانت ہے۔ ایک پیالہ اور روشنی مجھے دو، میں کوٹھڑی سے نکال کر لاؤں۔ وہ نیک بخت بہت امین تھی اور انجام بین تھی۔ بولی امانت میں خیانت کرنا بہت بُرا ہے۔ انجام اس کا ذلت و خفت کے سوا کیا ہے؟ اگر وہ آئے اور اپنی امانت طلب کرے اور نہ پائے تو پھر کیا ہو، رسوائی حد سے سوا ہے۔

وہ بولا سات برس گزرے اس کا پتہ ہے نہ ٹھکانہ، کیسا آنا جانا ہے؟ عورت نے ہرچند سمجھایا، اس کی سرشت میں بے ایمانی تھی، بالکل سمجھانے میں نہ آیا۔ روشنی اور پیالہ لے کر کوٹھڑی کو کھولا، گھڑے کو ٹٹولا، طولِ مدت کے باعث وہ تیل سڑ کر متعفن و خراب ہو گیا تھا۔ ایسی بدبو اس میں آتی تھی کہ ناک نہ دی جاتی تھی، مگر اس لئیم نے گھڑا کھول کر تیل پیالے میں انڈیلا۔ قضا کار ایک اشرفی بھی تیل کے ساتھ نکل آئی۔ پھر اس نے بے تکلف سب تیل نکال کر اشرفیاں چنیں، اپنے کھیسے میں بھریں۔ دوسری کوٹھڑی میں بہت ہوشیاری سے رکھ دیں، بُرے کام کا بُرا ہی نتیجہ ہوتا ہے، کیسا ہی نیک ہو بدنام ہوتا ہے۔ تیل وہ سڑ گیا شیطان

کا اس پر سایہ پڑ گیا۔ اشرفیاں نکال کر اور تازہ تیل منگا کر گھڑے میں بھر دیا۔ منہ باندھ کے اسی طرح دھر دیا۔ اتفاقاتِ زمانہ جس شب کو یہ حرکت ہوئی دمِ سحر بعد نماز علی خواجہ اس کے مکان پر آیا۔ بعد ذوق شوق امانت طلب کی، اس نے کنجی سامنے پھینک دی کہ جہاں رکھ گئے ہو وہاں سے لے جاؤ۔

علی خواجہ نے کوٹھڑی کو کھولا، جہاں گھڑا رکھ گیا تھا وہیں پایا۔ اپنے مکان پر اٹھا لایا، یہاں کھول کے جو دیکھا تو تیل موجود ہے مگر اشرفیوں کا نشان مفقود ہے۔ علی خواجہ اُلٹے پاؤں اس کے پاس واپس آیا، کُل حال سنایا۔

وہ بولا سبحان اللہ! خوب کعبے گئے تھے، حاجی ہو کے نہ آتے نہ ایسا بہتان لگاتے۔ خوب حج کرکے آئے گویا آسمان پر چڑھ آتے۔ بے ایمانی دو چند ہوئی، زیارت کچھ نہ سود مند ہوئی۔ یہ تو بتائیے کہ مجھ کو تیل دے گئے تھے یا اشرفیوں کا کچھ ذکر کیا تھا؟ اچھا اُلٹا دھرا باندھا۔

علی خواجہ نے بہ منت کہا کہ میری تمام عمر کی کمائی ہے جس پہ یہ آفت آئی ہے۔ اگر عندالضرورت صرف ہو گئی ہوں تو بتدریج دے دینا، انکار تو نہ کرو۔ عاقبت کے مواخذہ سے ڈرو۔

ہر چند اس تاجر حاجی نے بہت کچھ شور و غل مچایا۔ تمام اہلِ محلہ کو یہ سانحہ سنایا، مگر اس پاجی نے دم نہ مارا، اُلٹا اسی کو بے ایمان بنایا۔

غرض یہ خبر چار سو مشتہر ہوئی۔ ہر کس و ناکس کو خبر ہوئی۔ آخر قاضی تک نوبت آئی۔ اس نے گواہ طلب کیے۔ علی خواجہ نے کہا، مجھ کو اس کا بڑا اعتبار تھا، برسوں کا یار تھا۔

اس وقت قاضی نے اس دغاباز کو قسم کھانے کو کہا، وہ حرام خور بے تکلف قسم کھا گیا۔ قاضی نے مقدمہ خارج کر دیا، مدعی کو جواب دے دیا۔

بادشاہِ بغداد ہارون الرشید نیک نہاد تھا، نمازِ جمعہ کو وہ سوار ہوا، علی خواجہ نے راہ میں عرضداشت گزرانی۔ بعد ملاحظہ حکم ہوا صبح کو مدعی مدعا علیہ دونوں درِ دولت پر حاضر ہوں۔ ہم بذاتِ خود اس کا فیصلہ کریں گے۔ شب کو موافق معمول لباس تبدیل کرکے شہر کا حال دریافت کرنے جو نکلا ایک محلہ میں دس بارہ لڑکے چاندنی میں کھیل رہے تھے خلیفہ ہارون رشید

ٹھہر گیا۔ ایک لڑکا ان میں خوبصورت اور ہوشیار تھا، وہ کہنے لگا کہ ہم تم مل کر قاضی کی نقل کریں۔ میں قاضی بنتا ہوں تم کسی کو علی خواجہ اور کسی کو تاجر بغدادی بنا کے ہزار اشرفی دعویٰ کرو۔ میں اس قضیے کا فیصلہ کروں گا، جھگڑا چکا دوں گا، سرمو کسی کی رعایت نہ کروں گا۔

خلیفہ نام علی خواجہ تاجر بغدادی کا سن کے متحیر ہوا۔ کہ کل اسی مضمون کی عرضی راہ میں کسی نے گزرانی ہے اور میں نے اس کو پڑھا ہے۔ متخاصمین کا یہی نام ہے۔ دیکھو اس مقدمہ کے فیصلہ میں اس لڑکے کی تجویز کا کیا انجام ہے۔

غرض کہ خلیفہ مشتاق ہو کر لڑکوں کی نقل دیکھنے لگا۔ اور اپنے دل میں تصور کرتا تھا کہ یہ مقدمہ شہر میں اس درجہ مشتہر ہوا ہے کہ بچے تک لہو و لعب میں اس کی نقل کرتے ہیں۔ بہر کیف ان اطفال میں سے ایک کو علی خواجہ مدعی اور دوسرے کو تاجر بغدادی مدعا علیہ قرار دے کر روبرو اس لڑکے کے جو قاضی بنا تھا اور بڑی عظمت و شان سے مسندِ قضا پر تن کے بیٹھا تھا۔ پیش کیا۔ اس مصنوعی قاضی نے فرضی علی خواجہ سے پوچھا۔

تو کیا دعویٰ اس سوداگر پر رکھتا ہے؟

علی خواجہ نے بہ تفصیل اپنے دعوے کو بیان کیا۔ مصنوعی قاضی نے دعویٰ مدعی کا سن کے اس سوداگر سے پوچھا کہ تو نے اس کی اشرفیاں کیا نہیں دیں؟

اس فرضی تاجر نے وہی جواب دیا جو اصل سوداگر نے قاضی شہر کے سامنے بیان کیا تھا اور حلف اٹھانے پر مستعد ہوا۔

جعلی قاضی نے کہا، قبل اس کے کہ تم حلف اٹھاؤ میں اس برتن کو دیکھنا چاہتا ہوں، جس میں مدعی نے روغنِ زیتون بھر کے تیرے گھر میں رکھا تھا۔ پھر علی خواجہ مصنوعی سے کہا جلد اس ٹھلیا کو حاضر کر۔

علی خواجہ مصنوعی نے وہ گھڑا پیش کیا۔ اس فرضی قاضی نے بہ تکرار دونوں متخاصمین سے تصدیق کی کہ تم خوب پہچانتے ہو یہ وہی ٹھلیا ہے جس کو مدعی مدعا علیہ کے گھر رکھا گیا تھا۔ ان دونوں نے اقبال کیا کہ بے شک یہ وہی سبوچہ ہے۔

پھر قاضی نے اسے کھلوایا اور کہا۔ ذرا سا روغن میرے پاس لاؤ، تاکہ ذائقہ دریافت

کردوں کہ امتدادِ زمانہ سے مزے میں فرق آگیا ہے یا متعفن ہوگیا ہے۔ غرض کہ فرضی قاضی نے قدرے روغن زبان پر رکھا۔ کہنے لگا یہ نیا ما ہوا ہے۔ سات برس کا زمانہ گزرا تیل کا ذائقہ نہیں بدلا۔ کوئی حاضر ہے۔ دو روغن فروشوں کو بازار سے لاؤ۔ انہیں میں کے دو لٹکے روغن فروشوں بن کر سامنے آئے اور مودب ہوکر تسلیم بجالائے۔

قاضی نے پوچھا تم کیا پیشہ اختیار کرتے ہو؟

انہوں نے کہا ہم خرید و فروخت روغنِ زیتون کی کیا کرتے ہیں۔ قدیم سے ہمارا یہی روزگار ہے

پھر سوال کیا کہ روغنِ زیت کتنی مدت تک اچھا رہتا ہے اور بدذائقہ نہیں ہوتا؟

مصنوعی روغن فروش بولے، پیرومرشد کیسی ہی احتیاط سے رکھا جائے تین سال کے بعد اس کے رنگ و بو میں فرق آجاتا ہے، بوند بھر زبان پر نہیں رکھا جاتا بلکہ پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر مصنوعی قاضی نے حکم دیا کہ اس ٹھلیا میں جو روغن ہے اس کو چکھ کر تجویز کرو کہ کتنی مدت کا ہے اور کیسا مزا ہے اس کا؟

فرضی روغن فروشوں نے جھوٹ موٹ اس ٹھلیا میں روغنِ زیت نکال کے دیکھا اور دیکھ کر کہا خداوند نعمت یہ تیل تازہ ہے، انتہا یہ کہ سال بھر گزرا ہوگا، قاضی نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو علی خواجہ کو سات برس ہوگئے کہ اس روغن کو اسی ٹھلیا میں رکھ کر حجِ کعبہ کو گیا تھا، فرضی روغن فروشوں نے کہا:

حضور جو چاہیں فرمائیں مگر یہ روغن ایک برس سے زیادہ کا ہرگز نہیں، اسی سال کا نیا ہے کوئی تاجر بغداد میں نہیں کہ جو اس بات کو جانتا ہو، چنانچہ اس تاجر نے بھی جو مدعا علیہ بنا تھا اس روغن کو سونگھ کر اور زبان پر رکھ کر اس امر کا اقرار کیا۔ تب فرضی تاجر سے کہنے لگا:

اے ملعون! تو سخت دغاباز و مکار اور بڑا جفاکار ہے، تو نے یہ فریب کیسا کیا؟ اگر زیست تجھے درکار ہے تو جو امر درست ہو اس کا اظہار کر، اپنی خطا کا اقرار کر، وگرنہ تجھ کو پھانسی کا سزاوار کروں گا۔ تیرے لہو میں اپنا ہاتھ بھروں گا، جہنم داخل ہوگئے زندہ نہ بچو گے۔ یہ سن کر وہ تھرایا اور ایسا رعب چھایا کہ اس نے اشرفیاں نکال لینے اور تیل بدلنے کا اقرار کیا، عفو کا خواستگار ہوا۔

لڑکے یہ سُن کر تالیاں بجانے لگے، کودنے لگے، اس لڑکے کو جسے سوداگر بغدادی قرار دیا تھا پکڑ کر حوالات میں لے گئے۔

خلیفہ ہارون یہ معاملہ دیکھ کر سخت متحیر ہوا۔ جعفر سے کہا تو نے اس لڑکے ذہن کی رسائی اور طبیعت کی زور آزمائی دیکھی۔ اس لڑکے کو پہچان رکھ اور محلے کا خوب دھیان رکھ، دم سحر تختِ عدالت پر جب جلوہ افروز ہوں گا ان لڑکوں کو بھی میرے سامنے لانا ہوگا۔ علی خواجہ اور تاجر بغدادی کا اسی کی رائے سے قصہ چکانا ہے، اور قاضیِ شہر بھی حاضر ہو کر فیصل کرنا اس بچے سے سیکھے۔ بزرگی بعقل نہ بہ سال، نزا مسند کا گدھا نہ بنا رہے، اور مدعی سے کہلا بھیج کہ کل وہ ٹھلیا بھی اجلاس میں اپنے ہمراہ لیتا آوے۔ اور شہر کے دو چار روغن فروش بھی حاضر رہیں۔ خلیفہ ہارون الرشید یہ سب احکام راہ میں وزیر کو دے کر اپنے محل میں داخل ہوا۔

جب مرغِ سحر نے اذان دی اور نمازیوں نے نمازِ سحر ادا کی، طائرانِ خوش الحان نے حمد و ثناءِ خدائے تعالیٰ میں زبان کھولی۔ اور مسجدوں میں اذان ہونے لگی۔ شہرزاد نے سکوت اختیار کیا۔ بادشاہ ذی جاہ نے قصدِ دربار کیا۔ تمام دن کاروبارِ سلطنت میں مشغول رہا۔ بعد برخاستِ دربار شہریار خلوت میں داخل ہوا۔ شہرزاد کا مطلب حاصل ہوا۔ قصہ خوانی شروع ہوئی۔ شہرزاد نے پہلے مدح خوانی کی پھر یوں طبع آزمائی کی:

صبح کو وزیر جعفر اس محلے میں گیا جہاں نے قاضی کی نقل کی تھی، معلوم ہوا، سب لڑکے اپنے گھر موجود ہیں۔

وزیر نے ان کے باپوں کو بلایا اور کہا اپنے اپنے لڑکوں کو جلد حاضر کرو۔ چنانچہ دم بھر میں سب لڑکے حاضر ہو گئے۔ وزیر نے اُن سے پوچھا کہ تم میں سے کل کس لڑکے نے قاضی بن کر علی خواجہ کا مقدمہ فیصل کیا تھا؟

سب سے بڑے لڑکے نے کہا، میں قاضی بنا تھا۔ وزیر نے کہا کہ میرے ساتھ چل، خلیفہ نے تجھے یاد فرمایا ہے۔ والدین اس لڑکے کے ڈر گئے اور رونے لگے۔ وزیر نے ان کی تسلی کی۔ جب وہ مطمئن ہو گئے تو اس لڑکے کی ماں نے اپنے بیٹے کو عمدہ کپڑے پہنا کر وزیر کے ہمراہ کر دیا۔ وزیر نے خلیفہ کے حضور میں حاضر کیا۔

خلیفہ نے وقتِ اجلاس کے اس لڑکے کو اپنے پاس بٹھالیا۔ جب متخاصمین حاضر ہوئے اور مقدمہ پیش ہوا خلیفہ نے ان سے فرمایا، تم ہر ایک اپنا حال اس لڑکے سے کہو یہی تمہارے مقدمہ کا فیصلہ کرے گا۔ علی خواجہ اور تاجر بغدادی نے اپنا اپنا حال اس لڑکے سے ظاہر کیا اور وہ سوداگر بعد انکار مستعد قسم کھانے پر ہوا۔

اس لڑکے نے کہا، ابھی قسم کا ضروری نہیں پہلے اس مٹلیا کو حاضر کرو، چنانچہ وہ سبو چۂ روغنِ زیتون پیش ہوا۔

خلیفہ نے اس کا مُنہ کھلوا کر روغن کو چکھا اور روغن فروش جو حاضر تھے ان کو بلا کر چکھایا ان سب نے بالاتفاق کہا کہ مزا اس روغن کا بگڑا نہیں، اسی سال کا ہے۔ تب اس لڑکے نے ان سے کہا تم خلاف کہتے ہو اس وجہ سے کہ علی خواجہ نے اس کو سات برس ہوتے ہیں کہ اس ظرف میں بھر کے رکھا ہے۔ ایک برس کا روغن اس میں کہاں سے آگیا ہے؟ روغن فروشوں نے بعینہٖ وہی جواب دیا جو ان فرضی روغن فروشوں نے کھیلنے کے وقت دیا تھا۔ آخر اس سوداگرِ بغدادی نے قائل ہو کر اپنے قصور کا اقرار کیا۔ اس لڑکے نے خلیفہ سے عرض کیا:

خداوند ہم نے کل آپس میں کھیلتے وقت یہ نقل کی تھی، ہم کو مقدور مجرم کے سزا دینے کا نہ تھا۔ یہ مقدمہ آج حضور میں فیصل ہوا۔ اس کو سزا دے کر ہزار اشرفی اس سے علی خواجہ کو دلوا دیجئے کہ اس کا حق ثابت ہوا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اس سوداگر کو پھانسی دو اور اس سے پوچھو کہ ہزار اشرفی علی خواجہ والی کہاں ہے؟ جہاں بتائے وہاں سے نکال کر علی خواجہ کے حوالے کرو۔ اور اس لڑکے کو گلے سے لگا کے ہزار روپیہ مرحمت کیا اور بحفاظت گھر پہنچا دیا۔

ماخذ

الف لیلہ

آغانی کا ہارون رشید

آغانی کا ہارون رشید بھی اتنا ہی سحر طراز ہے جتنا الف لیلہ کا ہارون رشید نظر آتا ہے۔ ہارون کو زندہ جاوید بنانے میں الف لیلہ اور آغانی کا بہت بڑا حصّہ ہے۔ یہ کتاب عربی لٹریچر کا لعل شب چراغ ہے۔ بہ ظاہر یہ داستانوں اور روایتوں کا مجموعہ ہے۔ لیکن حقیقتاً اموی اور عباسی عہدِ حکومت کے صفحات کی تصویر گویا ہے۔ آغانی عربی زبان میں کلاسیک کی حیثیت رکھتی ہے، جب تک عربی زبان زندہ ہے یہ کتاب بھی زندہ رہے گی۔ عربی ادب اور لٹریچر سے دلچسپی رکھنے والا کوئی شخص آغانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

ذیل میں آغانی کے ہارون کا تعارف آغانی ہی کی روایتوں سے کرایا جاتا ہے۔ صرف چند روایتیں بھی ہارون کو، اس کے عہد کو اور اس عہد کی بھرپور زندگی کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں۔

(۱)

ابراہیم موصلی اور ہارون

حماد بن اسحاق اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خلیفہ ہارون رشید نے میرے دادا سے ایک کنیز خریدی جس کی قیمت ۳۶ ہزار دینار تھی۔ کنیز خلیفہ کے پاس ایک رات رہی۔ ہارون نے فضل بن ربیع کو حسبِ ذیل خط لکھا:

"ہم نے یہ کنیز ابراہیم سے خریدی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ کنیز ویسی نہیں
جیسا ہمیں گمان تھا، نہ ہمارے مذاق کے مطابق ہے، اس کی قیمت میرے
اوپر گراں گزر رہی ہے۔ تمہارے اور ابراہیم کے درمیان دوستی ہے، تم ذرا
اس کے پاس چلے جاؤ اور اسے آمادہ کرو کہ چھ ہزار دینار کم کر دے۔"
فضل یہ حکم پاتے ہی ابراہیم کے پاس گیا۔ اندر جانے کی اجازت طلب کی، میرے
دادا فوراً باہر نکل آئے اور گرم جوشی سے ملاقات کی۔ فضل نے کہا۔ اس تکلف کو چھوڑیے
ہمارے آپ کے درمیان کوئی مغائرت تو ہے نہیں۔ میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں،
جو فریب کار ہوتے ہیں، میں تمہارے پاس ایک ایسے کام کے لیے آیا ہوں جس کے بارے
میں مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ پھر فضل نے ابراہیم سے سارا ماجرا کہا۔
ابراہیم نے کہا خلیفہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری نگاہ میں تمہاری کتنی وقعت ہے۔
فضل نے کہا اس کا ارادہ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔
ابراہیم نے کہا میں اپنا سارا مال و متاع مساکین میں تقسیم کر دوں اگر خلیفہ کی فرمائش
کا دوگنا نہ گھٹا دوں۔ اس نے چھ ہزار کہا ہے نا، میں بارہ ہزار گھٹائے دیتا ہوں۔ فضل خلیفہ
کے پاس گیا اور اُسے اس واقعہ کی اطلاع دی۔
خلیفہ نے کہا "میں نے اپنی رعایا میں سے کسی فرد کو اتنا شریف طبیعت نہیں پایا
اُسے یہ سارا مال واپس دے دو۔"
میرے والد نے مجھ سے کہا "میں تمہارے دادا (ابراہیم) کے پاس آیا، میں نے کہا
آپ نے اتنی قیمت گھٹا دی یہ کوئی کم مالیت تو تھی نہیں۔ والد نے میری بات سے تغافل
برتا، پھر کہا، تم ہو بیوقوف، میں لوگوں کی ذہنیتوں کو خوب پہچانتا ہوں۔ خدا کی قسم! اگر میں
ساری قیمت لے لیتا تو اس صورت میں لیتا کہ وہ ناگواری کے ساتھ ادا کرتا اور یہ میرے لیے
بُرا ہوتا اور میری قدر اس کی نگاہ میں گھٹ جاتی۔ لیکن تخفیف کر کے میں نے فضل پر اور
خلیفہ پر احسان کر دیا۔ اس کی طبیعت خوشی ہو گئی، وہ مسرور ہو گیا، اُس کی نظر میں میری
وقعت بڑھ گئی، اور میاں میں پھر بھی نفع میں رہا، یہ کنیز میں نے چالیس ہزار درہم میں

خریدی تھی۔ قیمت لی میں نے چوبیس ہزار دینار"۔

جب ابراہیم کے پاس خزانۂ خلافت سے کنیز کی قیمت آئی تو وہ پوری تھی۔ اس میں کمی نہیں کی گئی تھی، اس نے مجھے بلایا اور کہا:

"کہو میاں اسحاق، دیکھا تم نے، میں دُور اندیش ہوں یا تم، میں نے کہا ابا جان آپ۔ خدا مجھے آپ پر قربان کرے۔"

---

(۲)

شاعر کی سخاوت

ابن مناذر[1] بیان کرتے ہیں کہ خاندانِ برامکہ کو تباہ و برباد کرنے کے بعد خلیفہ ہارون رشید ایک مرتبہ حج کرنے پہنچا، اس کے ساتھ فضل بن ربیع بھی تھا۔ فضل بڑا مہمان نواز اور فضول خرچ آدمی تھا۔ میں نے ارادہ کیا خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے کچھ کہوں۔ ترویہ کے دن میں اس کے حضور میں پہنچا، وہ خود بھی مجھے کئی دفعہ پوچھ چکا تھا۔ قبل اس کے کہ میں لب کشائی کروں فضل نے پیش قدمی کی اور کہا۔

امیرالمومنین یہ برامکہ کا خاص شاعر ہے، اُن کی مدح و تعریف میں اس نے خوب خوب کہا ہے۔ جب میں خلیفہ کے سامنے پہنچا تھا تو میں نے دیکھا تھا اس کے چہرہ سے خوشی ظاہر ہو رہی تھی۔ فضل کی باتیں سُن کر اس کے چہرے پر خشکی دوڑ گئی۔

---

[1] محمد بن مناذر فصیح و بلیغ شاعر گزرا ہے۔ علم لغت کا ماہر تھا اور ابل حیات میں بہت عبادت گزار تھا، ہر وقت مسجد میں پڑا رہتا تھا، جب دیکھئے نوافل پڑھ رہا ہے، پھر زندگی کا رُخ بدل گیا۔ اب لوگوں کی ہجو کرنے لگا، اہل بصرہ پر خوب خوب چوٹیں کیں، آخر وہاں سے نکال دیا گیا پھر حجاز پہنچا، مامون کے عہد میں وفات پائی۔

فضل نے کہا امیر المومنین اسے حکم دیجیے کہ وہ قصیدہ جو "اتانا بنزالاملاک من آل برمک" سے شروع ہوتا ہے، سنائے۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ سناؤ

میں نے انکار کیا

خلیفہ نے برہمی کے ساتھ اصرار کیا، آخر میں نے سنانا شروع کیا:

ہمارے پاس آل برمک کے شہزادے آتے۔ یہ خبر کتنی اچھی ہے

اور یہ منظر کس قدر دلکش ہے۔

یہ لوگ جب بطحا میں وارد ہوتے

تو یحییٰ، فضل بن یحییٰ اور جعفر سے وہ جگمگا اٹھا

بغداد تاریک ہو گیا، ہماری تاریکی روشن ہو گئی۔

جب کہ ان تین چاندوں نے حج کیا۔

یہ اشعار کہہ کر میں نے دست بستہ عرض کیا، یا امیر المومنین آل برمک جب آپ کے رفیق اور خدمت گزار تھے تب میں نے ان کی مدح کی تھی، ان کی مدح و توصیف میں میں منفرد نہیں ہوں، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں مجھے پناہ دی، فکر دنیا سے مجھے بے نیاز کیا، مجھ پر احسانات کیے۔

ہارون نے غلام کو حکم دیا اس کے منہ پر چانٹے لگاؤ۔ میری خوب مرمت کی گئی۔ پھر کہا خدا کی قسم تجھے مزا چکھاؤں گا۔ کسی کی کیا مجال ہے جو تجھے کچھ بھی دے سکے، پھر اس نے گھسیٹوا کر مجھے نکلوا دیا۔

---

(۴)

ہجو کا انعام

ربیعہ رقی نے عباس بن محمد کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا۔ ایسا بہتر قصیدہ اس نے

زندگی میں شاید ہی کسی کے لیے کہا ہو۔ اس کا ایک شعر یہ ہے:

ترجمہ: دُنیا کے شہریار جب کسی شہر میں جمع ہوں تو کیفیت یہ ہوتی ہے کہ وہ گویا ستارے ہیں اور تو ان کے درمیان اس طرح جگمگاتا ہے جیسے چاند۔"

ربیعہ توقع کرتا تھا کہ اسے کم از کم دو ہزار دینار انعام میں ملیں گے، مگر عباس بن محمد نے اس قصیدہ کا صلہ کیا بھیجا؟ صرف دو دینار۔

جب ربیعہ کی نظر ان دو دیناروں پر پڑی تو مارے غصّے کے آگ بگولا ہو گیا۔ اس نے قاصد سے کہا:

یہ دینار تمہیں دیتا ہوں، تم لے لو اور دیکھو اس رقعہ کی پشت پر جو کچھ لکھا ہے وہ کسی طرح عباس تک پہنچا دینا۔ ربیعہ نے رقعہ میں لکھا تھا:

میں نے تیری مدح کی جیسے مرقع تلوار ہوتی ہے تاکہ وہ بھی وہی مقام حاصل کر لے جو میرا ہے لیکن تو ایسا آدمی ہے جو وفا سے نا آشنا ہے، میں نے جو تیری مدح کی وہ غلط تحسین کی وہ افترا تھا، تیری مدح کر کے میں نے اپنے کمال کو بٹہ لگایا۔ تیری مدح میں نے کی گویا زنا کا جرم کیا۔"

عباس کی اس رقعہ پر نظر پڑی، اٹھایا، پڑھا غصّے سے بے قابو ہو گیا۔ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور ہارون رشید کے پاس پہنچا، ہارون اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرے۔ اس نے جو اُسے برافروختہ مزاج دیکھا تو پوچھا:

"کیا بات ہے؟"

ربیعہ نے میری ہجو کی ہے، اس نے جواب دیا۔

فوراً ربیعہ باب خلافت پر طلب کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا: "کیوں نمک حرام تو نے عباس کی ہجو کی جسے میں محبت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔"

ربیعہ نے کہا: خدا کی قسم یا امیر المومنین! میں نے ان کی مدح میں ایک قصیدہ کہا ایسا قصیدہ کہ کسی شاعر نے خلیفہ کی مدح میں بھی نہ کہا ہوگا۔ میں نے ان کی تعریف میں پورے

مبالغے سے کام لیا اور ان کے اوصاف کھول کھول کر بیان کیے۔ اگر امیر المومنین کو یقین نہ ہو تو میرا قصیدہ منگوالیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ خلیفہ نے عباس کو حکم دیا کہ ربیعہ کا قصیدہ منگوا لیا جائے، اس لیے کہ اب اسے بھی قصیدہ دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہو چکا ہے۔

عباس نے آنا کانی کی۔ رشید نے کہا میں تمہیں قسم دیتا ہوں رقعہ فوراً منگاؤ۔

عباس نے محسوس کیا اس نے کتنی بڑی غلطی کی ہے۔ رقعہ منگایا گیا۔ ہارون رشید نے دیکھا تو وہی کچھ پایا جو ربیعہ نے کہا تھا۔ اس نے قصیدہ کی بہت تعریف کی اور کہا:

"خدا کی قسم کسی شاعر نے کسی خلیفہ کی بھی اتنی پرزور مدح نہ کی ہو گی۔ ربیعہ نے اس کے متعلق جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا"، پھر وہ عباس سے مخاطب ہوا۔ تم نے اس کا کیا صلہ دیا؟

ربیعہ نے دخل دیا: امیر المومنین! اس قصیدہ کے صلہ میں انہوں نے مجھے دو دینار بھیجے اسی سے میں برافروختہ ہوا۔

خلیفہ کو یقین نہ آیا۔ اس نے کہا۔ ربیعہ میں تمہیں اپنی زندگی کی قسم دیتا ہوں، سچ سچ بتاؤ۔

ربیعہ نے کہا امیر المومنین کی زندگی کی قسم ان کے دو دیناروں نے مجھے برافروختہ کیا۔

اب رشید کو بہت غصہ آیا۔ اس نے گھور کر عباس کو دیکھا اور کہا۔ کیوں تم نے اسے خفا کیا۔ تمہیں مال کی کمی ہے۔ میں نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے۔ یہ تمہارے چھچھورپن کا نتیجہ ہے جس کے تم خود ذمہ دار ہو۔ تم نے اپنے آباؤ اجداد کو ذلیل، مجھے خفیف اور اپنے تئیں رسوا کیا۔

پھر خلیفہ اپنے غلام سے مخاطب ہوا۔ اسے حکم دیا کہ ربیعہ کو تیس ہزار درہم فوراً دیے جائیں بیش قیمت خلعت بھی دیا جائے۔ پھر رشید نے مجھ سے کہا۔ اب اس واقعہ کا تعریفاً یا تصریحاً کسی طرح کا ذکر نہ کرنا۔

میں یوں نوازا گیا اور عباس کو یہ سزا ملی کہ ان کی نسبت خلیفہ کی صاحبزادی سے ٹوٹ گئی۔ اور وہ خلیفہ کی نظروں سے گر گئے۔

---

(۴)

پہ چوری اور سینہ زوری

حمادؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ خدا کی مخلوق میں محمد الزف فنِ غنا کا بہت بڑا ماہر تھا، جو راگ کسی سے ایک مرتبہ سُن لیتا ازبر کر لیتا۔ جب وہ آ نکلتا ہم لوگ پریشانی میں مبتلا ہو جاتے۔ کوئی شخص ہمارا راگ حاصل کرنا چاہتا تو محمد الزف سے التجا کرتا۔ یہ حضرت ایک دفعہ کسی طرح سن لیتے تو وہ راگ ان کا ہو جاتا۔ اور اسے سکھا دیتے۔ میرے والد کا تو یہ حال تھا کہ انہیں جو انعام یا تحفہ ملتا اس میں وہ محمد کا حصہ ضرور رکھتے تھے۔ اس حسنِ سلوک کے پیشِ نظر ان کے راگ کو وہ ایک مضبوط قلعہ تصور کرتا تھا۔ جس کے قریب بھی وہ نہیں پھٹکتا تھا۔ لیکن ابنِ جامعؒ کی تاک میں وہ ہمیشہ رہتا تھا۔ اس لیے کہ وہ اپنے راگ کے معاملے میں بے حد بخیل تھا۔

ایک روز رشید کو ابن جامع نے اپنا ایک خاص راگ اس شعر پر سنایا۔

ہجر کا معاملہ ہو تو بہادر وصل کا معاملہ ہو تو بزدل، اس کا وعدہ فردا کبھی پورا نہیں ہوتا۔

یہ راگ وہ خوب گایا۔ میں نے محمد کو اشارا کیا کہ یہ راگ نہ پاتے۔

تھوڑی دیر کے بعد نماز کے لیے اُٹھا۔ محمد الزف کو بھی اشارے سے میں نے بلا لیا۔ وہ آ گیا، پھر میں نے مخارق، علویہ اور عقید کو بھی بلایا۔ یہ بھی آ گئے۔ میں نے محمد سے کہا، ابن جامع کا راگ تو سناؤ۔ اس نے اس کا چربہ اتارا، ایسا گویا خود ابن جامع گا رہا ہے وہ برابر گاتا رہا، یہاں تک کہ ہماری پوری ٹکڑی نے سیکھ لیا، اس کے بعد میں پھر مجلس میں آکر بیٹھ گیا۔

جب میرے گانے کی باری آئی، میں نے سب سے پہلے وہی دُھن ابن جامعؒ کا

؎ حماد بن اسحاق موصلی۔

چھیڑی۔ اس نے مجھے تیز نظروں سے دیکھا۔ پھر خلیفہ مجھ سے مخاطب ہوا۔

"کیا تم یہ راگ گا سکتے ہو؟"

میں نے کہا "کیوں نہیں"

ابنِ جامع نے کہا "بالکل جھوٹ، اس نے ابھی ابھی میرے ہی راگ کا چربہ اتارا ہے"

میں نے کہا "اچھا یہ بات ہے"۔

پھر میرے اشارے کے مطابق علویہ، عقید اور مخارق نے بھی وہی راگ گایا۔

اب ابنِ جامع سے نہ رہا گیا۔ وہ اچھل پڑا، خلیفہ کے سامنے پہنچا۔ کہنے لگا۔

"میں اپنی زندگی کی قسم کھاتا ہوں، اگر میں غلط کہتا ہوں تو میری بیوی کو طلاق، یہ راگ صرف تین دن ہوئے میں نے ایجاد کیا ہے۔ اس وقت کے علاوہ کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔"

خلیفہ میری طرف مخاطب ہوا۔

"اچھا اب سچ سچ بتا دو۔"

میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

خلیفہ بے تحاشا ہنسنے لگا، تالیاں بجاتا اور کہتا،

"ہر شخص کسی نہ کسی بلا میں گرفتار ہی رہتا ہے۔ ابن جامع کی بلا محمد الزف ہے۔"

---

(۵)

راگ کی چوری

ایک روز خلیفہ ہارون رشید نے اپنے وزیر جعفر برمکی سے کہا۔ ایک طویل مدت گزر گئی، اپنے مخصوص مغنیوں کا گانا ہم سن رہے ہیں، طبیعت اکتا گئی۔ آؤ ہم لوگ آپس میں چند گویوں کو بانٹ لیں۔ ہر گویے کے مقابلے میں ایک گویا رکھا جائے۔ پھر دیکھیں کون بازی

لے جاتا ہے۔

اس اقرار کے مطابق ابنِ جامع خلیفہ کے حصے میں پڑا۔ اور ابراہیم موصلی جعفر کے پلّے میں۔ دربار کے سربرآوردہ اصحاب ان دونوں کا امتحان کرنے پر مامور ہوئے۔ ہارون نے ابنِ جامع کو حکم دیا۔ اس نے ایک راگ سنایا اور ایسا سنایا کہ ساری مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ رشید بے انتہا خوش ہوا۔ ابراہیم موصلی سے کہا اب تم یہی راگ سنا سکتے ہو؟

ابراہیم بولا: نہیں امیر المومنین میں یہ راگ نہیں جانتا۔

رشید نے جعفر سے کہا۔ یہ پہلی شکست تمہیں ملی۔ پھر اسماعیل بن جامع کو حکم دیا۔ شروع کر۔ اب ابنِ جامع نے دوسرا راگ الاپا۔ یہ پہلے سے بھی کہیں زیادہ برتر اور بہتر تھا۔ رشید نے ابراہیم سے کہا۔ اسے گاؤ گے!

ابراہیم نے معذرت کی۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا، تمہیں دو ہزیمتیں اٹھانا پڑیں۔ ابنِ جامع تیسرا راگ شروع کرو۔

اب پھر ابنِ جامع نے شروع کیا۔ یہ تیسرا راگ پہلے راگوں سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چڑھ کر تھا۔

خلیفہ نے کہا ابراہیم اب کیا کہتے ہو؟

ابراہیم نے پھر معذوری ظاہر کر دی۔

جعفر نے ابراہیم سے کہا، کم بخت تو نے مجھے ذلیل کیا۔

خلیفہ نے ابنِ جامع کو بہت سے انعامات و تحائف عطا کیے، خلعت فاخرہ دیا۔

ابراہیم سرنگوں بیٹھا یہ سرفرازیاں دیکھتا رہا، یہاں تک کہ مجلس برخاست ہو گئی۔

ابراہیم اپنے گھر پہنچا اور اسی وقت آدمی بھیج کر محمد الذف کو بلوایا۔ یہ بھی بہت اچھا گویا تھا۔ اور دوسروں کے راگ تابڑ توڑ نقل کرنے میں اسے کمال حاصل تھا۔ ایک مرتبہ کوئی راگ کسی کا سن لے بس وہ حفظ۔ رشید کسی بات پر اس سے خفا تھا۔ اس لیے اس کو اس کے گھر نظر بند کر دیا تھا۔ ابراہیم نے محمد سے کہا۔ میں نے تمہیں ایک خاص کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ تمہارے سوا کوئی اسے نہیں کر سکتا۔ کہو کیا کہتے ہو؟ کرو گے؟

اس نے کہا آپ کی محبت اور شفقت مجھ سے ہر کام کرالے گی۔ ابراہیم نے اسے سارا ماجرا سنایا۔ اور کہا میں چاہتا ہوں تم اس وقت ابن جامع کے پاس جاؤ اور اس پر ظاہر کرو کہ مجھ پر اس نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس پر مبارکباد دینے آیا ہوں۔ پھر میری خوب برائیاں کرنا۔ جہاں تک ہو سکے گن گن کر میرے عیوب بیان کرنا۔ جب وہ ڈھرّے پر آجائے تو اس کے خاص راگ اس سے سنو۔ انہیں ازبر کر لو پھر جو کچھ مال و دولت مجھ سے چاہو گے میں دوں گا، خلیفہ کو بھی تم سے راضی کرا دوں گا، یہ میرا ذمہ ہے۔

ابراہیم سے پٹی پڑھ کر محمد، ابن جامع کے ہاں روانہ ہوا، وہاں پہنچا، سلام کیا اور کہا مجھے آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا بے حد مسرت ہوئی، مبارکباد دینے حاضر ہوا ہوں۔ خدا کا شکر ہے اس نے آپ کے ہاتھوں ابراہیم کو ذلیل کیا۔ ابن جامع نے کہا۔

"تمہیں یہ خبر مل چکی ہے؟"

"سارے شہر میں پھیل چکی ہے"۔

"ابراہیم تو اب نظروں سے گر گیا ہوگا؟"

"بالکل"

محمد نے بڑے خوشامدانہ لہجے میں کہا: استاد کچھ مجھے بھی سنائیے، میرے کان بھی کچھ آپ کی زبان سے سن لیں، تاکہ مجھے یہ شرف حاصل ہو جائے کہ میں نے آپ کو سنا ہے۔ آپ سے روایت کرتا ہوں، میرا سلسلہ آپ تک پہنچتا ہے۔

ابن جامع یہ باتیں سن کر پھول گیا۔ خوشی کے مارے محمد الزف کو کھانا کھلایا۔ بہترین شراب پلائی، خود بھی پی۔ پھر ترنگ میں آکر اپنا راگ سنایا۔ محمد بھی اس کی لے میں لے ملانے لگا، یہاں تک کہ اسے ازبر کر لیا۔ پھر دوسرے راگ کی فرمائش کی۔ اسے بھی یاد کر لیا۔ پھر تیسرے کی فرمائش کی اور اسے بھی یاد کر لیا۔ اس کے بعد اس نے کہا:

"استاد میری آرزو پوری ہوئی اب اجازت ہو تو میں جاؤں"۔

محمد الزف ابن جامع کے ہاں سے نکل کر سیدھا ابراہیم کے ہاں پہنچا، اس نے پوچھا

"کہو کیا خبر لائے ہو؟"

"جو آپ چاہتے تھے"۔

محمد نے ایک ایک کر کے تینوں راگ سنا دیے۔ ابراہیم نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا، محمد تو اپنے گھر چلا گیا۔ دوسرے دن ابراہیم خلیفہ کے دربار میں پہنچا۔ جب گویوں کی طلبی ہوئی تو یہ بھی پہنچ گیا۔

خلیفہ نے کہا: اب بھی تم اپنے آپ کو اپنی جگہ کے مستحق سمجھتے ہو؟ حالانکہ ابن جامع سے ہار چکے ہو؟ تم کو کم سے کم ایک مہینہ تک گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیئے تھا۔"

"اگر اجازت ہو تو کچھ عرض کروں؟"

"کہو!"

"میرے لیے یہ مناسب نہیں تھا کہ آپ کو کسی بات میں خوش رکھوں اور پھر اس کے خلاف کروں۔ میں جانتا تھا ابن جامع آپ کے حصے میں آیا تھا، پھر میں کیسے برابری کرتا۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ دنیا میں کوئی راگ ایسا نہیں ہے جسے میں نہ جانتا ہوں۔"

خلیفہ نے کہا یہ باتیں چھوڑو، ابھی کل تو تم اپنی نارسائی کا اعتراف کر چکے ہو، اگر وہ غلط تھا تو اب سہی۔ سنا سکتے ہو؟"

ابراہیم، ابن جامع کے راگ کو الاپنے لگا۔ ابن جامع بڑی توجہ سے کان لگائے سن رہا تھا۔ اب اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ کہنے لگا میں حلف اٹھاتا ہوں کہ ابراہیم نے نہ یہ راگ خود ایجاد کیے ہیں نہ کسی سے سُنے ہیں۔ میرے سوا ان کا کوئی بھی جاننے والا نہیں ہے۔"

ابراہیم نے کہا: امیرالمومنین سچ تو یہ ہے کہ میں نے ابن جامع کو اسی کے داؤں سے زیر کیا ہے، میں نے اس کے پاس محمد الزف کو بھیجا اور اُسے اس بات کی ضمانت دی کہ اگر وہ ابن جامع کو چرکا دے کر اس کے راگ یاد کر لایا اور مجھے ویسے ہی سنا دیے تو میں امیرالمومنین کو اس سے راضی کر دوں گا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، میں نے اس سے یہ راگ حاصل کر لیے۔ ورنہ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ راگ بہت قدیم زمانہ کے ہیں۔ میں انہیں بالکل نہیں جانتا تھا۔"

رشید نے کہا: ابراہیم تم نے سچ کہا، پھر اس نے محمد زف کو طلب کیا اور اس کی خطا معاف کر دی۔

ابراہیم نے کہا، "اگر مجھ پر یہ لازم آتا ہے کہ میں ابن جامع کے ہر راگ کو جانوں تو اس پر بھی یہ لازم آتا ہے کہ میرا راگ جانے، اسی طرح ہر گویے کو ایک دوسرے کے راگوں کا عالم ہونا چاہیے۔ اور اگر کوئی اس معیار پر پورا نہ اُترے تو اسے ذلیل کیا جائے یہ کہاں کا انصاف ہے؟"

رشید نے کہا، "ٹھیک کہتے ہو۔"

پھر مجلس برخاست ہو گئی۔

ماخذ

الاغانی۔ اس کتاب کا ترجمہ بابائے اُردو ڈاکٹر عبدالحق کے حسبِ ارشاد میں نے اُردو میں کیا تھا۔ جسے انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔

ہارون کی وفات

جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک دن رخصت بھی ہونا ہے، باقی رہ جانے والے صرف اس کے اعمال ہیں، خواہ اچھے ہوں یا بُرے ہوں۔

ہارون نے کافی عرصے تک مسندِ شہریاری کو رونق بخشی۔ مجموعی حیثیت سے اس کا عہد شاندار اور یادگار تھا۔ خاندانِ عباسیہ ہی میں نہیں امویوں اور عباسیوں کے کئی سو سالہ دور میں اس جیسی بلند پایہ، جامع الصفات اور جامع اضداد ہستی شاید کوئی اور نہیں مل سکتی۔

اس نے اپنے دورِ حکومت میں ایک نئی سوسائٹی، ایک نیا معاشرہ، اہلِ علم کا ایک نیا گروہ، فن کاروں کا ایک نیا طبقہ پیدا کر دیا۔ وہ جب تک زندہ رہا عیشِ فراواں اس کا رفیق و دمساز رہا۔ جب اس دنیا سے رخصت ہوا تو مایوسی اور حسرت کا توشہ اپنے ساتھ لے گیا۔

اس کی زندگی کے آخری ایام سخت ترین ذہنی کش مکش کے آئینہ دار تھے۔ برامکہ کے استیصال کی ندامت، جعفر کے قتل کا غم، امین اور مامون کے مابین جنگِ تخت نشینی کا اندیشہ، ان سب چیزوں نے مل کر اس کی صحت پر حملہ کیا، وہ تاب نہ لا سکا۔ اور بالآخر موت کے سامنے اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

شہر رقہ کو دارالخلافہ مقرر کرنا

خاندانِ برامکہ کے زوال و استیصال کے بعد اور ان کے تمام آوردوں اور ماتحتوں کی بربادی سے باشندگانِ

بغداد خلیفہ سے بدظن رہنے لگے۔ اس لیے ہارون الرشید نے بغداد کو چھوڑ کر شہر رقہ کو اپنا دارالخلافہ مقرر کر لیا۔

اس سے پہلے بھی ہارون نے بغداد سے اپنی نفرت ظاہر کی تھی اور کوفہ کو اپنا دارالخلافہ مقرر کرنا چاہا تھا۔ لیکن کوفیوں کی اولاد حضرت علیؑ سے طرفداری کی وجہ سے اس نے کوفہ کو پسند نہیں کیا۔ ہارون الرشید نے دارالخلافہ کی تبدیلی کے وجوہات جو غالباً صحیح معلوم ہوتے ہیں یہ بتلائے کہ چونکہ ملک الجزیرہ میں ہمیشہ بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں اور شمالی صوبہ جات میں بنی اُمیہ کی طرف داری میں اب تک بہت جوش باقی ہے، اس لیے یہی بات مناسب ہے کہ وہ کچھ عرصے کے لیے کم سے کم الجزیرہ جاکر اپنی موجودگی سے وہاں کی غیر مطیع رعایا کے دلوں میں اپنی ہیبت اور خوف دل نشین کر دے۔

ہارون رشید کا بذاتِ خود میدانِ جنگ میں جانا

سنہ ۱۹۲ھ میں ہارون الرشید خراسان جانے کے لیے رقہ سے بغداد روانہ ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے القاسم کو رقہ کی حکومت اور حفاظت سپرد کی۔ ماہِ شعبان کی ۵ تاریخ کو وہ بغداد سے نہروان روانہ ہوا اور اپنے دوسرے بیٹے المامون کو دارالخلافہ سابق یعنی بغداد کا گورنر مقرر کیا۔

خلیفہ کا طوس میں پہنچنا

طوس کے نواح میں پہنچ کر ہارون الرشید نے اپنی ناطاقتی اور کمزوری کو چھپانے کی کوشش کی مگر اب وہ ایسا صاحبِ فراش ہوا کہ خدام و ملازم اس کو پکڑ کر اٹھاتے بٹھاتے تھے۔ اس کی بیماری کی اس حالت سے تمام فوج میں بڑی گھبراہٹ پڑ گئی۔ جب اس کو یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے گھوڑے پر سوار ہونے کی بڑی کوشش کی تاکہ فوج اس کو بچشم خود دیکھ کر تسلی پکڑے۔

خلیفہ نے اوّل تو ایک بڑے عربی گھوڑے پر، پھر ایک یابو پر اور سب کے بعد ایک خچر پر چڑھنے کی بار بار کوشش کی مگر وہ چڑھ نہ سکا۔ اس لیے اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ

مجھ کو واپس لے چلو، واللہ لوگ سچے ہیں۔

ہارون الرشید نے طوس کے قریب ایک گاؤں میں قیام کیا، یکایک بڑے زور کے ساتھ اس کے پیر کانپنے لگے اور اس سے کھڑا نہ رہا جا سکا۔ غلام اور خدام اور اس کے حرم کی مستورات اس کے گرداگرد جمع ہو گئیں۔

ہارون الرشید کا موت کے لیے تیار رہنا!

ہارون الرشید نے اپنے خادموں اور غلاموں کو حکم دیا کہ میں جس مکان میں بیٹھا ہوا ہوں یہیں میرے لیے ایک قبر کھودو۔ بعد اس کے بہت سے حافظوں کو بلوایا، جنہوں نے دو دو تین تین پارے پڑھ کر تمام قرآن شریف اس کو سنا دیا۔ خلیفہ اسی اثنا میں اپنی قبر کے کنارے ایک پلنگ پر لیٹا رہا۔ انتقال سے پیشتر خلیفہ کو ایک اور غش آیا۔ اور جب ہوش آیا تو اپنی آنکھیں کھولیں۔ اور اپنے وزیر کی طرف دیکھ کر تین شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اے فضل کیا وہ وقت قریب آ پہنچا جس کا مجھ کو خوف تھا؟ دیکھو حاضرین کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی ہیں۔ جو لوگ گزشتہ زمانہ میں ہم پر حسد کرتے تھے وہ اب ہم کو بنظرِ ترحم دیکھ رہے ہیں۔ ہم سب کو صبر کرنا چاہیے، جو قسمت میں ہے ہو کر رہے گا۔ میں اب دوستوں کے لیے روتا ہوں جن سے میں محبت کیا کرتا تھا، دراصل میرا یہ سب عیش و عشرت فانی تھا جو اب پھر کبھی نہیں آئے گا۔

اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں خلیفہ نے ایک موٹا کمبل لانے کے لیے حکم دیا۔ کمبل کو اوڑھ کر خلیفہ اپنے ایک ملازم سہل بن سعد کی کمر پر تکیہ لگا کر بیٹھ گیا۔ اس کے فوراً بعد خلیفہ کو بیماری کا دورہ شروع ہوا۔ سہل خلیفہ کے سنبھالنے کے لیے کودا۔ خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ نہیں کچھ نہیں۔ تو پھر اسی طرح بیٹھ جا۔ اگرچہ سہل نے جواب دیا۔ آقا امیر المومنین میں یہیں حاضر ہوں گو میں آرام سے بیٹھا ہوں لیکن امیر المومنین کی تکلیف دیکھ کر مجھ کو سخت رنج ہے۔ یہ سن کر ہارون الرشید نے ایک قہقہہ لگایا اور کہا اے سہل! یاد رکھ ایک شاعر نے جو ذیل کے مضمون کا شعر کہا ہے اس کا مصداق میں اس وقت ہو رہا ہوں اس شعر کا مطلب یہ ہے

کہ میں ایک بہادر قوم کی نسل سے ہوں، اس وجہ سے میں اس وقت سخت ترین تکلیف کو بڑے استقلال اور رضا سے برداشت کر رہا ہوں۔

ہارون الرشید کی یہ آخری کوشش تھی اور اس کے تھوڑے عرصے کے بعد وزیر اعظم فضل، مسرور اور ایک یا دو دیگر درباریوں کے سامنے خلیفہ نے اپنا آخری سانس لیا اور وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فضل برمکی کے انتقال کے بعد ۳، جمادی الاخریٰ ۱۹۳ھ مطابق ۲۲ مارچ ۸۰۹ء (شب شنبہ) بمقام طوس ہارون الرشید نے انتقال کیا اور اسی مقام پر دفن ہوا۔

صفات

مسلمان اور یورپین مورخین نے مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں ہارون کے حالات اور واقعات لکھتے ہوئے ہارون کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ابن خلدون: "بڑا اولوالعزم، علم و ہنر کا قدردان اور فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی و شجاعت میں ممتاز تھا، خلفاء عباسیہ میں سب سے پہلے اسی نے علم و ہنر کی سرپرستی کا بیڑا اٹھایا۔ نہایت ذی علم تھا۔ فقہ، حدیث، ادب اور ایام العرب سے خوب واقف تھا۔ مذہبی عقائد کا سختی سے پابند تھا۔ زندقہ اور الحاد سے سخت نفرت رکھتا تھا۔ بزرگان دین سے معتقدانہ ملتا تھا۔ علماء و فضلاء کی نصائح کو توجہ سے سنتا تھا اور بعض اوقات نصیحت سن کر رونے لگتا تھا۔ سیاست ملکی میں نہایت بیدار مغز تھا۔ ہارون سے پہلے کوئی خلیفہ اس سے زیادہ سخی، جواد اور بے دریغ مال کا خرچ کرنے والا نہیں گزرا۔"

(تاریخ ابن خلدون مترجمہ مولانا احمد حسین الہ آبادی جلد ۷، ص ۱۴۱ تا ۱۴۲)

ہارون کے عہد پر تبصرہ

ہارون الرشید کا دورِ حکومت اس کا مستحق ہے کہ ایک نظر بازگشت اس پر ڈالی جائے۔

ہارون رشید میں درحقیقت تمام خصلتیں مجتمع تھیں جو ایک دیندار اور پاکباز بادشاہ میں ہونی چاہئیں۔ علامہ ذہبی اور جاحظ کا قول ہے:

"ہارون الرشید میں جس قدر خوبیاں تھیں وُہ کسی دوسرے فرمانروا کو نصیب نہیں ہوئیں۔ علم و ہنر، تدبیر و دانائی، فہم و فراست، عزم و ثبات، فیاضی، شجاعت اور بلند حوصلگی میں وہ خلفاءِ بنو عباس میں ایک ممتاز خلیفہ تھا۔ شاہانہ شان و شوکت اور علم و ہنر کی سرپرستی نے ہارون رشید کی شہرت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ اس کی قدر دانی کی ندائے عام نے دلوں میں وہ شوق اور حوصلے پیدا کر دیے کہ زمانہ کے تمام اہلِ کمال دربار میں کھنچ آئے۔ اور مدینۃ السلام (بغداد) علوم و فنون کا مرکز بن گیا۔ بیت الحکمۃ کی کامیابیاں اس کے عہد میں سب سے بڑی علمی فتوحات ہیں۔ الف لیلیٰ کی تالیف اسی کے زمانہ میں ہوئی جس نے ہارون الرشید کے نام کو زبان زدِ خاص و عام کر دیا۔ علمی درسگاہیں جس قدر تمام ملک میں کھلیں اس کی ایک بڑی فہرست ہو سکتی ہے۔ اگرچہ علومِ فلسفیہ سے چنداں ذوق نہ تھا لیکن فقہ و حدیث، ادب اور ایام العرب کا فاضل تھا، جیسا خود قابل، طباع اور صاحبِ فضیلت تھا ویسے ہی اس کے ارکینِ دولت تھے۔ خصوصاً خاندانِ برامکہ جو درجۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ جس طرح حضرت سلیمان کو آصف بن برخیا، نوشیرواں کو بزرجمہر، بہرام گور کو خوردہ روز، ملک شاہ کو نظام الملک

طوسی جیسے وزرا پر فخر تھا۔ اسی طرح ہارون رشید کو اپنے مربی و محسن یحییٰ، فضل اور جعفر برمکی پر ناز تھا۔

باوجود ایسا عظیم شہنشاہ ہونے کے تکلف اور تعصب مزاج میں نام کو نہ تھا۔ جبرئیل اور بختیشوع وغیرہ عیسائی اطباء کا جو اعزاز دربار میں تھا آج اس کی نظیر سے یورپ اور ایشیا خالی ہے۔ جو عزت عیسائیوں کی دربار میں تھی ویسا ہی مرتبہ یہودی، پارسی، ہندو علماء اور حکماء کا بھی تھا۔

اپنے زمانہ کے ہم عصروں سے بھی دوستانہ ملتا تھا، چنانچہ شارلیمن شہنشاہِ فرانس اس کا خاص دوست تھا۔ اور اس محبت کو خود شاہِ فرانس نے بڑھایا تھا۔

مذہبی عقائد اور خیالات میں مستحکم تھا اور زندقہ و الحاد کا قطعی دشمن، سورکعتیں روزانہ پڑھنے کا عادی تھا۔ اور سوائے بیماری کے کبھی نماز قضا نہیں کی تھی، ایک سال جہاد کرتا تو دوسرے سال حج بیت اللہ کو جاتا تھا۔ بتیس برس کی خلافت میں آٹھ یا نو بار حج کیا اور ایک مرتبہ مکہ معظمہ سے عرفات تک پیدل گیا۔ حج کے موقعہ پر علماء و فقہاء کی کثیر تعداد ہمراہ ہوتی تھی۔ اور جس سال اتفاق نہ ہوتا تھا تو اپنی طرف سے تین سو حجاج کا ایک قافلہ روانہ کرتا۔ خیرات خفیہ و علانیہ دونوں طرح سے جاری تھی۔ اور ایک ہزار درہم روزانہ جیب خاص سے خیرات کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ کے عشق و محبت کا پابند تھا۔ فضائلِ حسنینؓ میں بھی اس نے حدیثیں روایت کی ہیں۔ قتلِ سادات اور علویین کا اگرچہ اس پر الزام ہے، لیکن یہ معاملات ملکی تھے اور ایسی مجبوری تھی کہ جس سے کسی خلیفہ کو مفر نہیں ہو سکتا تھا۔ تاہم ہارون رشید نے سادات پر ایسا ظلم نہیں کیا جیسا کہ خود سادات نے اپنی چند روزہ حکومت میں عباسیوں پر کیا تھا۔

بزرگانِ دین سے خاص تعلق رکھتا تھا۔ حضرت فضیل بن عیاض کے مکان پر خود جاتا تھا اور وہ جو نصیحت فرماتے تھے اسے رغبت کے کانوں سے سنتا تھا۔ ابو معاویہ ایک عالم کے ہاتھ خود دسترخوان پر آفتابہ و طشت لے کر دھلواتے جو تاریخی یادگار ہے۔ ابن سماک وغیرہ کے وعظ سے اس کو رقت ہوتی تھی اور صوفیائے کرام کے خاص وظائف مقرر تھے۔ باوجود پابندی

شریعت زاہد خشک بھی نہ تھا۔ اس کی بے تکلفی کی مجلس میں نغمہ و سرود بھی ہوتا تھا ابراہیم الموصلی موسیقی کا استادِ خاص اس خدمت پر دس ہزار درہم کا نوکر تھا۔ کنیزوں سے بھی صحبت رہتی تھی اور نبیذ کا دور بھی چلتا تھا جس کی علت کا فقہاء نے فتویٰ دے دیا تھا۔

عدل و انصاف کا بھی اس میں جوہر موجود تھا اور جس کا یہ اثر تھا کہ تمام ملک میں خوشحالی پائی جاتی تھی۔ تجارت میں کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، قریہ قریہ مال و دولت سے آباد تھا۔ دارالخلافہ کی شان و شوکت ظاہر کرنے کے لیے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔ مختصر یہ کہ دس لاکھ کی مردم شماری تھی۔ بیس ہزار مسجدیں اور دس ہزار حمام موجود تھے۔ ۱۲ میل طولاً اور تین میل عرضاً مسلسل آبادی تھی۔ علاوہ اس کے اپنے عہدِ دولت میں طرطوس، مصیصہ اور مرعش کے شہر آباد کیے۔ اور ضرورت کے وقت بڑے بڑے شہروں کا دورہ بھی کیا اور ملک کی حالت اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ خلفاءِ عباسیہ میں سب سے پہلے چوگان کھیلا اور آویزاں نشانہ پر شرط باندھ کر تیراندازی کی اور شطرنج بھی کھیلا۔ گریوں کے مراتب اور طبقے مقرر کیے۔ بہرحال خلیفہ ہارون الرشید کے تمام دورِ حکومت میں سوائے قتلِ برامکہ کے کوئی الزام نہیں ہے۔ لیکن منصف مزاج اس قتل کا خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسا کیوں ہوا؟ اور یہ نہ ہوتا تو بقائے سلطنت کے واسطے اور کون سی تدبیر تھی۔ سیاستِ ملکی میں بے انتہا سخت تھا اور معاملاتِ سلطنت میں کسی کی نہ سنتا تھا۔"

ماخذ

ذہبی، جاحظ،

ہارون رشید اور برامکہ!

جور و ستم کی لرزہ خیز کہانی !

واقعات اور روایات کا تحقیقی جائزہ

آلِ برمک

یہ ایک نومسلم خاندان تھا۔ فارس کا رہنے والا، مذہب آتش پرستی۔ اصلی زادبوم بلخ پارسیوں کے معبد "آتش کدۂ نوبہار" کا متولی، اسی خاندان کا ایک فرد جعفر بن جاباس تھا۔ گویا آلِ برمک کا اسلام میں آغاز جعفر بن جاباس سے ہوا اور خاتمہ جعفر برمکی پر۔

اوّل بہ آخر نسبتے دارد!

"آتش کدۂ نوبہار" کو پارسیوں میں وہی مذہبی حیثیت او وجیعت حاصل تھی جو مسلمانوں میں کعبہ کو حاصل ہے۔

جعفر بن جاباس

جعفر بن جاباس بہ ہمہ صفت موصوف تھا۔ شاعرِ بے بدل، ادیبِ لاثانی، ذہین، طباع، بہترین نقادِ شعروادب، شوقِ سیاحت سے مجبور ہو کر بلخ سے دمشق پہنچا اور یہاں کی اعلیٰ سوسائیٹیوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اپنی نکتہ سنجی اور سحر طرازی سے اس نے امراء اور وزراء کا دل موہ لیا۔ یہ زمانہ ولید بن عبدالملک کی خلافت کا تھا۔ (۷۰۵ء، ۸۶ھ تا ۷۱۵ء، ۹۶ھ)

ولید کی قدر شناسی

ولید نے جعفر بن جاباس کو اپنا مقرب بارگاہ بنا لیا اور منصب کتابت پر فائز کر دیا۔ مسلمانوں میں رہنے سہنے اور انہیں قریب سے دیکھنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ بلخ کا توطن اور آتش کدۂ نوبہار کی تولیت چھوڑ دی اور دینِ اسلام کا ایک مخلص پرستار بن گیا۔

جعفر بن جاباس کی اولاد احفاد نے اسلام اور ملتِ اسلامیہ کی جو گراں بہا خدمتیں انجام دیں وہ تاریخ کا روشن ترین باب ہیں۔

اس خاندان کے لوگوں نے حکومتِ عباسیہ کی تشکیل و تعمیر اور استحکام و بقا میں جو حصہ لیا وہ رہتی دنیا تک یادگار رہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عہدِ عباسیہ کی ساری ترقیاں اور کامرانیاں برامکہ ہی کے جوشِ عمل، جوشِ کار اور جذبۂ خدمت اسلام کا نتیجہ ہیں۔

مہدی اور ہادی کی بھی لیکن خاص طور پر ہارون کی خوش قسمتی سے اس کو وزراء بھی ایسے ملے تھے جو کسی فرماں روا کو مشکل ہی سے میسر آ سکتے ہیں۔ برمکی خاندان نہ صرف عباسی وزارت میں بلکہ دنیا کی تاریخ میں اپنے اوصاف و کمال اور کارناموں میں ممتاز ہے۔ وہ ہارون سے بھی زیادہ علم دوست، علماء نواز، بلند نظر، خوش مذاق اور مخیر و فیاض تھے، ان کا آستانہ ہر صنف کے اصحابِ کمال کا مرجع تھا۔ انہوں نے جو کارنامے انجام دیے اور عباسی حکومت کو علم و تمدن کے جس مرتبے پر پہنچایا اس کی تفصیل کے لیے مستقل کتاب درکار ہے۔

اُن کے دورِ وزارت کے متعلق ابن طباطبا کا یہ اجمالی تبصرہ بالکل صحیح ہے۔

برامکہ کا دورِ وزارت جبینِ دہر کا نور اور زمانہ کے سر کا تاج تھا، ان کے مکارم ضرب المثل تھے، وہ دنیا کے مرجع امال تھے اور لوگ کھنچ کھنچ کر ان کے آستانے پر آتے تھے۔ دُنیا نے اپنی ساری نعمتیں ان کے سامنے سجا دی تھیں۔ یحییٰ اور اس کے بیٹے انجم تاباں۔

اس لیے سیوطی کے بقول ہارون رشید کا پورا دَور سراسر خوبی تھا اور اس کا ہر روز روزِ عید اور ہر شب شبِ برات معلوم ہوتی تھی۔ اس کے دَور کی تمام ترقیوں کا حال کتاب کے اخیر میں آئے گا۔

آئندہ صفحات میں ہم بسط و تفصیل سے اس خاندان کے عمائد خالد، یحییٰ، فضل و ہارون کا ذکر کریں گے۔ اسی سلسلے میں برامکہ کے عروج و زوال کی کہانی بھی آ جائے گی۔

ماخذ

تاریخ اسلام (عہدِ عباسیہ) البرامکہ، نزہت القلوب، جغرافیہ گنج دانش۔

خالد برمکی !

خالد کی ولادت سنہ ۹۰ھ مطابق سنہ ۷۰۸ء میں ہوئی۔ جعفر بن جاماس نے خالد کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ صرف کی۔

محبِ اہلِ بیتِ رسولؐ

خالد کا اصل جولان گاہِ عمل بنو عباس کا عہدِ خلافت ہے۔ امویوں کے خلاف جب علویین نے آلِ عباس کی رفاقت میں حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی تو خالد اس جماعت کے داعیوں اور مردانِ کار میں پیش پیش تھا اسے اہلِ بیتِ رسالتؐ سے غیر معمولی عقیدت تھی۔ اس عقیدت کو جعفر بن جاماس کی تربیت نے اور زیادہ پختہ کر دیا تھا، پھر جب حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسندِ خلافت بنو عباس کے ہاتھ آئی تو اہلِ بیتِ رسالت کے تعلق سے اس نے اس خاندان کا بھی پورا ساتھ دیا۔ اس کی وفاداری، دُور اندیشی، دلیری اور حسنِ تدبیر کا سفاح پر اتنا اثر پڑا کہ جب اس نے اپنے وزیر ابو سلمہ کو بعض وجوہ کی بنا پر قتل کیا تو قلمدانِ وزارت خالد کو سونپ دیا۔

منصور کا خالد پر اعتماد

سفاح کے انتقال کے بعد سنہ ۱۳۶ھ مطابق سنہ ۷۵۴ء میں منصور تختِ خلافت پر متمکن ہوا۔ اس نے بھی خالد کو اس کے منصب پر برقرار رکھا، پھر کچھ عرصے بعد درباری سازشوں کے تحت وہ موصل کا گورنر بنا کر بھیج دیا گیا۔ یہاں اس نے اپنی کارگزاری کا ایسا ثبوت دیا کہ خلیفہ کا اور زیادہ معتمد بن گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محکمہ خراج یعنی محکمہ محاصل و مالیات اس کے سپرد کر دیا گیا۔ منصور کو خالد پر اتنا

زیادہ اعتماد تھا کہ جو کوئی کام بھی خالد سے مشورہ لیے بغیر نہیں کرتا تھا۔

مہدی کو خالد نے ولی عہد بنایا

منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ کو جب ولی عہدی سے معزول کیا (۱۴۷ھ ۷۶۴ء) اور اپنے بیٹے مہدی کے لیے بیعت لی تو یہ کام خالد ہی کی حکمت عملی سے انجام پایا، ورنہ اس پر عملدرآمد ناممکن تھا۔ خالد کا یہ کارنامہ منصور کی نظر میں اتنا جچا کہ اس نے خالد کو مہدی کا اتالیق مقرر کر دیا۔

خالد کی دوراندیشی اور فراست

خالد کی دوراندیشی اور فراست کا اندازہ ذیل کے واقعے سے ہو گا۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ مہدی مع مختصر فوج کے ایک جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ خالد ہمرکاب تھا کہ دُور سے ایک قلعہ کی بلندی معلوم ہوئی۔ مہدی نے قلعہ کے اوپر جاکر نظارہ کرنا چاہا۔ چنانچہ مع اپنے منتخب سپاہیوں کے قلعہ کے اندر داخل ہوا اور اس کے بلند حصے پر چڑھ گیا۔ ناگاہ شمال کی جانب سے گرد اڑتی ہوئی نظر آئی۔ خالد نے مہدی سے کہا کہ غبار خالی از علت نہیں ہے۔ کیا تعجب ہے کہ دشمن کے لشکر کی گرد ہو، کیونکہ آندھی کی یہ علامت نہیں ہے اور ہوا کی معمولی رفتار میں کچھ اضافہ نہیں ہوا ہے۔ یہ غبار ضرور کسی لشکر کا ہے اس لیے ہم کو ہوشیار رہنا چاہیے۔

مہدی کو خالد کی باتیں تعجب انگیز معلوم ہوئیں۔ لیکن بزرگ ناصح کے کہنے سے روانہ ہوا ایک فرسنگ طے کیا ہو گا کہ گورخر، ہرن اور صحرائی جانور بھاگتے ہوئے نظر آئے۔

خالد نے کہا کہ لشکر حریف کے بھگائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آگے چلو۔ تھوڑی دور پہنچنے پر معلوم ہوا کہ لشکر دیالمہ لڑائی کے ارادہ سے آرہا ہے۔ مہدی نے واپس جانا غنیمت سمجھا۔

خالد نے بڑھ کر رکاب تھامی اور عرض کیا کہ یہی تو لڑائی کا موقع ہے، دشمن کی فوج منزل مارے آرہی ہے۔ ہر ایک سپاہی تھکاماندہ بھوکا پیاسا ہے۔ ہماری فوج اگرچہ حریف کے مقابلے میں کم ہے لیکن تازہ دم اور دھاوے کے قابل ہے۔ سب کو درست کر کے حملہ کر دینا چاہیے۔ فتح ہمارے ساتھ ہے اور بغیر مقابلہ واپس چلنے میں علاوہ بدنامی کے غنیم کو

جرأت نہ ہوگی اور اگر تھوڑا سا وقفہ بھی مل گیا تو پھر ان سے مقابلہ مشکل ہوگا۔

یحییٰ نے حسبِ مشورۂ خالد حملہ کر دیا۔ میدان میں تلواریں چمکنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں دیالمہ کو شکست ہوئی۔ اکثر ہلاک ہوئے اور کسی قدر گرفتار۔ میدان مہدی کے ہاتھ رہا۔ اور بے شمار مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ جس میں سے سب سے عمدہ اور منتخب چیزیں خالد کو عطا کی گئیں اور امیر المومنین منصور کے حضور میں اس واقعہ کی ایک عرضداشت مہدی نے اپنے قلم سے لکھ کر روانہ کی۔ اس معرکہ کے بعد خاندانِ عباسیہ کو آلِ برمک سے خاص محبت ہوگئی۔

بغداد کی تعمیر خالد کا لازوال کارنامہ ہے

بغداد کی تعمیر بھی خالد ہی کے ذوقِ تعمیر کا نتیجہ ہے۔ اسی کے اہتمام میں اس شہر کی عالی شان عمارتیں، فلک رفعت محل، قصر الذہب، قبۃ الخضرا، مسجد جامع تیار ہوئی۔ پانچ سال کی لگاتار محنت کے بعد دنیا کا یہ عجوبہ شہر بصرفِ زرِ کثیر ۱۰ مارچ ۱۴۹ھ مطابق ۷۶۶ء اختتام کو پہنچا۔

بغداد کی وسعت

بغداد کی تعمیر جب مکمل ہوگئی تو ہر طرف سے لوگ ٹوٹ پڑے۔ اس شہر کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شہر میں عام حمام ساٹھ ہزار تھے اور ہر حمام میں کم از کم سات خدمت گار ضرور ہوتے تھے۔

تیس ہزار مسجدیں تھیں، شہر کو سولہ دروازوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر دروازہ کے مابین آٹھ میل کی مسافت تھی، آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی۔

شعراء کے قصائد

بہت سے شعراء نے بغداد کی خوبیوں اور رعنائیوں کو دیکھ کر اپنے خیالات و تاثرات اشعار، اور قصائد کی صورت میں ظاہر کیے۔

انوری نے ایک طویل قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

خوشا نواحیٔ بغداد جائے فضل و ہنر
کہ کس نشاں نہ دہد در جہاں چناں کشور
سوادِ او بمثل چوں سپہر مینا رنگ
ہوائے بصفتِ نسیمِ جناں پرور
ہزار زورق خورشید شکل بر سرِ آب
بر آں صفت کہ پراگندہ بر سپہر اختر

صبا سرشتہ بہ خاکش طراوتِ طوبیٰ
ہوا نہفتہ در آبش حلاوتِ کوثر

وفات بالآخر شعبان کے مہینہ میں جمعرات کے روز ۱۶۵ھ مطابق ۷۸۱ء یہ بادشاہ گر وزیر اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

ماخذ

ابرامکہ، ابنِ عساکر، ابن خلکان، کامل ابنِ اثیر، تاج العروس شرح ناموس، اعلام الناس، ابنِ خلدون، روضۃ الصفا، الفخری،

یحییٰ برمکی

یحییٰ خالد کا بیٹا تھا۔ آل برمک میں اس سے بڑھ کر عظیم و جلیل شخصیت کوئی اور نہیں گزری۔ اگر یحییٰ کی فراست اور دانش مندی کام نہ آتی تو ہارون ولی عہدی سے محروم کر دیا گیا ہوتا، بلکہ قتل کر دیا گیا ہوتا۔ یحییٰ نے اس کی ولی عہدی قائم رکھی۔ اسے تخت خلافت پر متمکن کیا، اسے دشمنوں اور مخالفوں سے بچایا۔ اس کے راستے کے کانٹے ہٹائے۔ اسے ہر طرح کی فکروں اور پریشانیوں سے آزاد کر دیا۔ ہر طرح کی فکروں اور پریشانیوں کا بوجھ اپنے دوش ناتواں پر لے لیا۔ اس کے عہد میں خلافت عباسیہ عروج کی انتہا پر پہنچ گئی۔ وہ یحییٰ تھا جس نے ہارون کو بنایا، جس نے بغداد کو بغداد بنایا، جس نے ہارون کے حدود مملکت میں بے انتہا توسیع کی۔ جس نے کنگالوں کو لکھ پتی بنا دیا، جس کے در سے کبھی کوئی سائل محروم نہ گیا۔ جو شاعروں، ادیبوں، عالموں، فن کاروں اور موسیقاروں کا قدردان تھا۔ ان کے منہ موتیوں سے۔ اور دامن سیم و زر سے بھر دیتا تھا۔ وہ دشمنوں کا دوست اور دوستوں کا یارِ وفادار تھا۔ اس نے مخالفوں کو معاف کیا، دشمنوں سے درگزر کیا۔ زندگی میں کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ جتنا بڑا وہ خود تھا اتنا ہی بڑا اس کا دل بھی تھا۔ اس کے پاس اربوں روپیہ تھا لیکن اس روپے کو وہ اپنی ملکیت نہیں امانت سمجھتا تھا۔ اور نہایت دیانتداری سے مستحقین میں اسے خرچ کر دیتا تھا۔ اس نے اپنے کردار اور سیرت کا عوام اور خواص کے دل پر ایسا نقش قائم کر دیا تھا کہ خلیفہ کی دشمنی اور عداوت بھی اسے محو نہ کر سکی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خلیفہ ان باتوں سے برہم ہوتا

ہے لوگ اس کے مرثیے کہتے رہے، اس کی باتیں یاد کر کے روتے رہے، اس کے محاسن اور محامد کا چرچا کرتے رہے۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ہارون کا اتالیق

یحییٰ ہارون کا اتالیق اور گارجین تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اسے ملکی خدمات انجام دینے کے مواقع بھی ملتے رہے۔ جب یحییٰ کے شباب کا زمانہ ہوا اس وقت خالد برمکی حکومتِ عباسیہ میں کمال اقتدار رکھتا تھا۔ کیونکہ ابوجعفر منصور نے خالد کی کارگزاریاں دیکھ کر اس کو موصل کا والی (گورنر) بنا دیا تھا۔ ایسے معزز عہدہ دار کو اسلامی سلطنت میں یہ مشکل نہ تھی کہ اپنے لڑکے کے واسطے وہ کوئی صورتِ ملازمت نہ نکال سکتا۔ چنانچہ منصور نے خالد کے استحقاق پر نظر کر کے محرم ۱۵۸ھ ا ا نومبر ۷۷۴ء میں آذربائیجان کا حاکم مقرر کیا۔

فرائضِ سلطنت کی بجا آوری

ہارون الرشید نے تختِ خلافت پر جلوس فرماتے ہی یحییٰ ابن خالد برمکی کو اپنا وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ یحییٰ نے جو اب تمام مملکت کا ذمہ دار ہو گیا تھا اپنے فرائض منصبی نہایت بیدار مغزی، لیاقت اور انصاف پسندی سے انجام دیے۔ سرحدوں پر قلعہ جات تعمیر کرا کے ان کو مضبوط اور مستحکم کیا۔ انتظامِ سلطنت میں جن جن باتوں کی کمی تھی اور جو جو نقص تھے ان سب کو درست اور مکمل کیا۔ خزانے کو معمور کیا، تمام صوبہ جات کو تجارت کی ترقی، حفظِ امن دامان، اور حفاظتِ عامہ سے خوشحال اور زرخیز بنا دیا۔ المختصر سلطنت کو خوشحالی، فارغ البالی اور شان و شوکت کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچا دیا۔ سلطنت کے تمام کاروبار بذاتِ خود نگراں اور منتظم تھا۔ باوجود ان سب باتوں کے نہایت ہی فصیح و بلیغ، عقیل اور صاحبِ شعور اور جامع جمیع صفات اور نہایت قابل، مدبر، منتظم تھا۔ بڑے کرّ و فر سے حکومت کرتا تھا۔ اور سلطنت میں جو فتنہ و فساد برپا ہوتا تھا اُسے نہایت لیاقت سے رفع کر دیتا تھا۔ اس کا اخلاق ایسا اچھا تھا کہ ہر شخص اس سے محبت کرتا۔ مزاج میں اس قدر بردباری اور

علم تھا کہ ہر شخص اس کا ادب اور لحاظ کرتا تھا۔ فیاضی میں بے مثل تھا۔ لاکھوں روپے خیرات کرتا تھا۔ تمام دُنیا نے اس کی فیاضی کی تعریف میں عموماً اور شاعروں اور فاضلوں نے خصوصاً بڑے بڑے قصائد لکھے ہیں۔

علم اور عُلمار سے لگاؤ

علم اور علمار سے یحیٰی کو غیر معمولی لگاؤ تھا۔ چنانچہ یہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان میں قاصد بھیجے اور بڑے بڑے نامی پنڈت اور حکیموں کو دربار میں بلایا۔ ان میں سے منکہ اور صالح (سالی) بن بہلہ مشہور پنڈت ہیں جو ترجمے پر مقرر تھے۔ ان پنڈتوں کے ذریعے سے ہندوستان کا بہت بڑا علمی سرمایہ بیت الحکمۃ میں پہنچا۔ اور غالباً جب ان حکیموں کی اسلامی سلطنت میں اس قدر عزت افزائی ہوئی تو اور بھی نامی پنڈت ہندوستان سے بغداد پہنچے جن میں سے کنکہ، صنہجل، تنانا ق، جودر بہت مشہور ہیں۔ ان حکیموں نے ہندوستان کے نامی اطبار اور حکما کی تصنیفات کو فارسی اور عربی میں ترجمہ کیا۔

ایک نجومی کی پیشین گوئی

ایک مرتبہ ہارون سے ایک یہودی نجومی نے یہ پیشن گوئی کی کہ آپ ایک سال کے اندر مر جائیں گے۔ یہ سن کر ہارون الرشید کو بڑا فکر ہوا۔ اور کھانا پینا تک چھوٹ گیا۔

آخر کار یحیٰی نے اس نجومی کو خلیفہ کے حضور بلوا کر اس سے یہ دریافت کیا۔ یہ بتاؤ تم کب تک زندہ رہو گے؟ یہودی نے جواب دیا کہ میرا تو نجوم یہ کہتا ہے کہ میں ابھی بہت دن جیوں گا۔

یحیٰی نے نجومی کا سر اسی وقت اور وہیں تلوار سے اڑا دیا۔ پھر عرض کیا کہ امیر المومنین آپ نے اس شخص کی پیش گوئی کا جھوٹ اور سچ ملاحظہ فرما لیا؟ خلیفہ کا رنج اور فکر جاتا رہا اور اطمینان حاصل ہو گیا۔

بذل و عطا

داد و دہش، بذل و عطا، دریا دلی اور سخاوت یحیٰی کی سرشت تھی۔ ایک مرتبہ دربار میں جاتے وقت ایک خستہ حال اور آشفتہ روزگار شاعر صورتِ سوال کھڑا نظر آیا۔ یحیٰی کو اس وقت بہت جلدی تھی، ایک نظر اس پر ڈالتا ہوا خلیفہ کی خدمت

میں چلا گیا۔ بارگاہِ خلافت سے واپس آنے کے بعد شاعر کو بلایا، حال پوچھا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے نکاح کیا ہے۔ جس کی تین شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ چار ہزار دینِ مہر ادا کر دوں۔ اگر ادا نہ کر دوں تو عورت کو طلاق دے دوں۔ دوسری یہ کہ چار ہزار کا ایک مکان خرید دوں، تیسری یہ کہ تمام سامانِ خانہ داری مہیا کر دوں۔

یحییٰ نے سُنا تو فوراً چار ہزار مہر ادا کیا، چار ہزار درہم خریداریٔ مکان، اور چار ہزار ضروری سامان کے واسطے دیے۔ علاوہ ازیں چار ہزار اور بھی دیے کہ بالکل اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ سولہ ہزار درہم دے کر رخصت کیا۔

اسحاق موصلی کی داستان

اسحاق موصلی ان لوگوں میں تھا جو آلِ برمک کے زوال وادبار؛ قتل اور تباہی و بربادی کے بعد بھی ہر خوف اور دہشت سے بے نیاز ہو کر ان کے گن گایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ یحییٰ کی شان میں ایسے تاثراتِ الم کا اظہار کر رہا تھا کہ سُنتے وزیر فضل بن ربیع تک اس کی شکایت پہنچی۔ فضل نے اسحاق کو بلوایا اور نہایت برہمی کے عالم میں سوال کیا۔

"کیا تم نہیں جانتے کہ خاندانِ برمک خلیفہ کا معتوب اور اس کی تعریف کرنے والا مستحقِ تعزیر ہے؟"

اسحاق نے جواب دیا

"جانتا ہوں۔ لیکن تعریف سے باز نہیں آسکتا۔"

فضل بن ربیع کو غصہ آگیا۔ اس نے کہا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہاری شامت آئی ہے۔"

اسحاق نے دلیری سے جواب دیا۔

"ہر سزا خوشی سے بھگت لوں گا، لیکن جب تک زبان چلتی ہے اس خاندان کی تعریف میں رطب اللسان رہوں گا۔"

اس جواب پر فضل نے دریافت کیا "آخر وہ ایسی کیا بات ہے کہ تم اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بھی آلِ برمک کی تعریف و توصیف سے باز نہیں رہ سکتے۔"

اسحاق نے جواب دیا

"بہت سے واقعات ہیں، میں کہاں تک سناؤں گا۔ اور آپ کب تک سنیں گے؟...

صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں!

فضل بن ربیع نے اشتیاق کے لہجے میں کہا

"ضرور سناؤ ہم ہمہ تن گوش ہیں"۔

اسحاق نے واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا:

"میرے پاس نہ گھر تھا نہ در کہ میں نے ایک جاریہ سے عقد کر لیا۔ مکان کرایہ پر لیا۔ کرایہ ادا نہ کر سکا تو مالک خالی کرانے کے درپے ہوا، میں بہت حیران تھا کہ کیا کروں؟ ہر طرف نظر دوڑائی، مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ آخر یحییٰ کے پاس پہنچا اور اسے اپنا حالِ زار سنایا۔ اس نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہاری فکر اب بھی باقی ہے؟"

میں نے کہا "نہ صرف باقی ہے بلکہ کچھ اور زیادہ ہو گئی ہے۔"

یحییٰ نے مجھے تسکین دی، پھر غلام کو حکم دیا کہ خلعت لائے۔ اسی وقت میں نے اُسے زیب تن کیا، پھر دسترخوان بچھانے کا حکم دیا، میں نے خوب ڈٹ کر کھایا، پھر نبیذ لائی گئی۔ میں نے جام پر جام چڑھائے۔ یحییٰ بھی پیتا رہا۔ پھر میں گانا سناتا رہا۔ اسی دوران قلم دوات اور کاغذ لانے کا یحییٰ نے حکم دیا۔ اس نے چار رقعے لکھے۔ میں نے خیال کیا کہ شاید میرے لیے انعام و اکرام کا حکم بھی کسی رقعہ پر ہوگا۔ پھر اس نے اپنے وکلاء (ایجنٹ) کو بلایا اور رقعے ان کے حوالے کر دیے، اور میں نے انعام و اکرام کے لالچ میں اور زیادہ جی توڑ کر گانا شروع کیا۔ میں گاتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں انعام و اکرام کی فہرست تیار کرتا جاتا تھا۔ شام ہو گئی اور کوئی علامت ظاہر نہ ہوئی۔ یحییٰ نے تکیے سے ٹیک لگائی اور سو گیا۔ میں اب کیا کرتا۔ واپس ہوا۔ کاندھے ڈالے اور سر جھکائے پہنچا۔ جب گھر کے پاس پہنچا تو میرا غلام آگے بڑھ کر کہنے لگا:

"کہاں جا رہے ہیں آپ؟"

"گھر۔ اور کہاں؟"

"کیسا گھر؟ وہ تو بیچا جا چکا ہے۔ مشتری دروازہ پر بیٹھا آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ بکنے کی تو گواہی بھی گزر چکی۔ ہاں صرف آپ کا گھر ہی نہیں بلکہ ساری گلی کی گلی بک گئی"۔

میں نے خیال کیا کہ یہ سب کچھ سلطان کے لیے خریدا گیا ہو گا۔ اب میں گومگو کے عالم میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنے گھر کے دروازہ پر پہنچا۔ دیکھتا کیا ہوں یحییٰ کا ایجنٹ کھڑا ہے وہ میرے پاس آیا اور گویا ہوا۔

"اپنے گھر میں داخل ہو جیے، خدا آپ کو برکت دے۔"

میں خوش خوش اندر داخل ہوا تو ایجنٹ نے یحییٰ کا یہ فرمان سنایا۔

"ابو محمد اسحاق موصلی کے لیے وہ مکان خرید لیا جائے جس میں وہ کرایہ دے کر رہتا ہے مکان کے اس پاس جو زمین، جائداد اور مکانات وغیرہ ہیں وہ بھی خرید کر اسے دے دیے جائیں۔

اب ایجنٹ نے دوسرا فرمان سنایا جو یحییٰ نے اپنے بیٹے فضل کے نام بھیجا تھا:

"میں نے اسحاق موصلی کے لیے ایک لاکھ درہم منظور کیے ہیں جن سے اس کے لیے مکان خریدا جائے گا۔ اتنی ہی رقم تم بھی اس کو دو تاکہ جیسی چاہے اس کی ترمیم و توسیع کر سکے۔"

تیسرا فرمان یحییٰ نے اپنے بیٹے جعفر برمکی کے نام لکھا تھا:

"میں نے اسحاق موصلی کو ایک لاکھ درہم دیے ہیں تاکہ اس کے قیام کے لیے مکان خریدا جا سکے اور ایک لاکھ درہم تمہارے بھائی فضل سے دلوائے ہیں تاکہ مرضی کے مطابق اس کی مرمت وغیرہ کرا سکے تم بھی اس کو ایک لاکھ درہم دو تاکہ وہ اپنے نئے مکان کے شایانِ شان سامان خرید سکے۔

چوتھا فرمان یحییٰ نے اپنے چھوٹے بیٹے محمد کے لیے لکھا تھا۔ جس میں فرمایا تھا:

"میں نے ایک لاکھ درہم اسحاق موصلی کو دیے ہیں تاکہ اس کے لیے مکان خرید لیا جائے اور دو لاکھ تمہارے دونوں بھائیوں نے دیے ہیں تاکہ اس کے مکان کے لیے فرش فروش اور ضروری ساز و سامان خرید لیا جائے، ایک لاکھ درہم تم بھی دو جسے وہ اپنے عام مصارف میں لائے گا۔"

ایجنٹ نے مجھ سے کہا یہ سارا روپیہ میں اپنے ساتھ لایا ہوں۔ ستر ہزار درہم میں مَیں نے یہ مکان اور اس کے ملحقات خریدے ہیں۔ یہ دستاویزیں موجود ہیں جو میرے نام ہیں لیکن ان میں یہ تصریح ہے کہ میں نے یہ سب کچھ آپ کے لیے خریدا ہے۔ خدا آپ کو برکت دے۔"

میں نے سب چیزیں اپنے قبضے میں لے لیں۔ اب میں اپنے والد سے بھی زیادہ فارغ البالی اور اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگا۔

اب آپ ہی بتائیے برامکہ نے میرے ساتھ جو کچھ کیا گو ان کی دیگر بخششوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن میں اس پر ان کی ممنونیت کا اظہار کروں تو کیا مجھے ملامت کی جا سکتی ہے ؟"

فضل بن ربیع یہ باتیں سن کر فورِ تاثر سے رو پڑا۔ وہی نہیں بلکہ حاضرینِ مجلس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ سب نے بیک آواز کہا:

"خدا کی قسم تمہیں ملامت نہیں کی جا سکتی۔"

احسان شناس مرثیہ خواں

برامکہ کے مٹ جانے کے بعد اور ہارون کے وفات پا جانے کے بعد بھی جو لوگ آلِ برمک کے ممنونِ کرم تھے خون کے آنسو روتے رہتے تھے۔ برامکہ سے مامون کو بھی نفرت اور عداوت ورثہ میں ملی تھی۔ ایک مرتبہ اس کے پاس ایک شخص منذر بن مغیرہ لایا گیا۔ اس پر یہ الزام تھا کہ اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی برامکہ کو یاد کر کے روتا ہے۔

مامون یہ سن کر برہم ہو گیا۔ اس نے پوچھا

"کیا تو اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتا ہے ؟"

منذر نے جواب دیا۔

"امیر المومنین اگر انسانیت اور شرافت کوئی چیز ہے تو جب تک زندہ رہوں گا برامکہ کو یاد کرتا اور ان پر آنسو بہاتا رہوں گا۔ وہ میرے محسن تھے۔ انہوں نے مجھے فلاکت اور غربت کے بھنور سے نکال کر دولت اور عشرت کے ایوان میں پہنچا دیا تھا۔"

سلسلۂ بیان جاری رکھتے ہوئے منذر بن مغیرہ نے کہا:

"امیر المومنین! میری داستان سن لیجئے: میں کسی زمانہ میں مالدار اور دولت مند تھا۔ قسمت نے پلٹا کھایا اور میں غریب، مفلس، نادار اور قلاش بن گیا۔ سوچا بغداد جاؤں شاید وہاں بخت یاوری کرے، بغداد آیا، لیکن سوال پیدا ہوا کہ ٹھہروں کہاں؟ سرائے میں ٹھہر سکتا تھا لیکن کرایہ نہ تھا۔ کوئی ایسا دوست عزیز اور شناسا بھی نہ تھا کہ دروازہ پر دستک دیتا۔ آخر بیوی بچوں کو مسجد میں بٹھایا اور خود یحییٰ کے درِ دولت پر پہنچا۔ اس روز اس کے بھتیجے کی شادی تھی۔ حاضرین میں مَیں بھی بیٹھ گیا۔

قاضی سے یحییٰ نے کہا کہ آپ میرے بھتیجے کا عقد میری بیٹی عائشہ سے کر دیجئے۔ چنانچہ قاضی نے خطبہ پڑھا اور نکاح ہو گیا۔ چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اور یحییٰ نے جوشِ مسرت سے مشک و عنبر کی گولیاں لوگوں پر پھینکیں۔ امیر المومنین! خدا کی قسم میں نے تو اس لوٹ میں اپنی آستین بھر لی۔ جب نچھاور ہو چکی تو پھر ایک سو ایک خادم آئے۔ ان سب کے ہاتھ میں ایک ایک طبق تھا۔ اور ہر طبق میں ایک ہزار دینار رکھے۔ چنانچہ سب کے سامنے ایک ایک رکھ دیا گیا۔ ان لوگوں نے دینار اپنی آستینوں میں رکھ لیے اور طبق بغل میں دبا لیا اور رخصت ہو گئے۔ اب میں اکیلا رہ گیا۔ چونکہ مال زیادہ تھا اس وجہ سے میری جرأت نہ ہوئی تھی کہ میں بھی لے کے چلتا ہو جاؤں۔ ورنہ مفلسی کی وجہ سے یہ ہو سکتا تھا کہ یہ رقم چھوڑ کر خالی ہاتھ چلا جاؤں۔ جب مجھے اس کشمکش و پیچ میں ایک خادم نے دیکھا تو اشارہ کیا کہ دونوں چیزیں لے کے چلا جا۔ چنانچہ میں اٹھا کر چلا۔ لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا کہ میں گھر تک اس کو لے جاؤں گا، بلکہ میرا خیال تھا کہ اسے نوکر مجھ سے چھین لیں گے اس لیے پھر پھر کر پیچھے دیکھتا جاتا تھا، میری ان حرکتوں کو خود یحییٰ دیکھ رہا تھا۔ اس لیے جب پہلے دروازہ کے قریب پہنچا اور میں نے چاہا کہ پردہ ہٹا کر باہر نکل جاؤں کہ اتنے میں ایک خادم نے مجھے روکا اور یحییٰ کے پاس لے گیا۔ تب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ دینار چھین لیے جائیں گے۔

لیکن یحییٰ نے مجھے اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور مفصل حالات پوچھے۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ جس وقت میں نے کہا کہ میرے اہل و عیال بھوکے پیاسے مسجد میں بیٹھے ہیں اسی وقت اپنے بیٹے موسیٰ کو بلایا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص عالی خاندان ہے

اور کسی زمانہ میں صاحبِ ثروت تھا۔ اب حوادثِ ایام سے پریشان ہے اس کو اپنے گھر لے جاؤ اور مہمان داری کرو۔ چنانچہ ایک شبانہ روز میں موسیٰ کا مہمان رہا۔ بڑے تکلف کی دعوتیں کھائیں۔ لیکن اہل و عیال کی طرف سے طبیعت بے چین تھی۔ میں نے موسیٰ سے ان کا حال پوچھا تو جواب دیا کہ خدا ان کے رزق کا خود کفیل ہے۔ اس کے بعد ایک خلعتِ فاخرہ دے کر مجھے رخصت کیا۔ اور اپنے بھائی عباس کے سپرد کیا۔ اور کہا کہ مجھے امیر المومنین نے یاد فرمایا ہے یہ ہمارے ایک مہمان ہیں۔ آج آپ شرطِ مہمان داری ادا کیجئے۔ چنانچہ عباس نے بھی ویسی ہی مہمانداری کی جیسی کہ موسیٰ نے کی تھی۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایک ایک بھائی کا مہمان رہا۔ دسویں دن جعفر کی باری آئی۔ ایک دن یہاں بھی رہا۔ گیارہویں دن ایک خادم نے کہا کہ اب چل کر اپنے اہل و عیال سے ملئے۔ میں نے کہا کہ میں ناحق یہاں دس روز پڑا رہا۔ کچھ نقد بھی ہاتھ نہ لگا۔ اور جو انعام یحییٰ کے یہاں سے مجھے ملا تھا وہ بھی چھن گیا۔ کاش میں اسی دن چلا جاتا تو اچھا تھا۔

غرض کہ اسی دھن میں خادم کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا کہ اس نے ایک مکان کے دروازے پر لے جا کر کھڑا کر دیا اور کہا کہ یہی تمہارا مکان ہے۔ میں اس مکان کی رفعت و شان اور ساز و سامان دیکھ کر متحیر ہوا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ چنانچہ چار درجے طے کر کے میں مکان کے اندر پہنچا۔ وہاں میں نے اپنے اہل و عیال کو دیکھا۔ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ادھر ادھر پھر رہے ہیں اور ایک لاکھ درہم اور دس ہزار کا حلیہ بھی موجود ہے۔ اس کے بعد خادم نے دو موضع کی معافی کا قبالہ میرے حوالے کیا اور کہا کہ یہ مکان مع اسباب کے تمہارا ہے امیر المومنین! اسی شان و شوکت سے میں تیرہ برس تک برامکہ کا خدمت گزار رہا۔ ان کی فیاضیوں اور مہربانیوں سے کسی کو یہ تمیز نہیں ہو سکتی تھی کہ آیا میں بھی آلِ برمک سے ہوں یا کوئی غیر۔ اور اب بھی جو کچھ ہے انہی کے خوانِ کرم کا صدقہ ہے۔ لیکن جب ہارون نے اس خاندان کو برباد کر دیا تو مجھ پر بھی سخت مصیبت پڑی اور میری جو معافی تھی اس پر عمرو بن مسعدہ نے لگان تشخیص کر دیا۔ اب اس میں کچھ منافع نہیں ہے اور سرکاری لگان کی ادائیگی کے بعد مجھے کچھ نہیں بچتا۔

اب میں برامکہ کو یاد کرتا ہوں اور ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔

مامون رشید یہ حال سن کر متاثر ہوا اور اسی وقت عمرو بن مسعدہ کی طلبی کا حکم دیا۔ جب

وہ حاضر ہوا تو پوچھا کہ اس شخص کو پہچانتے ہو کون ہے؟

عمرو نے کہا ہاں واقف ہوں، یہ برامکہ کا ایک جاگیردار ہے اور اس کی معافی پر لگان لگا دیا گیا ہے۔

چنانچہ مامون الرشید نے اسی وقت حکم دیا کہ بندوبست سے آج تک جو رقم وصول ہوئی ہے وہ سب واپس کی جائے اور بدستور معافی رہے۔

مامون الرشید کا یہ حکم سن کر منذر دمشقی خوب رویا۔ مامون نے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا موقع ہے؟ دیکھو میں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

منذر نے کہا امیر المومنین کا ارشاد صحیح ہے لیکن هذا ایضاً من صنائع البرامکۃ یعنی یہ فیاضی بھی برامکہ کی ہی بدولت ہے نہ میں ان کے حال پر روتا نہ آپ کو خبر ہوتی، نہ یہاں تک پہنچتا نہ یہ صلہ ملتا۔

ابراہیم بن میمون کہتا ہے کہ مامون نے بھی تسلیم کیا اور کہا۔ لعمری هذا ایضاً من صنائع البرامکۃ بے شک برامکہ کے احسان اور فیاضی پر جس قدر تو آنسو بہائے تجھ کو سزاوار ہے، جس قدر غم کرے وہ تھوڑا ہے۔ اس وقت سے منذر کا قول ضرب المثل بن گیا اور عرب میں اسے ہر موقع پر استعمال کیا جاتا تھا۔

عالی ظرفی اور جذبۂ رحم

یحییٰ کے علوِ ظرف اور جذبۂ رحم و کرم کا اندازہ اس واقعہ سے ہو گا کہ ایک تباہ حال اور آشفتہ روزگار شخص عبداللہ بن مالک کے پاس جو ہارون کی طرف سے مصر کا گورنر تھا، پہنچا۔ اور اس کو یحییٰ کا ایک مکتوب دیا کہ یہ شخص مستحقِ امداد و اعانت ہے اس کی سرپرستی کر کے مجھے ممنون کیجئے۔

عبداللہ اور یحییٰ میں برسہا برس سے مخالفت اور چشمک چلی آ رہی تھی۔ عبداللہ کو یقین نہ آیا کہ یہ خط یحییٰ کی طرف سے ہو سکتا ہے۔ اس نے تصدیق کے لیے اپنے سفیر متعینہ بغداد کو لکھا کہ یہ خط پیش کر کے یحییٰ سے تصدیق کرے کہ کیا واقعی یہ خط اسی کی طرف سے لکھا گیا ہے۔

عبداللہ کے سفیر نے جو دربارِ خلافت میں رہتا تھا یحییٰ سے یہ واقعہ بیان اور وہ خط جو آیا تھا پیش کر دیا۔ یحییٰ اس وقت اپنے ندیموں سمیت بیٹھا ہوا تھا۔ خط کا مضمون پڑھ کر

سفیر کو رخصت کر دیا اور کہا کہ آپ کو کل جواب ملے گا۔

اس نے حاضرین سے پوچھا اس شخص کی کیا سزا ہے جس نے جعلی خط بنا کر میرے دشمن کے سامنے پیش کیا ہے؟

سب نے مختلف جواب دیے۔ کسی نے قتل، کسی نے قطع ید اور کسی نے سزائے تازیانہ تجویز کی۔

یحییٰ نے اپنے مشیروں کی تجویز سن کر افسوس کیا اور کہا کہ حیف ہے تم میں سے ایک بھی صاحب مروت نہیں۔ معاذ نے جو کچھ کیا ہے میرے کرم اور میری فیاضی کے بھروسے پر کیا ہے۔ مجھے ہرگز نہیں منظور ہے کہ معاذ عبداللہ کے روبرو شرمندہ ہو۔ علاوہ ازیں عبداللہ اور میرے درمیان اس طرح صفائی بھی ہو جائے گی۔ گویا منجانب اللہ یہ سامان ہو گیا ہے۔ پھر قلم اٹھا کر اپنے ہاتھ سے اس مضمون کا خط عبداللہ کو لکھا کہ آپ کا خط میرے پاس پہنچا۔ صحت و عافیت کا مژدہ سن کر کمال مسرت ہوئی، معاذ نے جو خط پیش کیا ہے وہ خاص میرا ہی لکھا ہوا ہے۔ آپ کو اس پر شک کیونکر ہوا۔ معاذ میرا دوست ہے اور قابلِ عزت ہے۔ جو کچھ آپ اس پر احسان کریں گے وہ مجھ پر احسان ہو گا۔

یہ خط تہہ کر کے سفیر کے سپرد کیا۔ عبداللہ نے یہ خط پڑھا تو بہت خوش ہوا اور معاذ سے کہا کہ مدت سے ہم دونوں میں رنج تھا۔ آپ کے ذریعے سے صلح ہو گئی۔ پھر عبداللہ نے دو لاکھ درہم، دس عربی گھوڑے مع زینِ مرصع اور بیس تھان قیمتی کپڑوں کے، دس غلام مع ساز و سامان اور ظروف طلا و نقرہ مرحمت فرمائے اور نہایت اعزاز سے بغداد روانہ کیا۔

جب معاذ بغداد آیا تو سیدھا یحییٰ کے گھر پہنچا۔ اطلاع ہونے پر اندر بلایا گیا۔ یحییٰ نے کہا میں نے آپ کو نہیں پہچانا۔ معاذ خوف کے مارے یحییٰ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور عرض گزار ہوا۔ میں وہ ہوں جس کو جور و ستم زمانہ نے مردہ کر دیا تھا۔ لیکن آپ کے ہاتھوں سے دوبارہ زندہ ہوں۔ آپ کی طرف سے جس نے جعلی خط بنا کر عبداللہ بن مالک کے سامنے پیش کیا تھا وہ ملزم میں ہی ہوں۔

یہ سن کر یحییٰ نے کہا کہ آپ نے بہت اچھا کیا۔ فرمائیے عبداللہ نے کیا سلوک کیا معاذ

نے تفصیل سنائی اور کہا تمام اسباب در دولت پر حاضر ہے۔ اب حکم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یحییٰ نے سُنا تو بہت خوش ہوا۔ اور کہا کہ آپ کا مجھ پر بڑا احسان ہے کہ میرے اور عبداللہ کے درمیان جو عداوتِ قلبی تھی وہ دور ہو گئی اور خوش ہو کر حکم دیا کہ جس قدر عبداللہ نے دیا ہے اتنا ہی ہماری طرف سے معاذ کو دیا جائے۔ چنانچہ اسی قدر دے دیا گیا۔ اس کے بعد اپنے مصاحبوں میں معاذ کو داخل کر لیا۔

سخاوت اور فیاضی یحییٰ کی سخاوت اور فیاضی کا ایک اور مُنہ بولتا واقعہ: مخارق کا بیان ہے کہ گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ہارون رشید جلوہ فرما تھا۔ میں نے کہا اس وقت بے اختیار میرا جی چاہ رہا ہے کہ اپنے استاد ابراہیم موصلی کی خدمت میں حاضر ہوں، ابراہیم کے ہاں پہنچا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دہلیز پر دربان ایستادہ تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"استاد کا کیا حال ہے؟"

اس نے کہا "آئیے اندر آئیے"۔

میں اندر پہنچا۔ اُستاد بیٹھے ہوئے تھے۔ سامنے کچھ ہانڈیاں رکھی ہوئی تھیں جو کھد کھدا رہی تھیں۔ دو تین لوٹے بھی رکھے ہوئے تھے۔ ایک ستار بھی تھا، پردے کے پیچھے کچھ لونڈیاں تھیں۔ سامنے ایک کشتی رکھی تھی جس میں قرینے سے جام، پیالہ اور ساغر رکھا ہوا تھا۔ میں گنگناتا ہوا داخل ہوا۔ میں نے کہا ستار رکھنے سے فائدہ۔ اس میں سے راگ تو نکلتا ہی نہیں۔ استاد نے کہا۔ بیٹھو تو۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ یہ میرے پڑوس میں جو جائداد ہے ایک لاکھ درہم میں فروخت ہو رہی ہے۔ خدا جانتا ہے عرصہ دراز سے یہ آرزو لیے بیٹھا ہوں کہ اس جائداد کو خرید لوں، اب موقع آیا ہے۔ میں نے کہا تو یہ کون سا مشکل کام ہے۔ خدا نے آپ کو اس سے کہیں زیادہ دولت عطا فرمائی ہے۔

"ہاں یہ سچ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں کہ جو رقم جمع ہو چکی اس میں سے کچھ نکالوں"۔

"پھر اس وقت ایک لاکھ درہم آپ کو کون دے گا؟"

"یہ تو خود رشید سے بھی ملنے کی اُمید نہیں ہے چہ جائیکہ کوئی اور دے سکے"۔

میں نے یہ راگ ایجاد کیا ہے اسے سمجھو۔

اُستاد ستار لے کر بیٹھ گئے، یہ شعر اپنے نئے راگ میں انہوں نے گایا:

ترجمہ، "رفقا تو ہجوم یاس والم میں بھی سو رہے ہیں مگر فرطِ غم سے میری آنکھ نہیں لگتی۔"
اگر تجھے بخشش کی، منفعت کی، دولت کی طلب ہے تو یحییٰ کے دروازہ پر جا، وہ جود و کرم کا حلیف ہے۔

اُستاد نے کہا اب تم وزیر الوزرا یحییٰ برمکی کے درِ دولت پر جاؤ۔ تم دیکھو گے وہاں لوگوں کا تانتا لگا ہوا ہوگا، دروازہ پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ تم جلدی سے یحییٰ کے قریب قبل اس کے کہ کوئی دوسرا پہنچے پہنچ جانا۔ اگر وہ پوچھیں تو سارا ماجرا کہہ دینا اور کہنا میں چاہتا ہوں آپ کی فلاں کنیز اسے ازبر کر لے۔ یحییٰ اُسے بلائے گا اور تم سے کہے گا، اُسے میرے سامنے سکھاؤ پھر جو کچھ گزرے مجھے آکر بتانا۔

میں یحییٰ کے درِ دولت پر پہنچا اور اُستاد کی ہدایت کے مطابق عمل پیرا ہوا۔ وہی پیش آیا جو اُستاد نے بتایا تھا۔ جب میں کنیز کو گانا سکھا چکا تو یحییٰ نے مجھ سے پوچھا۔

ٹھہرو گے یا جاؤ گے؟

اب جانے کی اجازت چاہتا ہوں۔

یحییٰ نے جائداد کی قیمت ایک لاکھ درہم فوراً اُستاد کو بھجوا دی اور دس ہزار درہم مجھے عنایت کیے۔ میں روپے لے کر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ اپنی خوش ادا کنیزوں کے سامنے یہ دولتِ فراواں میں نے ڈھیر کر دی۔ مسند پر ٹھاٹھ سے تکیہ لگا کر بیٹھ گیا اور شراب و کباب میں مصروف ہو گیا۔ سارا دن کیف و طرب کے عالم میں گزر گیا۔

دوسرے دن میں نے کہا لاؤ ذرا اُستاد کو دیکھتے چلیں۔ میں پہنچا، وہی کل کا سماں آج بھی تھا۔ میں نے دیکھا اُستاد کچھ مُنہ پھلائے بیٹھے ہیں۔ پوچھا آپ کو ایک لاکھ درہم نہیں پہنچے۔

پہنچے تو۔

پھر؟

تم پر کل کیا گزری یہ بتاؤ؟

میں نے سارا قصہ کہہ سنایا۔ پھر میں نے پوچھا۔ اس پردے کے پیچھے کیا ہے؟ اُستاد نے کہا دیکھ لو۔ میں نے پردہ اُٹھایا تو دیکھا کہ کل والی دس تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں، پھر اب جاؤ اور کیوں نہیں خرید لیتے اُستاد؟

جو چیز گھر میں آگئی وہ باہر نہیں نکلتی۔

پھر کیا ہوگا؟

ایک اور نیا راگ سیکھو۔

میں اُستاد کے پاس بیٹھ گیا اور وہ نیا راگ بھی سیکھ لیا۔ استاد کی آواز سنی تو معلوم ہوا یہ راگ، یہ آواز، یہ سُر بالکل نیا ہے پہلے جو کچھ سنا تھا وہ اس کے مقابلے میں بالکل ہیچ تھا۔ اُستاد نے فرمایا۔

لے اب اُٹھو اور سیدھے فضل بن یحییٰ کے پاس جاؤ، تمہیں معلوم ہوگا وہاں باریاب ہونے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں، لیکن تم اجازت طلب کر کے جانا اور میری ساری کتھا سنانا۔ کل کا قصہ کہنا اور یہ بھی بتانا کہ اس کے باپ نے میرے اور تمہارے ساتھ کیسی دریا دلی کا مظاہرہ کیا، پھر اُسے بتانا کہ میرا یہ نیا راگ کل کے مقابلے میں کتنا اعلیٰ درجے کا ہے اور میں نے تمہیں اس لیے بھیجا ہے کہ تم اس کی کسی کنیز کو یہ سکھا دو۔

یہ ہدایات لے کر میں فضل بن یحییٰ کے در دولت پر گیا۔ اجازت لے کر اس کے پاس پہنچا، پوچھا کیا بات ہے؟

میں نے کل کی ساری رام کہانی سنا ڈالی۔

کہا خدا ابراہیم کو غارت کرے بڑا کنجوس ہے۔

پھر اس نے ایک خادم کو بلایا۔ وہ ستار لے کر بیٹھا اور میں نے "تلقین" شروع کر دی۔ میں ابھی اپنا گانا پورا بھی نہ کر پایا تھا کہ فضل ستار کے سامنے اپنی مسند پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

خدا کی قسم مخارق! تمہاری اور تمہارے اُستاد کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ تم ایک دن میرے پاس ٹھہر کیوں نہیں جاتے۔

میں نے معذرت کی۔ فضل نے فوراً بیس ہزار درہم میرے حوالے کیے۔ اور دو لاکھ درہم میرے اُستاد کے پاس بھیج دیے۔ میں تو اپنے درہم لے کر گھر پہنچا، تھیلیاں کھولیں اور کنیزوں کے سامنے ڈھیر کر دیں، شراب کے دَور چلے، کیف و سرور کی دُنیا میں کھو گیا۔

صبح ہوئی تو میں نے پھر خانۂ اُستاد، کا رُخ کیا۔ جس رنگ میں کل تھے اسی میں منہ پھلائے بیٹھے تھے۔ گنگناتا ہوا داخل ہوا۔ اُستاد نے کہا قریب آؤ۔

فرمائیے!

یہ پردہ اُٹھاؤ!

میں نے پردہ اٹھایا تو کل کی اور پرسوں کی تھیلیاں جوں کی توں رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے پوچھا:

"یہ کیا ہے؟"

"کم بخت جانتا نہیں، جو روپیہ میرے پاس آ گیا وہ پھر باہر نہیں جاتا۔"

"میں نہیں سمجھ سکتا کوئی ایسا آدمی بھی ہو سکتا ہے جسے اتنی دولت ملے اور پھر اپنی محبوب و مرغوب چیز کنجوسی کی وجہ سے نہ لے سکے۔"

"بیٹھو بیٹھو، یہ نیا راگ سیکھو۔"

اب اُستاد نے اپنے نئے راگ کی مجھے تعلیم دی، خدا کی قسم پہلے کے دونوں راگوں کو گویا میں اس کے آگے بھول گیا۔ اُستاد نے پوچھا:

"سچ کہنا ایسا راگ کبھی سنا ہے؟"

"کبھی نہیں اُستاد!"

"اب تم جعفر برمکی کے پاس جاؤ۔"

میرے لیے چارۂ کار ہی کیا تھا، روانہ ہوا۔

جعفر کو میں نے یحییٰ اور فضل کے ہاں کا سارا قصہ سنایا۔ پھر اُستاد کا نیا راگ بھی سنایا۔

جعفر بہت مسرور ہوا۔ فوراً سازندے طلب ہوئے، ایک کنیز بلائی گئی۔ خود جعفر ایک مرصع کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور کہا۔

"ہاں مخارق شروع کرو"

میں نے تعمیل کی، جعفر نے کہا:

"مخارق تم خوب گاتے اور تمہارے استاد نے بہت خوب راگ ایجاد کیا، آج یہیں کیوں نہ رہ جاؤ۔"

میں نے عذر کیا جو مسموع ہوا، خزانچی کو حکم ہوا کہ مجھے تیس ہزار درہم دیے جائیں اور ابراہیم کے پاس تین لاکھ درہم بھیج دیے جائیں۔"

میں تو حسبِ معمول یہ دولتِ کثیر لے کر گھر پہنچا۔ دوستوں اور رفیقوں کے ساتھ خوب رنگ رلیاں منائیں، سارا وقت عیش و طرب میں گزر گیا۔

صبح ہوئی تو میں پھر اُستاد کے پاس پہنچا، وہ ٹہل رہے تھے، کہنے لگے:

"مخارق شاباش"

"کیا ہوا؟"

"بیٹھو"

میں بیٹھ گیا، پھر پردہ اُٹھایا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ درہم ہی درہم رکھے ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا:

"جائداد کا کیا ہوا؟"

استاد نے ایک کاغذ نکالا اور میرے سامنے رکھ دیا۔ فرمایا یہ ہے جائداد کا قبالہ اسے یحییٰ بن خالد برمکی نے خریدا اور مجھے بخش دیا۔ اس کے ساتھ ایک خط بھی لکھا ہے وہ بھی دیکھ لو۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ جائداد خواہ تمہیں کتنا ہی روپیہ مل جائے خود نہیں خرید سکو گے۔

"میں اس جائداد کو خرید کر قبالہ تمہیں بھیج رہا ہوں۔"

یہ خط اور قبالہ دکھا کر ابراہیم رونے لگا:

" مخارق انہی لوگوں کے ساتھ زندگی کا، مسرور رہنے کا اور اُٹھنے بیٹھنے کا لطف ہے۔ یہ دیکھو چھ لاکھ درہم، ایک لاکھ کی جائداد اور ساٹھ ہزار درہم یہ سب میں نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے حاصل کر لیے، ایسے قدر دان قسمت ہی سے ملتے ہیں۔"

فارسی طبیب سے حسنِ سلوک ایک مرتبہ یحییٰ سخت بیمار پڑا، درباری حکیموں اور طبیبوں نے علاج اور دوا دوش میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا، لیکن مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اطلاع ملی کہ فارس میں ایک یکتائے روزگار طبیب حذاقت میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ وہ بلایا گیا۔ اُس نے تندہی کے ساتھ علاج شروع کر دیا۔ دو ہفتے کے علاج میں یحییٰ کو کامل صحت ہو گئی۔ غسلِ صحت کے دن ظروفِ نقرہ، جامہائے قیمتی، اسپانِ مطوق، زر و جواہر اور نقدی ملا کر تیس ہزار دینار یحییٰ نے صلے میں دیے۔ علاوہ اس کے دو ہزار درہم اور خلعت فضل نے اور ایک لاکھ درہم مع تحائف کے جعفر نے طبیب کو انعام دیا اور برامکہ کی ایک فیاضی سے تمام عمر کے لیے طبیبِ فارس دولت مند ہو گیا۔ سچ یہ ہے کہ خاندانِ برامکہ اہلِ کمال کا شائق تھا۔

ایک حکیم کا وظیفہ علامہ ابن ابی اصیبعہ نے عیون الانباء میں جبرئیل بن بختیشوع حکیم کی سالانہ آمدنی کا ایک نقشہ دیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سالانہ وظیفہ جبرئیل کو جو صرف برامکہ سے ملتا تھا وہ یہ ہے:

یحییٰ بن خالد برمکی چھ لاکھ درہم، جعفر بن یحییٰ بارہ لاکھ درہم، فضل بن یحییٰ چھ لاکھ درہم، یہ رقم تو خاص تھی۔ اور مختلف موقعوں پر غسلِ صحت کے وقت جو دیا جاتا تھا وہ رقوم خارج از حساب ہیں۔

اہلِ علم کی قدردانی خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں علامہ ابو عبداللہ محمد بن عمر الواقدی کے ترجمے میں لکھا ہے کہ علامہ مذکور مدینہ میں گندم کی تجارت کیا کرتے تھے۔ لیکن تجارت میں جو روپیہ لگا ہوا تھا وہ اور لوگوں کا تھا۔ اتفاق سے راس المال کے ایک لاکھ درہم تلف ہو گئے۔ تب یحییٰ برمکی کی خدمت میں

حاضر ہوتے۔ خدام اور حاجب نے جس وقت دستر خوان بچھا کر پیش کیا۔ کیونکہ سلاطین عام کا وقت تھا۔ سب کے ساتھ کھانے پر بیٹھ گئے۔ ابو عبداللہ کا بیان ہے کہ فراغ طعام کے بعد یحییٰ نے میرا حال پوچھا، میں نے سارا قصہ بیان کیا اور رخصت ہو کر میں چلا بھی گیا۔ میرے مکان پر ایک خادم پہنچا اور ایک تھیلی ہزار دینار کی پیش کی اور پیام دیا کہ یحییٰ نے سلام کہا ہے اس کو قبول فرمایئے اور کل پھر تشریف لایئے گا۔

میں نے وہ نذرانہ قبول کیا۔ چنانچہ متواتر چار روز تک یہی ہوتا رہا، تب میں نے جانا بند کر دیا۔ رخصت کے وقت دو لاکھ درہم اور ایک مکان مع سامان کے مرحمت فرمایا اور درخواست کی کہ میرے پاس سکونت اختیار کیجئے۔

میں نے دعا دی اور وعدہ کیا کہ بعد واپسی مدینہ منورہ کے حاضر خدمت ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا اور تمام عمر بغداد میں بسر کر دی۔

علماء و صلحاء کی خفیہ خدمت

علاوہ اس ظاہری فیاضی کے خفیہ طور پر بھی علماء اور صلحاء کی خدمت کیا کرتا تھا۔ علامہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ کسی نے یحییٰ کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ تو کہا کہ خدا نے مجھے سفیان کی دعا کی بدولت بخش دیا کیونکہ میں ایک ہزار درہم سفیان کو دیا کرتا تھا۔ اور وہ میرے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے۔

یحییٰ کے مقولے

یحییٰ کے بہت سے پُر مغز اور حکیمانہ مقولے بھی کتب تاریخ میں ملتے ہیں۔ منجملہ ان کے مشتے نمونہ از خروارے چند نمونے یہ ہیں:

"جس شخص نے مجھ سے گفتگو کی میں نے وہ گفتگو ادب اور لحاظ سے سنی، جب وہ شخص اپنا کلام ختم کر چکا تو یا تو اس کا ادب اور لحاظ میرے دل میں زیادہ ہو جاتا یا بالکل ہی دل سے محو ہو جاتا تھا۔

دوسرا مقولہ اس کا یہ کہ:

"اقرار اور وعدہ کی وفائی فیاض آدمی کے جال ہوتے ہیں جن میں کہ وہ شریف اور اچھے آدمی کی زبانوں سے تعریفیں اور توصیفیں پکڑتا ہے۔"

یحییٰ جب کبھی گھوڑے پر سوار ہو کر نکلتا تو اس کے ساتھ زرِ نقد کی تھیلیاں ہوا کرتی تھیں ہر تھیلی میں دو سو درہم ہو۔ تے تھے جو شخص اس سے سوال کرتا تھا اس کو ایک تھیلی دے دیتا تھا۔ فضل اور جعفر میں بھی یہی فیاضی برابر قائم رہی۔

یحییٰ کا ایک اور مقولہ یحییٰ کا قول ہے کہ جب زمانہ موافق ہو اس وقت بھی خوب فیاضی کرنی چاہیے، کیونکہ جود و کرم سے خزانے میں کمی نہیں ہوتی۔ اور جب ادبار ہو اس وقت بھی فیاضی سے ہاتھ نہیں روکنا چاہیے، کیونکہ دولت روکنے سے اس وقت نہ رُکے گی (کیونکہ دولت آنے جانے والی چیز ہے)

ایک عجیب واقعہ بادشاہ کس طرح یک جنبش سب لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ اصحاب عزیمت کیونکر طوفانِ قہر و عتاب کا رُخ اپنی دریادلی اور سخاوت سے موڑ دیتے ہیں۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو گا:

صالح بن مہران جو ہارون الرشید کے مقربین میں سے تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک دن خلیفہ نے مجھے بلایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھتا ہوں کہ ہارون الرشید بڑا خشمگین اور برہم بیٹھا ہے ذرا دیر بعد خلیفہ نے سر اٹھایا اور فرمایا: فوراً جاؤ اور منصور بن زیاد سے ایک کروڑ درہم وصول کرو۔ اگر وہ روپیہ ادا کرنے سے انکار کرے تو اس کا سر کاٹ کر ہمارے سامنے پیش کرو۔ اگر تم نے تعمیلِ حکم میں پس و پیش کیا تو میں اپنے والد مہدی کی رُوح کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ پھر تیرا سر کاٹ ڈالوں گا۔

صالح نے دریافت کیا کہ امیر المومنین! اگر منصور ایک حصۂ زر فوراً ادا کر دے اور بقایا کی ادائیگی کے لیے دوسرے دن کے لیے کسی کی ضمانت دے دے تو اس حالت میں کیا کیا جائے۔

خلیفہ نے کہا اگر وہ آج ہی ایک کروڑ درہم نقد نہ دے تو سر کاٹ ڈالنا۔

صالح کو یقین ہو گیا کہ خلیفہ منصور کے قتل کے درپے ہے۔ وہاں سے ملول و غمگین روانہ ہوا۔ کیونکہ منصور اس کا دوست تھا اور بغداد کے مشاہیر میں بہت ہی مقتدر تھا۔ صالح سیدھا منصور کے گھر گیا اور اسے الگ لے جا کر تمام کیفیت بیان کر دی۔ منصور

نے اپنے تئیں صالح کے قدموں میں ڈال دیا اور رو کر کہا۔ کہ امیرالمومنین میرے قتل کے درپے ہے، کیونکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ میرے پاس اتنا روپیہ ساری عمر میں کبھی جمع نہیں ہوا۔ پھر اتنی رقم میں ایک دن میں کیسے مہیا کر سکتا ہوں؟ برائے خدا ایک مہربانی کرو اور وہ یہ کہ مجھے گھر ہو آنے دو تاکہ سب سے آخری ملاقات کو لوں اور جس قدر میری جائداد ہے وہ میں تمہاری سپرد کرتا ہوں۔ میرے مرنے کے بعد اسے تقسیم کر دینا۔

صالح نے منصور کی یہ درخواست منظور کر لی۔

یہ غم انگیز اطلاع منصور کے گھر پہنچی تو شور و فغاں سے منصور کے گھر کہرام مچ گیا۔

صالح منصور کو قتل کے لیے لے جانے والا ہی تھا کہ منصور نے مایوسی کی حالت میں کہا کہ اے صالح یحییٰ کا گھر راستے میں واقع ہے۔ مجھے وہاں لے چلو، شاید وہ میری حالتِ زار دیکھ کر رحم کرے۔ صالح اس بات پر راضی ہو گیا اور منصور کے ساتھ یحییٰ کے مکان پر پہنچا یحییٰ نماز سے ابھی فارغ ہوا ہی تھا۔

یحییٰ نے منصور کی مصیبت اور بے چینی دیکھ کر سبب دریافت کیا۔ جب سارا حال معلوم ہوا تو خزانچی کو بلوایا۔ معلوم ہوا کہ جتنا روپیہ چاہیے اتنا خزانہ میں موجود نہیں ہے۔ آخر فضل اور جعفر اپنے دونوں بیٹوں کے یہاں سے روپیہ منگوا کر ستر لاکھ درہم جمع کر دیا۔ باقی کے لیے یحییٰ نے کل کا اقرار کیا۔ صالح نے یحییٰ سے کہا ہارون نے قطعی حکم دے دیا ہے کہ آج ہی سب مطالبہ منصور سے وصول کر لیا جائے اور اگر وصول نہ ہو تو سر کاٹ ڈالا جائے۔

جعفر نے جب یہ حال سنا تو اپنی ایک معتمد کنیز کو ہارون کی بہن فاطمہ کے پاس بھیج کر جس قدر روپیہ منصور کے مطالبہ میں کم تھا اس سے مستعار منگوایا۔ یہ شہزادی فاطمہ بڑی فیاض خاتون تھی۔ اس نے ایک بیش قیمت ہار کنیز کو دیا جس کی قیمت اس قدر تھی جتنی جعفر نے مستعار منگائی تھی۔ یحییٰ نے اس طرح ایک کروڑ درہم مہیا کر کے یہ سب روپیہ منصور کے ہمراہ حمالوں کے سر پر رکھوا کے بھیج دیا۔ خلیفہ نے صالح سے دریافت کیا یہ سب روپیہ کس طرح وصول ہوا؟

جب اسے تمام کیفیت معلوم ہوئی تو حکم دیا کہ روپیہ خزانے میں داخل کر دیا جائے اور منصور کو رہا کر دیا جائے۔

یحییٰ کو اپنے حضور میں بلوایا جب یحییٰ حاضر ہوا تو اس نے دریافت کیا امیر المومنین منصور پر آپ کی اس قدر خفگی کا کیا باعث ہے؟

ہارون الرشید نے جواب دیا کچھ تو یہ وجہ تھی کہ مجھے اس پر یہ شبہ ہو گیا تھا کہ وہ باغی ہو گیا ہے، لیکن خاص وجہ یہ ہے کہ منصور تم سے بہت خراب سلوک کیا کرتا تھا حالانکہ تم نے اب بھی اس کی جان بچائی۔

پھر خلیفہ نے خود ہی یحییٰ سے کہا کہ تم نے شہزادی فاطمہ سے ہار منگایا۔ یہ بہت بڑی بات ہوئی۔

یحییٰ نے جواب دیا امیر المومنین! جب اللہ تعالیٰ انسان پر مصیبت ڈالتا ہے تو وہ اس سے خلاصی پانے کے لیے کسی سے مدد چاہا کرتا ہے۔

یہ سن کر ہارون ہنس پڑا شہزادی فاطمہ کو بلا کر اسے بہت برا بھلا کہا کہ تم نے اس کام میں کیوں شرکت کی؟

فاطمہ نے جواب دیا میں یحییٰ برمکی کو اپنے باپ کی جگہ سمجھتی ہوں اس لیے اس کی فرمائش میں رد نہیں کر سکتی۔

خلیفہ کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور وہ ہار شہزادی فاطمہ کو واپس دے دیا۔ لوگوں کا اژدحام جو ایوانِ خلافت کے باہر جمع ہو گیا تھا یحییٰ اور منصور کو زندہ آتے دیکھ کر بہت ہی متعجب ہوا۔ اور مسرور بھی۔

داستانِ زوال

یہ تو تھی داستانِ عروج۔ اب آفتابِ اقبال ڈھلتا ہے۔ قسمت کا ستارہ گردش میں آتا ہے اور ادبار و زوال کا دور شروع ہوتا ہے۔

حکیم جبرئیل بن بختیشوع کہتا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ایک دن قصرِ خلد میں بیٹھا

ہوا تھا کہ میں بھی وہاں جا نکلا۔ وسط میں دریائے دجلہ کا منظر عجب لطف دے رہا تھا۔ سامنے سے آلِ برمک کی رفیع الشان عمارتیں نظر آ رہی ہیں۔ یحییٰ برمکی کے دروازے پر سوار اور پیادوں کا ہجوم ہو رہا تھا۔ رشید نے دیکھا تو کہا:

"خدا یحییٰ برمکی کا بھلا کرے، غریب ہمارے واسطے کیسی سخت محنت اٹھاتا ہے، ہم اس کی بدولت آرام سے عیش کرتے ہیں۔"

حکیم مذکور کہتا ہے کہ ایک زمانے کے بعد پھر مجھے قصرِ خلد میں جانے کا اتفاق ہوا اور وہی گزشتہ سماں آنکھوں کے سامنے تھا۔ اس روز میں نے رشید کو یہ کہتے سنا:

"درحقیقت میں یحییٰ خلافت کرتا ہے میں تو برائے نام ہوں۔"

میں اسی وقت سمجھ گیا کہ بس اب برامکہ کی خیر نہیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہارون کا طرزِ عمل

بادشاہ جب کسی وزیر یا با اقتدار شخص کو ہدفِ ستم بنانا ہے تو کبھی دفعتہً بیک جنبشِ لب اس کی قسمت کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ اور کبھی یہ عمل رفتہ رفتہ انجام پاتا ہے۔ یحییٰ کا زوال اسی طرح ہوا۔

ہارون الرشید کے طرزِ عمل اور روزانہ معاملات میں یحییٰ کو اپنی تباہی کے آثار نظر آ رہے تھے اور دن رات اسی ادھیڑ بن میں رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یحییٰ کے قویٰ بالکل مضمحل ہو گئے اور حزن و ملال کی علامتیں اس کے چہرے پر نظر آنے لگیں جب رشید نے یحییٰ کو دیکھا کہ وہ بالکل تحلیل ہو گیا ہے اور ہر وقت اس پر اداسی چھائی رہتی ہے تو ایک دن یحییٰ سے پوچھا کہ میں ان دنوں آپ کو بحالتِ پریشان دیکھتا ہوں اس کا باعث کیا ہے؟ یحییٰ نے جواب دیا کہ "اس شخص کا حال نہ پوچھئے جس کے سامنے موت کا فرشتہ کھڑا ہو۔"

خلیفہ نے تجاہلِ عارفانہ سے یحییٰ کو جواب دیا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ میری حیات میں آپ کو اس قسم کے واقعات پیش آ دیں، آخر وہ ہے کون جس کی طرف سے آپ کو خدشہ ہے؟ یحییٰ نے کہا کہ سوائے امیر المومنین کے اور کون ہے؟ جس سے مجھے خوف ہو سکتا ہے میری مشکلات کی انتہا آستانۂ خلافت تک ہے، خود سلطنت ہمارے خاندان کی دشمن ہے۔

بھی باعث میری پریشانی کا ہے۔"

یحییٰ کی تقریر سن کر خلیفہ نے بہت سی قسمیں کھائیں اور کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں کسی قسم کی برائی نہ کروں گا۔

یحییٰ نے کہا کہ مجھے زبانی باتوں کا اعتبار نہیں، کیونکہ جب غضب کی آگ بھڑکتی ہے تو اس وقت معاہدہ اور حلف کا خیال نہیں رہتا۔ تب خلیفہ نے ایک کاغذ پر ان قسموں کو جن کا زبانی اقرار کیا تھا، لکھا اور بطور معاہدہ کے کچھ اور بھی اضافہ کیا۔ تکمیل کے بعد عبداللہ بن علی، عباس بن محمد، محمد بن ابراہیم اور موسیٰ بن عیسیٰ (جو بنی ہاشم سے تھے) اس معاہدہ پر دستخط ہوئے، علاوہ اس شہادت کے ارکانِ فوج کی بھی مہریں ہوئیں اور دستاویز یحییٰ کے حوالے کر دی گئی۔ اور دستاویز دیتے وقت ہارون نے کہا:

بخدائے لایزال میرے دل میں کبھی خاندانِ برامکہ کی برائی کا خیال بھی نہ آئے گا، ہارون کی اس کارروائی سے یحییٰ بہت خوش ہوا اور اپنے بیٹے فضل سے کہا کہ:

"اس کاغذ کو با احتیاط رکھنا کسی وقت کام آئے گا۔"

فضل نے کہا کہ: اگرچہ ہارون میرا بھائی (برضاعت) ہے لیکن انتقام کے وقت اپنی تحریر کا وہ کچھ بھی خیال نہ کرے گا بلکہ اس کا جو جی چاہے کر گزرے گا۔"

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

خانہ کعبہ کے سامنے کچھ روز بعد یحییٰ حج کرنے گیا۔ حرم کا پردہ پکڑ کر یہ مناجات کرتا ہے:

"اے خدا میں گنہ گار ہوں، اور میرے گناہ بھی بے شمار ہیں جس کو تیرے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اگر تیری یہی مرضی ہے کہ مجھ کو سزا دی جائے تو میں راضی ہوں لیکن یہ سزا مجھ کو دنیا ہی میں دی جائے مجھے کچھ افسوس نہ ہوگا۔ اگرچہ میری دولت اور میرے اہل وعیال مجھ سے چھین لیے جائیں لیکن اے خدا میری عزت باقی رہے۔"

یہ دعا کر کے دروازہ مسجد حرم تک پہنچا تھا کہ پھر لوٹ آیا اور کہا اے خدا

اپنی عزت کو میں نے دعا میں مستثنیٰ کیا ہے۔ نہیں۔ تو یہ بھی سلب کرلے۔ میں راضی ہوں۔"

آل برمک پر مظالم

جعفر کو قتل کرنے کے بعد ہارون نے یحییٰ اور برمکی خاندان کے تمام سربرآوردہ اصحاب کو حوالۂ زنداں کر دیا۔

آخر ۱۹۰ھ (۸۰۵ء) میں بمقام رقہ فوت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال کی تھی فضل برمکی نے جنازے کی نماز پڑھائی اور نہر فرات کے کنارے ربض ہرثمہ میں دفن کیا گیا۔

یحییٰ کا آخری خط ہارون کے نام

ابن خلکان کی روایت ہے کہ انتقال کے وقت یحییٰ کو کسی قسم کا عارضہ نہ تھا۔ لیکن متواتر صدمات اور بڑھاپے کی وجہ سے وہ تحلیل ہو گیا تھا۔ ایک مؤرخ لکھتا ہے کہ جب یحییٰ کی موت کا وقت قریب آگیا تو اس نے اپنے قلم سے ایک رقعہ لکھا اور فضل کو وصیت کی کہ میرے بعد اس کو خلیفہ ہارون الرشید کے پاس بھیج دینا۔

مضمون اس کا یہ تھا:

"مدعی دادخواہی کے واسطے عدالت کے کٹہرے میں جاتا ہے اور تو بھی پیچھے آنے والا ہے۔ خدا عادل اور منصف ہے۔ پیشی کے وقت وہاں معلوم ہو جائیگا۔"

ہارون کے سامنے

خاندانِ برامکہ کے زوال کے بعد ہارون الرشید نے تمام شاعروں کو ممانعت کر دی کہ کوئی ان پر مرثیہ نہ پڑھے اور نہ لکھے جو شخص ایسا کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اتفاقاً ایک رات نگہبانانِ شب برامکہ کے مسمار شدہ مکانات اور کھنڈروں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ ان کو وہاں ایک شخص ملا جس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اور اس میں آلِ برمک کے لیے مرثیے لکھے ہوئے تھے۔ ان مرثیوں کو وہ شخص پڑھتا اور روتا جاتا تھا۔

سپاہیوں نے اس شخص کو گرفتار کرلیا اور ہارون الرشید کے حضور میں لے گئے۔ خلیفہ

کے سامنے جاتے ہی اس شخص نے مرثیہ پڑھنے کا اقبال کر لیا۔ خلیفہ نے کہا اس بارے میں میں نے ممانعت کر رکھی ہے کیا وہ تم نے نہیں سنی؟ میں تم کو ایسی سزا دوں گا جو دوسروں کے لیے باعثِ عبرت ہو۔ اس شخص نے کہا کہ امیر المومنین! اوّل میرا قصہ آپ سُن لیں بعد ازاں آپ کا جو دل چاہے وہ سزا دیں۔ خلیفہ نے کہا اچھا کہو۔

اس شاعر نے کہا:

میں ابتدا میں یحییٰ برمک کا ایک ادنیٰ محرر تھا۔ ایک دن یحییٰ نے مجھ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم کسی روز میری دعوت کرو۔

میں نے جواب دیا۔ وزارت پناہ میں ایسی عزت کے حصول کے قابل کب ہوں۔ اور نہ میرا مکان اس قابل ہے کہ آپ جیسا ذی شان شخص وہاں رونق افروز ہو کر دعوت تناول فرمائیے۔ یحییٰ نے میرا عذر منظور نہیں کیا۔ چنانچہ میں نے دعوت کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ جب میں حتی الوسع ان کو پورا کر چکا تو میں نے وزیر اعظم سے عرض کیا کہ اب آپ کسی دن اس خادم کے مکان پر قدم رنجہ فرمائیں۔ دوسرے دن یحییٰ مع اپنے دونوں بیٹوں فضل و جعفر اور چند خدمت گاروں کے میرے مکان پر آیا۔ اور دروازے پر گھوڑا ٹھہرا کر اتر پڑا۔ اور کہا کہ میں بھوکا ہوں۔ جلد میرے لیے کچھ کھانا لاؤ۔ اتنے میں اس کے بیٹے فضل نے مجھ سے آہستہ سے کہا کہ یحییٰ کو جانوروں کے گوشت کا زیادہ شوق ہے لیکن جو ماحضر ہو، وہ جس قدر جلد ممکن ہو لے آؤ۔ میں گیا اور جو کچھ جلدی میں ہو سکا کھانا لا کر اس کے آگے دسترخوان پر رکھا۔ یحییٰ کھانا کھا کر کھڑا ہو گیا اور میرے مکان میں ٹہلنے لگا اور مجھ سے کہا کہ تم مجھے اپنا پورا مکان دکھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میرا تو یہی مکان ہے جس میں آپ رونق افروز ہیں اور وہ آپ کے پیشِ نظر ہے سوائے اس کے اور کوئی میرا مکان نہیں ہے۔

اس نے کہا نہیں تمہارا ایک مکان اور بھی ہے۔ میں نے یحییٰ کو یقین دلایا کہ میرا تو صرف یہی ایک مکان ہے۔

اس نے پھر چند معماروں کو بلایا اور جب وہ آ گئے تو اس نے حکم دیا کہ اس دیوار کو توڑ کر جو میرے مکان سے ملحق تھی ایک دروازہ بنا دو۔

اس بات پر میں نے یحییٰ سے عرض کیا کہ وزارت پناہ میں ہمسایہ کی دیوار تڑوانا کس طرح گوارا کر لوں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے پڑوسیوں کی عزت اور لحاظ کرو۔

یحییٰ نے جواب دیا کوئی بات نہیں۔

اسی اثنا میں مزدوروں نے دیوار توڑ کر ایک دروازہ بنا دیا۔ یحییٰ اور ہم سب اس دروازہ کے اندر ہو کر اس طرف گئے۔ وہاں ایک باغ میں پہنچے جہاں طرح طرح کے میوہ دار درخت اور قسم قسم کے پھول کھل رہے تھے، فوارے متصل جاری تھے۔ غرض کہ جس چیز پر نظر پڑتی تھی دل کو اس نظارہ سے بے انتہا انبساط اور فرحت حاصل ہوتی تھی۔ مکانات، فرش و فروش اور شیشہ و آلات سے نہایت آراستہ اور سجے ہوئے تھے۔ نوکر چاکر، لونڈی غلام سب موجود تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کسی بڑے امیر کا مکان ہے۔ ہم سب وہاں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں یحییٰ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ یہ تمہارا مکان ہے اور یہ کل سامان مع لونڈی غلام سب تمہاری ملکیت ہے۔ میں نے بطور ادائے شکر یہ یحییٰ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اس کے لیے دعائے خیر مانگی۔ یحییٰ نے جعفر کو مخاطب ہو کر کہا کہ (نور چشم) یہ شخص غریب ہے اس سے اس قدر نوکر چاکر اور لونڈی غلاموں کا خرچ کیسے اٹھ سکے گا۔ جعفر نے عرض کیا کہ میں اس کو اپنی جاگیر دوں گا اور اس کا قبالہ ابھی اس کے پاس بھیج دوں گا۔ پھر یحییٰ اپنے دوسرے بیٹے فضل کی طرف رُخ کیا اور کہا کہ نور چشم من جاگیر اور جائداد کی آمدنی تو ایک عرصے میں آئے گی۔ اس وقت تک اخراجات کا کہاں سے کفیل ہو گا۔

فضل نے کہا میں اس کے خرچ کے لیے دس ہزار دینار دوں گا اور خود آ کر دے جاؤں گا۔

یحییٰ نے اپنے بیٹوں سے کہا جلدی جاؤ میں یہاں ٹھہرا ہوں تم نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کرو چنانچہ جو کچھ انہوں نے کہا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ میں نے اس کی جاگیر اور جائداد پر قبضہ کر لیا۔ اور زر نقد اپنے تصرف میں لے آیا۔ ان کے طفیل سے مجھے بڑی دولت مل گئی۔ میں نے اس سے بہت فائدہ اٹھایا اور اب تک اٹھا رہا ہوں۔ امیر المومنین! خدا گواہ ہے کہ میں نے ہر موقع پر ان کی شکر گزاری اور اپنی ممنونیت ظاہر کی، لیکن میرا خیال ہے کہ مجھ سے ان کا احسان کبھی ادا نہ ہو سکے گا۔ اگر آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اختیار ہے جو دل چاہے کیجئے۔

یہ حکایت سن کر ہارون بہت متاثر ہوا اور اس کے آنسو رواں ہو گئے۔ اس شخص کو

چھوڑ دیا اور تمام شاعروں کو اجازت دے دی کہ ہر دلعزیز لیکن بد قسمت خاندانِ برامکہ پر اگر کوئی مرثیہ لکھے یا پڑھے تو اس سے کوئی باز پرس نہ کی جائے۔

یہ تھی یحییٰ کی بیوی اور جعفر کی ماں

محمد بن غسان حاکم کوفہ کا بیان ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن میں اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر تھا کہ اس کی مجلس میں میں نے ایک ضعیف عورت کو دیکھا جو پرانی چادر اوڑھے ہوئے نہایت فصاحت و بلاغت سے بول رہی تھی میری ماں نے کہا کہ بیٹا اپنی خالہ کو سلام کرو۔

میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟

انہوں نے کہا یہ عتابہ ام جعفر برمکی ہیں۔

یہ دیکھ کر میں دنگ رہ گیا اور انقلاب زمانہ پر مجھے نہایت تعجب ہوا۔ پھر میں نے سلام کیا اور پوچھا کہ یہ کیا حال ہے بیان فرمائیے!

کہا:- اے بیٹا کیا پوچھتا ہے۔ دنیا ایک آنے جانے والی چیز ہے۔ کل کی بات ہے کہ عید کے دن میرے سرہانے چار سو کنیزیں کھڑی ہوتی تھیں، باوجود اس کے میرا خیال تھا کہ جعفر میری خدمت میں کوتاہی کرتا ہے اور ایک دن یہ ہے کہ میرے صرف دو پوستین ہیں جن میں سے ایک میرا اوڑھنا ہے اور ایک بچھونا۔

ماخذ

الاغانی، ہارون الرشید (پامر) البرامکہ، کامل ابن اثیر، ابنِ خلدون، ابنِ خلکان، المستطرف، اعلام الناس، حدیقۃ الاقالیم، طبقات الاطباء، جامع الحکایات، روضۃ الصفا، تاریخ الخلفاء، عقد الفرید، مسعودی۔

فضل برمکی

عادات و خصائل

یہ یحییٰ کا سب سے بڑا لڑکا تھا۔ دانا و بینا، ذکی و عاقل، سعادت مند و خوش اطوار، منچلے اور غنی دل، سراپا رحم و کرم، سراپا بخشش و عطا، سراپا جود و سخا، یحییٰ کو اس پر ناز تھا۔ یہ صحیح معنی میں آلِ برمک کا گلِ سرسبد تھا۔ باپ کا عصائے پیری، بھائی کا قوتِ بازو، خاندان کا سہارا، قوم و ملت کا پشتیبان، اسلام پر مفتخر، جذبۂ اسلامیت سے معمور اور مخمور۔

صاحبِ سیف و قلم

فضل نے اپنے باپ کی ساری خوبیاں ورثہ میں پائی تھیں۔ اس کی ایک بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ صاحبِ قلم اور صاحبِ سیف بھی!

۷ رجب ۱۴۸ھ مطابق ۲۹ اگست ۷۶۵ء فضل کی تاریخِ ولادت ہے۔

خبرزاں (مادرِ ہارون الرشید) کی گود میں ایک طرف فضل ہوتا تھا، دوسری طرف ہارون دونوں ایک ساتھ دودھ پیتے اور کھیلتے تھے۔ غرض کہ زمانۂ ولادت سے سنِ رشد تک فضل کی پرورش شہزادگانِ خلافتِ عباسیہ کی طرح ہوئی اور فضل کے بچپن کا زمانہ حقیقت میں اس کے آئندہ زمانہ کا آئینہ تھا۔ بصرین بخوبی سمجھتے تھے کہ کچھ دنوں بعد یہ ہمال تک میں بدر بن کر چمکنے والا ہے۔ اور در اصل ایسا ہی ہوا۔

طبقۂ وزراء میں جس قدر مشہور خاندان دنیا میں گزرے ہیں ان میں سے یہ خصوصیت برامکہ

کے حصے میں تھی کہ خلافتِ عباسیہ کی ایک باتوقیر محترم فضل کی دایہ بنے گی۔ فضل کے واسطے خصوصاً اور برامکہ کے واسطے عموماً اس سے زیادہ اور کیا فخر ہو سکتا ہے کہ خیزران اس کی مادرِ مہربان اور ہارون جیسا جلیل الشان خلیفہ اس کا برادرِ رضاعی تھا۔

ہارون کا رضاعی بھائی

عقل اور ہوش کی آنکھیں کھولتے کے بعد ہی فضل نے ان گراں بار ذمہ داریوں میں حصہ لینا شروع کر دیا جو خاندان کی طرف سے اسے تفویض ہوئی تھیں۔ جس طرح فضل کے سوا شاید کسی اور شخص کو یہ شرف حاصل نہیں تھا کہ وہ خلیفہ وقت کا برادرِ رضاعی ہے اسی طرح شاید کوئی شخص اس شرف میں شریک و سہیم نہیں تھا کہ وزارتِ عظمیٰ اسے ورثہ میں ملی، اور جو اقتدار یحییٰ کو ہارون پر حاصل تھا اس سے زیادہ فضل کو حاصل ہو گیا۔

سب سے پہلا وزیر ہارون الرشید کا یحییٰ برمکی تھا، لیکن جب یحییٰ ضعیف ہو گیا تو ۱۷۸ھ (۷۹۴ء) میں ہارون نے فضل کو وزیرِ اعظم مقرر کیا۔ تاہم یحییٰ کا اقتدار بدستور رہا۔ اور اہم معاملات کا تصفیہ ہمیشہ یحییٰ کی رائے پر ہوتا تھا۔ فضل کے چند روزہ عہدہ وزارت کا مشہور کارنامہ امین کی ولی عہدی ہے۔

تیز مزاج لیکن رحم دل

فضل اپنے مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے نہایت رحم دل اور بامروت تھا۔ لیکن بعض مورخین کہتے ہیں اسے غصہ جلد آتا تھا لیکن جس قدر جلد آتا تھا اسی سرعت سے ختم ہو جاتا تھا اور پھر اس کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا تھا۔

ہارون سے روابط

فضل کے ہارون سے کتنے گہرے روابط تھے۔ اور خاندانِ خلافت سے اس کے ذاتی تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔ اس کا اندازہ خود اس کی بیان کردہ ایک دلچسپ اور نتیجہ خیز حکایت سے ہو گا۔ یہ حکایت فضل نے اپنے والد یحییٰ برمکی سے بیان کی تھی۔

فضل نے یحییٰ سے کہا:

امیر المومنین ہارون ایک دفعہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کوٹھری میں لے گئے۔ وہاں سے

راستہ ایک اور کمرے میں جاتا تھا۔ اس دروازہ پر قفل لگا ہوا تھا۔ جب قفل کھولا گیا تو جس قدر غلام اور خادم ساتھ تھے امیر المومنین نے سب کو رخصت کر دیا۔ اس کمرہ کے اندر میں اور امیر المومنین رہ گئے۔ وہاں ہمیں ایک اور مقفل دروازہ ملا جس کو خلیفہ نے خود اپنے ہاتھ سے کھولا۔ جب ہم اس میں داخل ہو گئے تو خلیفہ نے دروازہ اندر کی جانب سے بند کر کے تالا لگا دیا۔ پھر ہم ایک قبہ دار کمرے میں پہنچے اور وہاں ایک کوٹھری کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ ہم کو اس کوٹھری میں سے آواز سنائی دی۔ امیر المومنین وہاں بیٹھ گئے اور آہستہ سے اپنی دونوں ہتھیلیاں بجائیں۔ تالی بجتے ہی ایک خوش الحان آواز ایک بانسری پر غزل گاتے ہوئے سنائی دی۔ وہ غزل میری ہی بنائی ہوئی تھی۔ میں اس غزل کو سن کر ایسا مسرور اور متاثر ہوا کہ امیر المومنین وہاں نہ ہوتے تو میں دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر پھوڑ ڈالتا۔ پھر یہ لہجہ تبدیل ہو گیا اور کمرہ کے اندر سے علیہ کے لہجے میں گانے کی آواز آئی۔ یہ لہجہ سن کر امیر المومنین پر اور مجھ پر وجد کی حالت طاری ہو گئی۔ امیر المومنین نے کہا کہ اب یہاں سے چلو ورنہ ہمارا برا حال ہو جائے گا۔ ہم وہاں سے چلے آئے۔ جب ہم محل کی ڈیوڑھی پر پہنچے تو امیر المومنین نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے کہا کہ تم جانتے ہو یہ کون عورت گا رہی تھی۔

میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین میں نہیں جانتا۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر میں تم کو اس عورت کا نام نہ بتاؤں گا تو میں جانتا ہوں کہ تم ہر کسی سے اس کا نام دریافت کر لو گے۔ اس لیے میں ہی تم کو بتلائے دیتا ہوں کہ وہ علیہ میری بہن تھی اور واللہ! اندریں بارہ اگر تم نے ایک حرف بھی زبان سے کہیں نکالا تو یقین رکھو کہ میں تم کو قتل کر دوں گا۔

داد و دہش فضل میں داد و دہش، شرافتِ نفس اور حاجت مندوں کی دستگیری کا جذبہ عام تھا۔ ممکن نہ تھا کہ اس کے پاس کوئی سائل آئے اور مایوس لوٹ جائے جن عالی مرتبت لوگوں کو وہ پریشان حال اور آشفتہ روزگار دیکھتا تھا ان کے لیے خاص طور پر جو زیادہ سے زیادہ کر سکتا تھا کر گزرتا تھا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

امام محمد بن ابراہیم جو محمد بن علی عبداللہ بن عباس کے پوتے تھے ایک دن فضل کے پاس آئے۔ ایک صندوقچہ جس میں جواہرات بھرے ہوئے تھے ان کے ساتھ تھا۔ انہوں نے

فضل سے کہا کہ میری آمدنی میری ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے اس وجہ سے میرے اوپر دس لاکھ درہم قرض ہو گئے ہیں اور مجھے اپنا حال ہر کسی سے کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ گو میں کافی ضمانت دے سکتا ہوں مگر میں کسی سوداگر کو بھی اپنے حال سے آگاہ نہیں کرنا چاہتا۔ تمہارا سوداگروں سے لین دین ہے۔ اس لیے یہ التماس ہے کہ یہ جواہر کسی سوداگر کے پاس رہن رکھ کے دس لاکھ درہم منگوا دو۔ فضل نے جواب دیا بسر وچشم منظور ہے مگر ایک شرط ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ آج تمام دن میرے پاس رہیں۔ محمد اس بات پر رضامند ہو گئے۔ فضل نے وہ صندوقچہ لے کر اسی طرح بند اور سر بمہر کر کے جس طرح کہ آیا تھا محمد کے مکان پر مع دس لاکھ درہم کے چپکے سے بھجوا دیا۔ اور ہرکارہ سے کہہ دیا کہ اس کی رسید لے آنا۔ فضل نے محمد کو اپنے پاس شام تک رکھا۔ جب شام کو محمد اپنے مکان پر واپس آئے تو دس لاکھ درہم اور صندوقچہ جواہرات دونوں چیزیں دیکھ کر بہت ہی خوش اور متعجب ہوئے۔ دوسرے دن علی الصبح فضل کے مکان پر محمد اس کا شکریہ ادا کرنے گئے۔ لیکن معلوم ہوا کہ فضل ابھی ہارون کے پاس چلا گیا ہے۔

محمد پھر ہارون کے محل کی طرف گئے۔ لیکن جونہی فضل کو ان کا آنا معلوم ہوا وہ دوسرے دروازہ سے نکل کر اپنے باپ یحییٰ کے مکان پر چلا گیا۔ اس کا وہاں جانا معلوم کر کے محمد بھی یحییٰ کے مکان پر گئے اور اب فضل سے ملاقات ہوئی۔ محمد نے فضل کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ میں آپ کی فیاضی کا شکریہ ادا کرنے صبح حاضر ہوا تھا مگر آپ نہ ملے۔ فضل نے جواب دیا کہ دس لاکھ درہم میں نے آپ کو بھیجے تھے لیکن میں نے پھر خیال کیا کہ یہ سب تو آپ اپنے قرض خواہوں کو دے دیں گے اور پھر خرچ کے لیے آپ کے پاس کچھ نہ بچے گا تو آپ کو دوبارہ قرض لینا پڑے گا۔ اس لیے میں نے آج صبح امیر المومنین کی خدمت میں گیا اور آپ کی حالت بیان کی امیر المومنین نے دس لاکھ درہم آپ کو عطا کیے ہیں۔ خلیفہ کے محل پر آپ سے میں نہیں ملا اور دوسرے دروازے سے چلا آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ روپیہ بھی آپ کے مکان پر نہ پہنچ جاتا اس وقت تک میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن اب وہ روپیہ پہنچ گیا ہو گا۔ محمد نے کہا تمہارا احسان مجھ سے کس طرح ادا ہو سکے گا۔ صرف اظہارِ تشکر یہ کا ایک طریقہ ہے

اور وہ یہ ہے کہ میں نہایت ہی پاک قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آج سے سوائے تمہارے نہ کسی کے پاس جاؤں گا اور نہ سوائے تمہارے کسی سے کچھ طلب کروں گا۔ محمد نے اس بات کی درحقیقت قسم کھائی اور پھر یہ قسم تحریر بھی کر دی اور بعد ازاں ہمیشہ اس قسم کے پابند رہے۔

فن کاروں کے ساتھ بھی اس کی دریا دلی اور جود و عطا کا عالم یہی تھا:

اسحاق موصلی پر انعام کی بارش

اسحاق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک بار میں نے ایک نہایت خوبصورت کنیز خریدی اور اس کے لکھانے پڑھانے میں محنت کر کے اس کو ہر علم میں طاق کر دیا اور اس کو فضل بن یحییٰ کو بطور ہدیہ کے پیش کرنا چاہا۔ لیکن فضل نے مجھ سے کہا کہ اے اسحٰق گورنر مصر کا سفیر ابھی میرے پاس سے گیا ہے اور مجھے وہ کچھ ہدیہ دینا چاہتا تھا، تم اس کنیز کو اپنے پاس رکھو۔ میں اس سے کہوں گا کہ میں نے سُنا ہے کہ اسحٰق کے پاس ایک نہایت حسین کنیز ہے وہ میری یہ خواہش پا کر یقیناً مجھے اس کنیز کو "تحفۃً" منظور کرنے کے لیے کہے گا میں اس کی درخواست منظور کر لوں گا۔ وہ جب تم سے خریدنے آئے تو اس کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ لینا۔

اسحاق کہتا ہے کہ میں اپنے گھر چلا گیا۔ سفیرِ مصر نے اس کنیز کو دیکھ کر دس ہزار قیمت لگائی۔ میں نے اس سے انکار کر دیا۔ اس نے قیمت اور بڑھائی اور بیس ہزار کہی۔ پھر تیس ہزار دینار کہے۔ اس قدر رقم عظیم قیمت کی سن کر مجھ سے تو صبر نہ ہو سکا اور میں نے یہ قیمت منظور کر کے کنیز کو اس کے حوالے کر دیا۔ دوسرے دن فضل کے پاس جا کر یہ سب واقعہ اس سے دہرایا۔ فضل مسکرایا اور کہا کہ سفیر روم بھی مجھے ایک تحفہ دینا چاہتا ہے میں اس سے بھی اس کنیز کا تذکرہ کروں گا۔ تم یہ کنیز اپنے مکان پر لے جاؤ اور سفیرِ روم کے آنے کے منتظر رہو۔ مگر پچاس ہزار دینار سے کم قیمت ہرگز نہ لینا۔

اسحاق کہتا ہے کہ میں اس کنیز کو اپنے گھر لے آیا۔ اتنے میں سفیرِ روم میرے گھر آیا۔ المختصر اس کے ہاتھ بھی میں نے اس کو تیس ہزار دینار پر بیع کر دیا۔ پھر جب میں فضل کے پاس گیا تو اس نے مجھے وہی کنیز دے دی اور کہا کہ سفیرِ خراسان بھی اسی طرح مجھ کو تحفہ

دینا چاہتا ہے اُس سے بھی میں نے اس کنیز کی بابت کہہ دیا ہے۔ میں گھر گیا، تھوڑی دیر میں سفیرِ خراسان میرے پاس آیا لیکن اس دفعہ میں نے چالیس ہزار دینار پر اس کو فروخت کیا۔ دوسرے دن فضل کے پاس گیا۔ اس نے کہا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس دفعہ میں نے چالیس ہزار دینار پر بیچا ہے۔ خدا کی قسم جب میں نے اس قدر رقم عظیم سُنی تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے اس کو فروخت کر دیا۔ اب آپ کے طفیل میں نے اس کنیز سے ایک لاکھ دینار پیدا کر لیے ہیں اور اب زیادہ کی ہوس نہیں ہے۔

یہ سن کر فضل نے اس کنیز کو بلوا کر مجھے پھر بخش دیا اور کہا کہ اس کو گھر لے جاؤ۔

میں نے کہا کہ یہ کنیز تو دنیا میں سب سے زیادہ خیر و برکت والی ہے۔ اسحاق کہتا ہے کہ میں نے پھر اس کنیز کو آزاد کر دیا اور آزاد کر کے اس سے شادی کر لی اور اب اس سے میری کئی اولادیں ہیں۔

ہجوگو کو انعام جو لوگ فضل کی بدگوئی اور ہجو کیا کرتے تھے وہ بھی سزا کے بجائے انعام پاتے اور مالا مال ہو کر واپس جاتے۔

ابو الهول حمیری شاعر نے ایک مرتبہ فضل کی ہجو لکھی اور پھر دربار میں حاضر ہوا۔ فضل نے پوچھا کہ اب کس منہ سے میرے سامنے آئے ہو؟

حمیری نے کہا کہ اسی مُنہ سے جس سے خدا کے سامنے جاتا ہوں۔ حالانکہ جتنا خدا کا گنہگار ہوں اتنا آپ کا نہیں۔

یہ برجستہ جواب سُن کر فضل ہنسنے لگا اور اس کو ایک معقول انعام دے کر رخصت کر دیا۔

مسافر نوازی فضل کے دروازہ پر ہر طرح کے لوگ امداد و اعانت کی اُمید میں آیا کرتے تھے۔ مایوس اور دل گرفتہ آتے تھے شادکام اور مسرور واپس جاتے تھے۔

ایک غریب سندھی آوارہ وطن، پریشان حال بغداد پہنچا۔ چونکہ سخت حاجت مند تھا ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ کوئی ایسا فیاض ہے جو میری اعانت کر سکتا ہو۔ بزرگانِ بغداد سے مجھے کسی قسم کی نسبت نہیں ہے، بلکہ یہ کہنا سچ ہے کہ مجھے عرب و عجم سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ پھر کون میری امداد کر سکتا ہے؟
لوگوں نے اس کو صلاح دی کہ بجز فضل برمکی کے اور کوئی حاجت روائی نہیں کر سکتا۔
غرض کہ وہ سندھی فضل کے درِ دولت پر حاضر ہوا۔ جب حاجب نے لے جا کر پیش کیا تو اس نے اپنی زبان میں ہزاروں دعائیں دے کر یہ عرض کیا کہ صرف آپ کی فیاضی کو وسیلہ قرار دے کر آپ کے غلاموں کا غلام اس دربار میں (جس کا مثل آج تمام دنیا میں نہیں ہے) حاضر ہوا ہے اور اپنی حاجت روائی کا امیدوار ہے۔
فضل نے ترجمان سے پوچھا کہ یہ شخص کیا کہتا ہے۔
ترجمان نے کہا:
یہ شخص امیر کی مہربانی اور فیاضیوں کی تعریف اور اپنی حاجت ظاہر کرتا ہے۔
فضل نے اس کی پریشانی پر نظر کر کے حکم دیا کہ دو ہزار دینار سرخ اور ایک سُرخ بالوں کا اونٹ جس کے دو کوہان ہوں دیا جائے اور ایک ہزار دینار سُرخ اور ایک گھوڑا مترجم کو مرحمت کیا۔ اور باوجود اس مہربانی کے اس سندھی سے معذرت کی کہ تمہاری مسافت اور سفر کے لحاظ سے قلیل رقم ہے لیکن سندھی اس عطیے کو دیکھ کر متحیر رہ گیا اور عرض کیا:
حضور والا یہ عطیہ نہ صرف میرے واسطے بلکہ میرے عیال و اطفال کے واسطے تمام عمر کافی ہے۔ اور دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا۔

ترویجِ علوم

علوم و فنون سے فضل برمکی کو کتنا لگاؤ تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس نے توسیع و ترویجِ علوم کے لیے وہ تمام وسائل اور ذرائع استعمال کیے جو اس کے بس میں تھے۔
فضل برمکی نے اپنے اہتمام اور توجہ سے کاغذ بنانے کا کارخانہ جاری کیا۔ اس کارخانے کے کھلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم و فنون گھر گھر پھیل گئے اور ہر علم پر جداگانہ تصنیفیں ہونے لگیں اور مذہبی تصانیف تو اس کثرت سے ہوئیں کہ جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔

سفارش کرنے والے کی مدد

حد یہ ہے کہ فضل کے کانوں تک اگر کوئی شخص کسی حاجت مند کا حالِ زار پہنچاتا تو نہ صرف اس

حاجت مند کو مالا مال کر دیا جاتا بلکہ سفارش کرنے والا بھی انعام و اکرام سے محروم نہ رہتا۔

ایک ہاشمی خلف مصری سے روایت کرتا ہے کہ میں ایک دن یحییٰ بن معاذ کی ڈیوڑھی پر حاضر ہوا تو خلاف معمول دروازہ بند پایا۔ کوئی دربان بھی نہ تھا۔ لیکن میں دروازہ کھول کر اندر گیا اور یحییٰ سے حالات دریافت کئے تو فرمایا کہ قرض خواہوں کے خوف سے خانہ نشین ہو گیا ہوں۔ میں نے پوچھا قرضہ کس قدر ہے تو کہا تین لاکھ درہم۔

اس کے بعد میں چلا آیا اور فضل برمکی سے یحییٰ بن معاذ کی حالت بیان کی۔ یحییٰ کا حال سن کر فضل چپ ہو رہا لیکن جب میں مکان پر پہنچ گیا تو فضل کا خط ملا جس کا مضمون یہ تھا۔

آپ نے مجھے یحییٰ بن معاذ کے حالات کی اطلاع دی، اس کے صلے میں ایک لاکھ درہم آپ کو اور تین لاکھ درہم یحییٰ کو بھیجتا ہوں تاکہ وہ اپنا قرضہ ادا کریں۔

جذبۂ مذہبی

فضل کا جذبۂ مذہبی اتنا محکم تھا کہ نو مسلم ہونے کے باوجود سابق مذہب کے خاندانی آثار و نقوش اس کے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔

مورخین نے فضل کے تذکرے میں اس واقعہ کو نہایت استعجاب کی نظر سے دیکھا ہے جب فضل خراسان کا دورہ کرتے ہوئے بلخ میں پہنچا تو آتش کدہ نو بہار کے کھنڈرات موجود تھے اور یہ وہ مقدس عبادت خانہ تھا جس کے متولی فضل کے آباؤ اجداد تھے۔ لیکن فضل نے اس کا کچھ بھی خیال نہیں کیا اور کل عمارت کے مسمار کرنے کا حکم دے دیا لیکن بسبب استحکام کل آتش کدہ تو مسمار نہ ہو سکا تاہم ایک گوشہ اس کا کھل گیا اور وہاں پر مسجد تعمیر کر دی گئی۔ اس واقعے سے فضل کی دینداری اور مذہبی جوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

جیل کی زندگی

جعفر کا آفتاب اقبال جب گہن میں آیا تو اس کا اثر بے گناہ یحییٰ اور فضل پر بھی پڑا۔ جعفر قتل کر دیا گیا، فضل اور یحییٰ جیل میں ڈال دیے گئے اور وہاں انہیں طرح طرح کی اذیتوں اور تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑا۔

خالد بن عثمان فضل کا ایک مصاحب راوی ہے کہ:

جعفر کے قتل کے بعد فضل کا کھانا پینا بالکل چھوٹ گیا تھا اور اس نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اسی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوں گے، جب ہارون نے یہ حال سنا تو رات کے وقت فضل کے پاس گیا اور جب فضل نے ہارون کو آتے دیکھا تو تعظیم کے واسطے کھڑا ہو گیا اور ہارون کو سلام کر کے بے ساختہ رونے لگا۔

ہارون نے فضل کو مخاطب کر کے کہا کہ:

جعفر کے قتل کا تم کو اس قدر افسوس کیوں ہے؟ وہ تو فاسق اور بدکردار آدمی تھا۔ تم سے اس کو دلی رنج تھا کیونکہ مجھے اکثر جعفر نے اس پر آمادہ کیا تھا کہ میں تم کو مضرت پہنچاؤں، علاوہ ازیں تمہاری ماں اور ہے اور جعفر کی ماں اور؟

ہارون کی تقریر سن کر فضل سے ضبط نہ ہو سکا اور رونے لگا، تب ہارون نے گلے لگا لیا۔ اور جو چادر اوڑھے تھا وہ فضل کو اوڑھا دی، پھر کھانا منگایا اور قسمیں دلا کر کسی قدر کھلایا اور پھر فضل سے کہا کہ:

تم جعفر کا غم دیکھو وہ تم سب سے نہ صرف عداوت ہی رکھتا تھا بلکہ تم کو معزول کرنا چاہتا تھا

فضل نے جواب دیا:

میں نے مانا جعفر ایسا ہی تھا لیکن اس کا قصور ایسا نہ تھا جس پر اسے قتل کر دیا جاتا، یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ اب جیسا وزیر آپ کو میسر نہیں آ سکتا اور وہ بے گناہ قتل کیا گیا ہے۔ جب اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا تو نہیں کہا جا سکتا کہ یحییٰ اور نیز میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

فضل کی تقریر سن کر ہارون چپ ہو رہا اور خفا ہو کر چلا گیا۔

بعد ازاں قیدیوں پر جو سختی کی گئی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے۔

فضل پر قید میں سختیاں ابوالحسن احمد بن حسین (عدالت میں محرر تھا) راوی ہے کہ ایک دن مسرور نے چند غلاموں کو طلب کیا اور ان کو جیل میں روانہ کیا اور پھر چند غلام اپنے ساتھ لے کر خود روانہ ہوا۔ مندیل سر پر بندھی ہوئی تھی اور ایک تازیانہ ہاتھ میں تھا، میں سمجھ گیا کہ نفس کو سزا دینے جاتا ہے۔ ضرورۃً میں بھی چلا اور مسرور

کو سلام کیا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ تم بھی چلو دیکھو تو آج فضل کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔
یہ سن کر میرے ہوش جاتے رہے، کیونکہ میں فضل کا پروردہ تھا۔ اور ہر روز دو مرتبہ جاکر دیکھ آتا تھا۔

مسرور نے جیل خانہ میں جاکر فضل کو بلایا اور نہایت حقارت آمیز کلمات سے مخاطب ہوا فضل نے کہا:

"مسرور ہم پر یہ عتاب کیوں ہے؟"

جواب دیا کہ "امیر المومنین نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں تمہارے مال و دولت کی تصدیق کروں کہ کس قدر ہے اور جو کچھ ہے وہ پیش کیا جائے، کیونکہ امیر المومنین کو روپے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر صحیح صحیح نہ بتاؤ گے تو دو سو تازیانے لگائے جائیں گے"۔ فضل نے کہا:
"اے مسرور تو خدا سے نہیں ڈرتا کہ میں تجھے اس کے قہر سے آگاہ کروں، جو تجھے حکم ہے اسے پورا کر، البتہ اس قدر التجا ہے کہ کوڑے کی آواز یحییٰ کے کانوں تک نہ پہنچے۔ ورنہ اس کے دل کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ دوسرے یہ کہ امیر المومنین سے کہہ دے کہ ہمارے پاس جو دولت تھی وہ سب صرف ہو چکی ہے بلکہ اس ایثار و کرم سے امیر المومنین رضا مند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ تم پر خدا کی رحمت ہو کیا اچھی زندگی بسر کرتے ہو اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نہ ہم نے چوری کی ہے نہ خیانت، جو مال تھا وہ سب فی سبیل اللہ صرف ہو چکا ہے اور مسرور تو خوب جانتا ہے کہ ہم اپنی عزت کو مال سے بچاتے ہیں اور جان تو مال سے کہیں زیادہ عزیز ہے بجائے ایک کوڑا کھانے کے جان دے دینا زیادہ آسان ہے"۔

مسرور نے فضل کی باتیں سنیں تو غصے سے آگ ہو گیا اور چاروں غلاموں کو جو اس کے ہمراہ تھے حکم دے دیا کہ ہر ایک پچاس پچاس کوڑے فضل کی پیٹھ پر مارے۔
چنانچہ ان ظالموں نے نہایت بے دردی سے مسرور کا حکم پورا کیا۔
شدتِ ضرب سے فضل بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب مسرور چلا گیا تو میں نے فضل کا سر گود میں لے لیا۔
تھوڑی دیر میں فضل نے آنکھ کھولی: میں نے تسلی دی اور کہا کہ ہارون الرشید پر خدا

کی لعنت ہو جس نے تم کو صدمہ پہنچایا۔

فضل نے کہا کہ اس کی جواب دہی قیامت میں ہو گی اور مجھے حکم دیا کہ ایک ہوشیار جراح کو لاؤ کیونکہ میرے جسم کا اکثر حصہ پھٹ گیا ہے اور زخموں کی تو کوئی انتہا نہیں ہے۔ میں نے جراح کو حاضر کر دیا اور علاج شروع ہو گیا۔ جب یحییٰ کو فضل کی خبر ہوئی تو خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن پہرہ کے سپاہیوں نے اس کو اس ارادہ سے روکا۔

جس وقت بغداد میں یہ خبر مشتہر ہوئی تو اس وقت لوگوں کا بُرا حال تھا مگر ہارون کے خوف سے سب دم بخود تھے۔ میں روزانہ مزاج پرسی کو جاتا تھا چنانچہ چند روز میں فضل کو صحت ہو گئی۔ غسلِ صحت کے دن ایک دوست سے قرض لے کر بیس ہزار دینار اس جراح کو انعام دیے اور مجھ سے کہا کہ:

برادرِ من! دیکھتے ہو ہارون نے میرے ساتھ کیا کیا۔ میرے باپ نے ہارون پر بہت کچھ احسانات کیے ہیں۔ خلیفہ ہادی ہارون کے قتل پر تلا ہوا تھا، صرف میرے باپ کی سعی کا نتیجہ ہے کہ وہ زندہ ہے اور ہماری ہی کوشش سے ہارون کو تختِ سلطنت پر بیٹھنا نصیب ہوا۔ میری ماں کا اس نے دودھ پیا ہے اور جس قدر ممالک فتح ہوئے ہیں وہ ہماری ہی جانفشانی کا نتیجہ ہیں۔ جو خدمت ہمارے سپرد تھی اس میں، نیز جاگیرات میں ہم نے کوئی خیانت نہیں کی ہے نہ کبھی بدخواہی کا خیال ہمارے دل میں آیا ہے۔ ہمارے ساتھ ہارون نے بڑے بڑے وعدے اور عہدنامے کیے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اس نے اس وقت سب کو بھلا دیا ہے۔ مال کے حیلے سے ہم کو قید کر دیا ہے۔ نہ اس کو خدا کا خوف ہے نہ لوگوں کی شرم ہے کہ آخر اس ظلم کو دیکھ کر خلقِ خدا اس کو کیا کہے گی؟ ہارون الرشید کی بے وفائی اور عہد شکنی لوگوں کو یاد رہے گی۔ اور ہم تو اب چند روز کے مہمان ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ ہمارے بعد ہارون کو بھی بقا نہیں ہے۔

باپ کی خدمت جیل میں بھی

فضل کے کردار کا ایک روشن اور ناقابلِ فراموش رُخ یہ ہے کہ جیل کے دورِ ابتلا میں بھی باپ کی ہر خدمت دل و جان سے انجام دیتا رہا۔

فضل کو یحییٰ سے جو محبت تھی وہ اس واقعے سے ظاہر ہوتی ہے کہ یحییٰ کو زمانۂ قید

میں بواسیر کا عارضہ تھا اور اس زمانہ میں جاڑا شدت کا پڑتا تھا۔ قیدیوں کو بجائے گرم پانی کے سرد پانی دیا جاتا تھا۔ یحییٰ کو بھی مجبوراً اسی پانی سے وضو کرنا پڑتا تھا۔ جب فضل نے دیکھا کہ یحییٰ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے تو اس نے یہ ترکیب نکالی کہ آفتاب قندیل کے پاس رکھ دیتا تھا صبح کی نماز تک حدتِ قندیل سے پانی میں گرمی آجاتی تھی۔ یحییٰ اس پانی سے وضو کرتا تھا۔ یحییٰ نے جب اپنے بیٹے کی یہ خدمت دیکھی تو بہت خوش ہوا اور دعائیں دینے لگا۔ جب داروغۂ جیل کو یہ حال معلوم ہوگیا تو اس کم بخت نے قندیل کمرہ سے علیحدہ کرادی۔ تب فضل نے یہ ترکیب کی کہ ابتدائے شب سے آفتابہ کو اپنے پیٹ سے لگالیتا جس میں بمقابلہ سرد پانی کے گرمی آجاتی۔ اس حال کو دیکھ کر آخر کار داروغہ کو بھی رحم آگیا اور سزائیں بند کردیں۔

سچ ہے نہ ایسا باپ ہوگا نہ ایسا بیٹا!

وفات

آخر مصیبتوں کے ختم ہونے کا وقت آن پہنچا اور ایک دن دنیائے فانی سے عالمِ باقی کی طرف فضل کا قافلۂ حیات روانہ ہوگیا۔

صبح کے وقت ۱۱ اکتوبر ۸۰۹ء (ماہ محرم ۱۹۳ھ) میں بمقام رقہ فضل نے انتقال کیا عزیزوں نے مکان کے اندر نمازِ جنازہ پڑھی۔ پھر دوسری مرتبہ مجمع عام میں جماعت سے نماز پڑھی گئی۔ ناصر بن خلیل کہتا ہے کہ فضل اپنی بیماری میں بار بار ہارون الرشید کے مرنے کی خبر پوچھا کرتا تھا۔ ایک بار میں نے سوال کیا کہ آپ بار بار ہارون کی موت کو کیوں دریافت کرتے ہیں؟

جواب دیا کہ میری اور ہارون کی ولادت ایک ہی وقت اور ایک ہی ساعت کی ہے۔ اجرام فلکی کا اثر بہ اعتبار علمِ نجوم کے ہم دونوں پر یکساں ہے۔ یعنی اگر وہ مرچکا ہے تو میری موت بھی قریب ہے۔

اور واقعتہً ہوا بھی ایسا ہے۔

ماخذ

الاغانی، ہارون الرشید (پاس)، البرامکہ، روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر، ابنِ خلکان، الیعقوبی، ابنِ خلدون، ابنِ عساکر، کامل ابنِ اثیر۔

جعفر برمکی

ہارون اور جعفر اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بندھے تھے کہ ان کے درمیان دوئی اور جُدائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ ہارون کی شخصیت اور ہارون کی حکومت اپنے عروج، قیام اور استحکام میں رہینِ منت تھی جعفر کی، جعفر کے بھائی کی اور جعفر کے باپ کی، جعفر نے اس سلطنت کو عروجِ کمال پر پہنچا دیا۔ یہ بات کہ ساری کامیابیاں اور ترقیاں جعفر اور اس کے خاندان کے اخلاص اور بے لوثی کا نتیجہ تھیں اپنا ثبوت بھی رکھتی ہے اور وہ ثبوت یہ ہے کہ جب جعفر قتل کر دیا گیا اور آلِ برمک کا نشان مٹا دیا گیا تو ہارون بھی ختم ہو گیا۔ اس کی حکومت بھی رو بہ زوال ہو گئی۔ گویا جعفر اور ہارون، آلِ برمک اور سلطنتِ عباسیہ لازم و ملزوم تھے کہ ایک کے مٹنے کے ساتھ دوسرے کا مٹنا اور ایک کے عروج کے ساتھ دوسرے کا فروغ پانا لازم آیا۔

اصولِ ملوکیت ملوک و سلاطین نہ کسی اصول کے پابند ہوتے ہیں نہ ضابطہ کے نہ وہ کسی کے سامنے جواب دہ ہیں، نہ ان کے اقدام و عمل پر قدغن لگائی جاتی ہے وہ غیر مسئول طور پر جو چاہتے ہیں۔ زمین پر کوئی ان سے باز پرس نہیں کر سکتا۔ آسمان پر ہونے والی باز پرس کا انہیں کوئی احساس نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ ملوک و سلاطین کے اشارۂ چشم و ابرو پر لوگوں کی، خاندان کی، حکومتوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوا کرتا تھا۔ آج ایک شخص گردشِ ایام کا شاکی ہے، فقر و فلاکت کی زندگی بسر

کررہا ہے، نہ سر چھپانے کو گھر، نہ پیٹ بھرنے کو روٹی، کل وہی شخص اگر بادشاہ کا منظورِ نظر بن جاتا ہے تو اس کے دروازہ پر ہاتھی جھومنے لگتے ہیں۔ سیم وزر کی تھیلیاں اس کے اوپر نچھاور ہوتی ہیں۔ وہ خود دوسروں کا حاجت روا اور مشکل کشا بن جاتا ہے اور عین اس وقت جب قوت و اقتدار کی باگ اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر کسی وجہ سے بادشاہ کی نظر پھر جائے تو ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا!

نہ وہ خدم نہ حشم، نہ اقتدار و اختیار، نہ جاہ و جلال، نہ داد و دہش، نہ شاعروں کے قصیدے، نہ مصاحبوں کے ترانے، گوشۂ زنداں یا پھانسی کا تختہ۔

جعفر اور ہارون

جعفر کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اگر جعفر اور ہارون کا تعلق صرف بادشاہ اور وزیر کا ہوتا تو نہ جعفر کا عروج حیرت انگیز تھا۔ نہ اس کا زوال تعجب خیز، نہ اس کی وزارتِ عظمیٰ کوئی حادثہ تھی، نہ اس کا قتل کوئی المیہ۔ ملوکیت کی دنیا میں یہ روزمرہ کے واقعات ہیں جو آئے دن پیش آتے رہتے ہیں، نہ ان میں کوئی ندرت ہے نہ جدت۔ یہ اتنے عامۃ الورود واقعات ہیں کہ نہ ان پر کفِ افسوس ملنے کے لیے کوئی تیار ہوتا ہے نہ انہیں غیر معمولی اہمیت دینے پر کوئی آمادہ ہوتا ہے۔

جعفر کا مرتبہ

لیکن جعفر اور ہارون کا معاملہ بالکل جداگانہ نوعیت کا تھا۔ ہارون نے جعفر کو اس مرتبہ پر پہنچا دیا تھا۔ جہاں تک کوئی بادشاہ کسی وزیر کو نہیں پہنچاتا، جعفر نے ہارون کو وہ مرتبہ عطا کر دیا تھا، جو اس سے پہلے کسی شاہ اور شہریار کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ جعفر کی شخصیت رہینِ منت تھی تمامتر ہارون کے فضل و کرم کی، اور ہارون کی شخصیت منتجہ تھی تمامتر جعفر کے اخلاص اور بے لوثی کی۔ ان دونوں کے درمیان من و تو کا فرق مٹ گیا تھا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے اتنے ناگزیر بن گئے تھے کہ جب تک دونوں موجود نہ ہوں دونوں کی شخصیت ناقص اور نامکمل رہتی تھی۔

داستانِ ادبار و زوال

جعفر کے زوال اور ادبار کی داستان بے انتہا رقت خیز اور ہولناک ہے۔ لیکن بہر حال اسے بیان کرنا ہے۔

یہ داستان سلسلۂ بیان میں خود بخود آجائے گی، ہم تو جعفر کا سراپا پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ جعفر کی ولادت ۱۵۱ھ مطابق ۷۶۸ء میں ہوئی۔

جعفر مسندِ وزارت پر

ہارون نے جب مسندِ خلافت پر قدم رکھا تو یحییٰ برمکی وزیر اعظم تھا۔ اس کا بڑا بیٹا فضل اس کا دست و بازو تھا۔ اور جملہ مہمات سلطنت میں اس کا ہاتھ بٹایا کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اس کا لقب چھوٹا وزیر پڑ گیا۔ ایک دفعہ ہارون الرشید نے یحییٰ سے دریافت کیا کہ لوگ فضل کو چھوٹا وزیر کہتے ہیں اور جعفر کو نہیں کہتے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

یحییٰ نے عرض کیا امیر المومنین! فضل میری نیابت میں کام کرتا ہے اس وجہ سے عوام الناس اس کو وزیر خورد کہتے ہیں۔

ہارون الرشید نے کہا جس طرح تم نے فضل کو سلطنت کا کام دے رکھا ہے اسی طرح جعفر سے بھی کچھ کام لیا کرو۔

یحییٰ نے عرض کیا کہ امیر المومنین جعفر کی توجہ زیادہ تر آپ کی خدمت اور صحبت میں رہنے کی جانب مائل ہے پھر اسے کام بھی کیا دیا جائے؟

اس کے بعد یحییٰ نے جعفر کو بھی منصب سیکرٹری اور محلات کے خزانچی اور محاسب کا عہدہ دے دیا۔ اب عوام الناس نے جعفر کو بھی اسی لقب سے پکارنا شروع کر دیا جس سے فضل کو پکارا کرتے تھے۔

جعفر کی قابلیت

اس واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہارون الرشید جعفر کو کس درجہ عزیز اور محبوب رکھتا تھا، اور جعفر تھا بھی اسی قابل، وہ ہمہ صفت موصوف شخص تھا۔ شاعری، فلسفہ، نجوم سے اُسے غیر معمولی شغف تھا۔ دوسرے علوم و فنون پر بھی وسیع نظر رکھتا تھا۔ علماء اور شعراء سے جو مباحثے ہوتے وہ اسی قسم کے ہوتے تھے۔

بیت الحکمت کا دروازہ کھلا ہوا تھا، فنونِ حکمت کی تصنیفات اور ترجمے پر خود سلطنت اور علماء کا رجحان تھا، چنانچہ جعفر کو بھی فلسفہ سے خاص رغبت تھی اور اس ذوق میں وہ یحییٰ برمکی سے کچھ کم نہ تھا، چنانچہ اس فلسفہ پسندی نے یحییٰ اور جعفر کو زندقہ سے منسوب کر دیا تھا

چنانچہ اصمعی کے یہ شعر مشہور ہیں:

جب کسی مجلس میں شرک کا مذکور چلتا ہے،

تو برمکیوں کا چہرہ چمک اٹھتا ہے؛

لیکن اگر ان کے سامنے کوئی آیت پڑھی جائے،

تو وہ مزدک کی حکایتیں بیان کرنے لگتے ہیں،

جعفر کا حلم و عفو

فضل نسبتاً تیز طبع شخص تھا، اگر غصہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا تھا لیکن جلد آجاتا تھا، اس کے برعکس جعفر نہایت حلیم اور بردبار شخص تھا: خطا کاروں کو بخش دیتا، مجرموں کو معاف کر دیتا۔ بداندیشوں سے درگزر کرنا ان کی سرشت تھی۔ اشتعال انگیز سے اشتعال انگیز موقع پر بھی ضبط و تحمل کا دامن اس کے ہاتھ سے نہیں چھوٹتا تھا۔ وہ اپنی خوش اخلاقی اور فیاضی کے سبب مقبول بن گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہارون الرشید بہ نسبت فضل کے جعفر کو ترجیح دیتا تھا۔ جعفر اور ہارون میں غایت درجہ کی محبت اور دوستی ہو گئی۔ خلیفہ کے سیر و تفریح کے وقت جعفر ہمیشہ اس کے ہمراہ ہوتا اکثر راتوں کو ایسا ہوتا تھا کہ عیش و عشرت کے جلسوں میں جعفر اور ابو نواس جو ایک ظریف شاعر تھا اور مسرور جو ہارون الرشید کا غلام اور جلاد تھا اور حبشی نسل تھا یہ سب شریک ہوا کرتے تھے، ایسے جلسے سرِ شام سے شروع ہو کر اکثر صبح کی نماز تک منعقد رہا کرتے تھے

فرض شناس وزیر

لیکن خلیفہ کی عنایتیں اور نوازشیں بزمِ شبنہ کی یہ رنگینیاں اور دلچسپیاں، قصرِ شاہی کی درباداریاں اور مجلس طرازیاں اسے اپنے فرض سے غافل نہیں ہونے دیتی تھیں۔ فرض بہر حال فرض تھا۔ اور اس کی بجا آوری میں کسی طرح کی کوتاہی وہ روا نہ رکھتا تھا۔

جعفر کا عہدہ بڑی ذمہ داری کا تھا۔ اس کا فرض منصبی یہ تھا کہ تمام سلطنت کے افسروں اور عہدہ داروں کے نام جس قدر شاہی احکام اور فرامین صادر ہوتے تھے ان کو جعفر ہی تحریر کرتا تھا اور اُن پر دستخط کرتا تھا۔ خلیفہ کے حضور میں جتنے عرائض، استغاثے، یادداشتیں اور رپورٹیں گزرتی تھیں جو روزانہ ہمیشہ سینکڑوں کی تعداد سے بھی متجاوز

ہوتی تھیں۔ ہر روز ان پر احکام اور تجاویز اور فیصلے جعفر خود ہی لکھا کرتا تھا۔

ادب اور انشاء میں مہارت

ادب اور انشاء کے فن میں جعفر اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔

علامہ عصری نے زہر الآداب میں اس روایت کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ جعفر برمکی تقریر کے وقت کسی موقع پر نہ رُکتا تھا، نہ سلسلۂ کلام میں الفاظ و معنی کی تکرار ہوتی تھی اور لغو و فضول باتوں کا تو ذکر کیا ہے۔ جس فن پر گفتگو کرتا تھا جب تک اس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے دوسرے پہلو پر بحث نہ کرتا تھا۔ اور ایک گفتگو کے بعد جب دوسری شروع کرتا تھا تو پچھلی تقریر پہلی سے زیادہ متاثر اور دل کش ہوتی تھی، غمگین کو ہنسا دینا، عابد و زاہد کے دل پر قبضہ کر لینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ اعلیٰ درجے کے اشعار، نوادرات، ضرب المثل، قصص و حکایات میں اس کی معلومات انتہائی درجے پر تھیں، باوجود اس کے فصاحت کا نمبر بڑھا رہتا تھا۔ اور سہل بن ہارون کا قول ہے کہ اگر کلام کو موتی اور گفتگو کو جواہر فرض کیا جائے تو خدا کی قسم یحییٰ و جعفر برمکی کا کلام ہے۔ میں نے اس زمانے کے بڑے بڑے شیوہ بیان لوگوں کو دیکھا ہے، وہ سب اس کے قائل تھے کہ بلاغت کی ابتدا انہی دونوں سے ہوتی ہے اور انہی پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے اگر دنیا اُن کے عہد زندگی پر فخر کرے تو کچھ نازیبا نہیں ہے، اور اسی فصاحت و بلاغت کا اثر تھا کہ خلیفہ ہارون الرشید نے مامون اور امین کو قبائل عرب میں نہیں بھیجا، بلکہ جعفر و فضل کے سپرد کر دیا تھا جن کی تعلیم سے ان کی فصاحت آج تک ضرب المثل ہے۔

ابو عثمان عمرو جاحظ لکھتا ہے کہ جعفر برمکی جب کسی مضمون پر گفتگو کرتا تھا تو کسی عالم کو جرأت نہ ہوتی تھی کہ اس کے مقابلے میں لم ولا نسلم کہہ سکے بلکہ محویت طاری ہو جاتی تھی اور نہایت خاموشی سے اس کی تقریر سنا کرتے تھے۔

جعفر برمکی کے توقیعات اور خطبے اگرچہ کمیاب ہیں لیکن اس کے بعض اقوال جو کتب ادب میں پائے جاتے ہیں ان کے ہر ہر فقرے سے شستہ بیانی کی شہادت ملتی ہے۔ ایک موقع پر کسی نے ایک عامل کی شکایت میں درخواست پیش کی۔ اس پر جو حکم

لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں:

"تیرے ثنا کی بہت ہیں اور شکر گزار کم، یا تو اعتدال اختیار کر یا الگ ہو جا۔"

تمامہ کا قول ہے کہ ایک مرتبہ میں نے جعفر برمکی سے سوال کیا کہ بیان کی کیا تعریف ہے؟ اس نے جواب میں لکھا:

"لفظ مطلب پر احاطہ کرے اور مقصود کو بتا دے اور دوسرے پہلو کا احتمال نہ رہنے دے اور تفکر سے اعانت نہ لی گئی ہو" (یعنی آورد نہ ہو)

جاحظ

جعفر کے عہد میں ادب و انشا کے جو ماہر گزرے ہیں ان میں جاحظ کا ایک خاص مقام ہے۔ ابو عثمان عمر بن بحر بن محبوب الجاحظ بصری علماء ادب میں بہت بڑا فصیح و بلیغ گزرا ہے۔ ابو اسحاق نظام معتزلی کا شاگرد تھا اور خود بھی ائمہ معتزلہ میں تھا۔ اس کی مفید تصنیفات میں سے کتاب البیان والتبیین نہایت مشہور ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ یہ اول درجے کا بدشکل تھا، آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی تھیں جن کو دیکھ کر بچے سہم جاتے تھے۔ آخر عمر میں مفلوج ہو گیا تھا۔ ۹۰ سال کی عمر میں بمقام بصرہ ۲۵۵ھ مطابق ۸۶۸ء میں فوت ہوا۔ ایام مرض میں اکثر یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔

ترجمہ: جیسا تو عالم شباب میں تھا کیا پیری میں بھی ویسا ہی ہونے کی امید رکھتا ہے۔ تیرے نفس نے اب تجھ کو فریب دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ پرانا کپڑا نئے کے برابر نہیں ہوتا۔

علوم عصری میں مہارت

جعفر نے خود بھی علوم عصری کی طرف پوری توجہ کی تھی اور جملہ علوم متداولہ میں اُسے غیر معمولی عروج حاصل تھا۔ علم فقہ کے متعلق ابن خلکان نے بروایت علامہ ابن القاوسی (مصنف کتاب الوزراء) ایک مختصر جملہ لکھا ہے جس سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ یحییٰ برمکی نے فقہ کی تعلیم کو قاضی امام ابو یوسف سے دلوائی تھی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جعفر کے احکام اور فیصلے اُصول فقہ کے مطابق ہوتے تھے۔ اگرچہ فقہ میں جعفر کو قاضی صاحب کی شاگردی کا فخر حاصل ہے۔"

جعفر کی ذہانت و فطانت

جعفر کی ذہانت و فطانت کا اندازہ اس سے ہو

سکتا ہے کہ وہ جتنا بڑا متکلم تھا اتنا ہی بڑا زود نویس بھی تھا مگر مجال نہ تھی کہ اس کے قلم سے نکلا ہوا لفظ ادب و انشا کے معیار سے فروتر ہو۔

علامہ ابن خلکان لکھتے ہیں کہ:

ایک شب ہارون کے دربار میں ایک ہزار سے زائد توقیعات لکھنے کا جعفر کو اتفاق ہوا لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی اصولِ فقہ کے خلاف نہ تھا۔ اگرچہ جعفر کے فضل و کمال اور معاملہ فہمی کی بہ ظاہر مثالیں ہیں۔ لیکن بعض تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہارون دربار عام کرتا تھا (ایسے دربار اکثر ہوا کرتے تھے) اس وقت ہر شخص کو زبانی عرض کرنے اور تحریری درخواستوں کے پیش کرنے کا حکم عام دے دیا جاتا تھا اور اس قسم کی عرضیاں دینے والوں کی تعداد کثیر ہوتی تھی لیکن جعفر کے قلم سے جو احکام نکلتے تھے وہ علاوہ علم و ادب اور علم الانشا کے اعلیٰ نمونے کے اصولِ شرح اور قانونِ فقہ کے موافق ہوتے تھے۔ اور حسنِ کتابت کا جوہر ان کو چمکا دیتا تھا۔

اصحابِ علم کی قدردانی

اصحابِ علم کی قدردانی میں وہ پیش پیش رہتا تھا۔ ربیع بن سلیمان امام شافعی کی روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر عید کے دن امام صاحب کے پاس کچھ نہ تھا اور ضرورۃً اس دن ستر دینار قرض لیے تھے کہ قبیلۂ قریش کا ایک شخص حاضر ہوا اور اپنی حاجت ظاہر کی۔ چنانچہ امام صاحب نے بھی اپنا حال سنایا اور کہا کہ:

"میرے پاس اس وقت ستر دینار موجود ہیں ان میں سے بقدرِ ضرورت لے لو"

قریشی نے کہا کہ کل رقم بھی میری ضرورت کو کافی نہیں۔ چنانچہ وہ سب دینار اس کو دے کر رخصت کیا اسی وقت جعفر کا ایک خادم آیا اور عرض کیا کہ حضور کو وزیرِ سلطنت نے یاد فرمایا ہے۔ امام صاحب تشریف لے گئے، جعفر نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ کیونکہ رات کو میں نے یہ آواز سنی ہے کہ کوئی شخص کہتا ہے الشافعی الشافعی۔ چنانچہ امام صاحب نے سارا قصہ بیان کیا، رخصت کے وقت پانچ سو دینار دیے۔ پھر پوچھا کہ اور اضافہ کروں یہاں تک کہ خود ہی سوال کرتا جاتا تھا اور رقم بڑھاتا جاتا تھا۔ جب پوری دو ہزار کی رقم

ہو گئی تو اجازت رخصت کی دی گئی۔ اس واقعے سے جعفر کی بزرگانِ دین سے ارادت مندی اور جوشِ محبت کا حال معلوم ہوتا ہے۔

وسعتِ قلب

جعفر کی وسعتِ قلب کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ بھی اس کا رویہ دوستانہ تھا۔ بد اندیشوں اور بدزبانوں کو بھی وہ نوازا کرتا تھا۔ حد یہ ہے کہ جو لوگ اس کی ہجو سے اپنی زبان آلودہ کرتے تھے وہ بھی انعام و اکرام سے محروم نہ رہتے تھے۔

سیوطی اپنے رسالہ مشتہی العقول فی منتہی النقول میں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک شاعر نے جعفر کی ہجو میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ سن کر قصور معاف کر دیا اور پانچ ہزار دینار صلا دے کر رخصت کیا اور اسی موقعہ پر علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ علماء حکماء عظماء اور ندماء میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو جعفر کی فیاضی سے محروم رہا ہو، جعفر ان کے حق میں ابرِ رحمت تھا جو ہمیشہ فیاضی کی بارش کیا کرتا تھا۔

حسنِ سلوک

جعفر کی مجلس طرازیوں اور شاعروں سے حسنِ سلوک کی داستانیں عام ہیں۔ ایک مشہور شاعر صریح الغوانی ایک یگانۂ روزگار شاعر فقر و فلاکت کی مصیبت میں گرفتار ہو گیا۔ وہ خود اپنا حال بیان کرتا ہے کہ میں نے سکینہ کے واسطے سے عتابہ تک اپنی داستانِ درد پہنچائی۔ عتابہ نے دس ہزار درہم سکینہ کو دیے اور کہا کہ میری طرف سے یہ حقیر ہدیہ اس کو دے دینا اور کہہ دینا کہ اگر یحییٰ اور جعفر کو تمہاری اطلاع ہوتی تو وہ بھی امداد کریں گے۔ چنانچہ اس عطیے سے میں نے اپنی حالت درست کی اور درباری لباس مرتب کیا اور سہیل بن عبد اللہ کے ہمراہ دربارِ وزارت میں جانے کی تیاری کی۔ اتفاق سے راستے میں ایک موقوف شدہ عامل سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرا قدیم ملنے والا تھا، دیکھتے ہی کہا کہ:

"اگر جعفر برمکی کی مدح میں چند شعر کہو اور مجھے عہدے پر بحال کرا دو تو پانچ ہزار درہم شکرانہ میں ادا کر دوں گا۔"

میں نے اقرار کر لیا اور چند مدحیہ اشعار لکھے جن کا مضمون مطابق اس حدیثِ نبوی کے تھا۔ اطلبوا الحاجات عند حسان الوجوہ (حاجت برآری اچھے ہی لوگوں سے ہوا کرتی ہے)

دربار میں پہنچ کر وہی اشعار میں نے جعفر کو پیش کیے۔ اس سے قبل مجھے جعفر نے نہیں دیکھا تھا لیکن اشعار سنتے ہی بول اٹھا کہ صریح الغوانی تیرا ہی نام ہے۔

میں نے عرض کیا ہاں یہی خادم ہے۔ چنانچہ فوراً بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر پوچھا کہ خاص مطلب کیا ہے؟

میں نے اس عامل کی سفارش کی چنانچہ فوراً درخواست منظور ہوئی۔ جب دیوانِ عام اٹھ گیا تو مجھے بھی مجلسِ خاص میں طلب کیا۔ منتخب احباب کا مجمع تھا، مجلس کی ستھرائی اور آراستگی کا کیا کہنا ہے شاید قیصر و کسریٰ کو ایسی مجلس میسر ہوئی ہو۔ وہ رنگ دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا چونکہ بے تکلف دوستوں کا مجمع تھا اس لیے ساز چھیڑا گیا اور دورِ شراب چلنے لگا جعفر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا کہ اپنا کلام سناؤ میں نے حسبِ حالی پڑھنا شروع کیا۔ چند ہی بیت پڑھے تھے کہ چاروں طرف سے نعرہ ہائے تحسین بلند ہونے لگے۔ اس صحبت کے ساتھ دَور برابر جاری تھا۔ جب ساقی مجھ تک پہنچا میں نے عرض کیا:

"معافی چاہتا ہوں، کیونکہ میں نے آج تک پی نہیں ہے۔"

جعفر نے کہا، خوب! شراب کی تعریف میں ساحری دکھانا اس کے خواص اور اندرونی اثرات کا بیان کرنا کیونکر ممکن ہے جب تک وہ منہ نہ لگائی گئی ہو کچھ ہی ہو آج تو ایک گلاس پینا پڑے گا۔"

چنانچہ جعفر کے اصرار سے طوعاً و کرہاً ایک ساغر چڑھ گیا

میرے اس فعل سے جعفر کو نہایت شرمندگی ہوئی اور کہا کہ "ابو مسلم میں تمہارے حسنِ ادب سے خوش ہوا، اس کا صلہ ملے گا۔"

جب سب لوگ چلے گئے صرف جعفر اور میں رہ گئے اس وقت جعفر نے کہا کہ اب تم کو ایک کنیز دکھلاتا ہوں جس کی مثال نہیں ہے اور ایسی راگنیاں سنواتا ہوں جو تم نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ چنانچہ ایک کنیز کو طلب کیا جس وقت وہ میرے سامنے آئی تو معلوم ہوا گویا سورج نکل آیا۔ اس کے حسن کا یہ عالم تھا کہ شعراء دیوان کے دیوان مدح میں لکھ ڈالیں تاہم اس کے حسن کی تعریف نہ ختم ہو سکے۔

جعفر نے حکم دیا کہ بربط پر کوئی عمدہ غزل سناؤ۔ اس کنیز نے اس کمال سے بربط بجایا کہ جعفر بے خود ہو گیا۔ اس پر خوبیٔ قسمت یہ طرّہ ہوا کہ یہ غزل بھی میری ہی تھی۔ جب جعفر کو ہوش آیا تو پوچھا کہ یہ کس کی غزل تھی؟

میں نے عرض کیا کہ بندہ صریح الغوانی کی۔ لیکن اس کی رنگینیوں نے مجھے بھی بے چین کر دیا تھا۔ اس لیے جعفر نے حکم دیا کہ مسلم اس کنیز کو دختر کہہ کر پکارو تاکہ تم کو اس کا دیکھنا مباح ہو جائے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ مجھ سے ہمکلام ہوئی۔ میں اس کی طباعی اور ذہانت کی تعریف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ تھوڑی دیر میں میری بہت سی غزلیں یاد کر لیں اور جعفر کے سامنے جس پر عشق کی نوبت آپہنچی تھی۔ موسیقی کے کمالِ طرز پر لگایا لیکن اتفاق سے اس غزل میں چار ہی بیت تھیں۔ جعفر نے خوش ہو کر حکم دیا کہ صریح الغوانی کو اس غزل کا صلہ چار سو دینار دیا جائے۔ یہ سن کر مجھے اپنی تقدیر پر افسوس ہوا کہ کاش یہ غزل طولانی ہوتی۔

جب مجھے یہ انعام مل چکا تو کنیز نے عرض کیا کہ اے وزیر عالم پناہ! شاعر کو چار سو دینار اس غزل کا صلہ دیا گیا اور جس نے ان اشعار کو سو طرح پر گایا اس کو بھی اسی قاعدے کے مطابق صلہ ملنا چاہیے۔

جب میں رخصت ہوا تو چلتے وقت کنیز نے کہا کہ اگر حکم ہو تو میں بھی اپنے باپ کی خدمت کروں؟ جعفر نے کہا کہ مناسب ہے۔

چنانچہ اس کنیز نے ایک ڈبہ گراں بہا جواہرات کا اور قیمتی لباس اور ایک خوبصورت لونڈی پیش کی۔ میں نے یہ تحفے لیا اور رخصت ہوا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس کنیز کا نام ایمان تھا چنانچہ میں نے بھی ایمان کو عمدہ تعلیم دی اور نہایت عمدہ اشعار اس کو یاد کرائے۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ نہایت عمدہ شعر کہنے لگی اور مجھ سے بہت کچھ سلوک کیا۔ چنانچہ علاوہ عطیات جعفر کے میں نے حساب کیا تو دو سو قیمتی جوڑے، ۲۳ ہزار مثقال چاندی، ۲۰۰ دانہ مروارید گراں مایہ اور ایک ڈبہ قیمتی جواہرات کا ایمان سے وصول ہوا تھا۔

مامون جعفر کی آغوشِ تربیت میں یحییٰ برمکی کی آغوشِ تربیت میں ہارون نے اپنے شعور کی آنکھیں کھولیں۔ پھر ہارون کے بیٹوں کی تربیت یحییٰ کے بیٹوں کے سپرد ہوئی۔

جس طرح امین الرشید نے فضل برمکی کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی اور تعلیم و تربیت حاصل کی اسی طرح مامون الرشید جعفر برمکی کے سپرد کیا گیا۔ کسائی اور یزیدی جیسے مجتہد اس کی تعلیم

پر پانچ برس کی عمر سے مقرر تھے۔ اور تمام اخلاق و عادات کی نگرانی بھی کرتے تھے لیکن مکمل تربیت جعفر کے سپرد تھی۔ اگرچہ باضابطہ اتالیقی ۱۸۲ھ میں ہوئی لیکن خاص کر بچپن ہی سے مامون پر جعفر کی توجہ تھی بمقابلہ دیگر خلفا اور شہزادگانِ عباسیہ کے جو علمی کمالات مامون الرشید نے حاصل کیے وہ حقیقت میں جعفر کی آغوشِ تربیت میں پلنے کا صدقہ تھا جس کا ثبوت خود مامون الرشید کے حالات ہیں۔

جعفر اور ہارون کی بے تکلفی

بعض مرتبہ ہارون اور جعفر کی بے تکلفی بہت ہی دلچسپ صورت اختیار کر لیتی۔

ایک دفعہ جعفر برمکی اور خلیفہ کے درمیان فیصلہ کے لیے ابو یوسف حاکم مقرر ہوئے تھے۔ ایک رات جعفر برمکی اور ہارون دونوں نے نبیذ کا جلسہ قرار دیا۔ خلیفہ نے جعفر سے کہا میں نے سنا ہے کہ ایک کنیز تم نے خریدی ہے جس کے خریدنے کا میں مدت سے شائق تھا تم اس کنیز کو میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ جعفر نے کہا میں تو اس کو بیع نہیں کر سکتا۔ خلیفہ نے کہا اگر بیچتے نہیں تو مجھے ویسے ہی دے دو۔ جعفر نے کہا کہ میں اس کو ہدیۃً بھی نہیں دے سکتا۔

یہ سن کر ہارون غصے میں چلا اٹھا کہ تم اس کنیز کو میرے ہاتھ بیع کر دو یا ہدیۃً دو ورنہ زبیدہ پر طلاق بائن ہے۔ یہ الفاظ منہ سے نکلے ہی ہوں گے کہ ان کے مطلب پر جعفر اور خلیفہ آگاہ ہوئے اور دونوں خاموش ہو گئے۔

پھر خلیفہ نے کہا کہ یہ ایک ایسا معاملہ آن پڑا ہے جس کو قاضی ابو یوسف کے سوا اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

قاضی صاحب کو فوراً بلایا گیا۔ قاضی صاحب یہ سمجھ کر کہ خلیفہ نے مجھ کو اس وقت آدھی رات جو بلایا ہے تو ضرور کوئی بہت ضروری معاملہ پیش ہوگا۔ اس لیے وہ اٹھے اور اپنے خچر پر سوار ہوئے۔ سائیس سے کہا توبڑہ میں دانہ ڈال کر لیتا چل، وہاں مجھے بہت دیر لگے گی اور تو اس عرصے میں خچر کو دانہ کھلا دینا۔

جب قاضی صاحب وہاں پہنچے تو خلیفہ ہارون الرشید تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا اور ان کا استقبال کر کے ادب سے اپنے برابر مسند پر بٹھایا اور پھر وہی گفتگو دہرائی جو اس میں اور جعفر میں ہوئی تھی۔ قاضی صاحب نے یہ سن کر اول تو وہی ترکیب بتائی جس کا ذکر اوپر کی حکایت میں گزرا ہے لیکن ہارون کو

اس سے تسکین نہ ہوئی چونکہ خلیفہ اس کنیز کو فوراً اپنے قبضے میں بغیر اپنی قسموں کے کفارہ کے پورا کرنا چاہتا تھا، ابو یوسف نے کہا کہ اس سے زیادہ کوئی حجت شرعی نہیں ہو سکتی کہ اس کنیز کا اپنے غلاموں میں سے ایک کے ساتھ نکاح کر دو اور پھر وہ غلام اس کو طلاق دے دے تب وہ کنیز آپ کے لیے جائز ہو سکتی ہے۔

خلیفہ نے ایک غلام کو بلا کر اس کنیز کا اس سے وہیں اسی وقت نکاح کر دیا اور پھر اس غلام کو حکم دیا کہ تو اس کنیز کو طلاق دے دے مگر اس غلام نے طلاق دینے سے بالکل انکار کر دیا۔ گو اس کو لالچ بھی بہت دیا گیا مگر وہ راضی نہ ہوا۔ اس بات سے خلیفہ کو نہایت درجہ غصہ اور طیش آیا۔ قاضی صاحب نے اب اور زیادہ مشکل مسئلے میں پھنس گئے آخر انہوں نے یہ صلاح دی کہ کنیز کے خاوند کو بطور غلام کے اسی کنیز کو دے دیا جائے جب ان کے اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو قاضی صاحب نے پھر یہ فتویٰ دیا کہ اس کنیز کا نکاح اس غلام سے جو ہوا تھا وہ اب منسوخ ہو گیا اس لیے کہ یہ غلام اب اس کنیز کی ملکیت میں آ گیا ہے۔

خلیفہ اور جعفر قاضی صاحب کی اس ہوشیاری اور آگاہی علوم سے اس قدر خوش ہوئے کہ جب قاضی صاحب رخصت ہو کر گھر جانے لگے تو ان کے خچر کے توبڑے کو دونوں نے سونے سے بھر دیا۔

ہارون پر جعفر کا اقتدار

ہارون الرشید پر جعفر کو کتنا اقتدار حاصل تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو گا۔

ایک مرتبہ جعفر نے اپنے مخصوص ندیموں اور خاص دوستوں کو جمع کر کے ایک جلسۂ شراب ترتیب دیا۔ مکان کو نہایت آراستہ کر کے ظروف نقرہ اور فروش وغیرہ سے بغایت پیراستہ کیا تمام مہمان اور دوست احباب موجود تھے۔ ایسے موقعہ پر جیسا کہ دستور ہے سب نے نہایت زرق برق اور ریشمی کپڑے پہن رکھے تھے۔ شراب کا آزادانہ طور سے دور چل رہا تھا۔ مغنیوں کے نغموں، ساز اور تاروں کے ترنم سے تمام مکان گونج رہا تھا مگر ابھی تک جعفر کا ایک مہمان عبدالملک بن صالح نہیں آیا تھا۔

جعفر نے دربانوں کو سخت تاکید کر دی تھی کہ سوائے عبدالملک بن صالح کے اور کوئی شخص چاہے کیسی ہی ضرورت کا کام ہو نہ آنے پائے۔

اتفاقاً ہارون الرشید کا ایک قریبی رشتہ دار جس کا نام عبدالملک بن صالح بن علی بن عبداللہ

بن عباس تھا ایک ضروری کام سے جعفر کو ملنے کے لیے آئے۔ دربانوں نے نام کی مشابہت سے دھوکا کھا کر ان کو اندر جانے دیا۔ یہ عبدالملک بن صالح نہایت بدمزاج تھے اور بڑے پابند شریعت تھے جعفر نے ان سے اصرار کیا تھا کہ آپ بھی جلسۂ عیش و عشرت میں شریک ہو جایا کیجیے لیکن عبدالملک ہمیشہ باصرار انکار کرتے رہتے تھے۔ اس وقت عبدالملک جب اندر گئے اور جعفر اوران کی نظر چار ہوئی جعفر نہایت نادم اور پریشان ہوا لیکن عبدالملک اس جلسہ سے کچھ ایسے خوش ہوئے کہ انہوں نے فوراً ہی اس جلسے کی شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ کسی کے بارِ خاطر نہ رہے اور جعفر کی تسلی اور خاطر اور اطمینان کے لیے اس نے اس جلسے کے دستور کے موافق خادموں سے ریشمی پوشاک منگوا کر پہن لی اور جلسۂ نشاط میں شامل ہو کر نہایت سرگرمی سے ہمکلام ہوئے اور دو چار ساغر شراب کے بھی چڑھا گئے۔

خلافِ عادت یہ واقعہ دیکھ کر جعفر بہت خوش ہوا۔ خوب قہقہے لگائے پھر بکمال ادب عرض کیا کہ حضرت میں آپ پر فدا ہوں یہ تو فرمایئے کہ آخر اس تکلیف اور زحمت کا باعث کیا ہے؟ اگر کوئی حاجت ہے تو بیان کرو بندہ خدمت گزاری کو حاضر ہے۔ عبدالملک نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہ موقع عرض کرنے کا نہیں ہے، رفعِ حوائج کے وقت اور ہی ہوا کرتے ہیں آخر اس کی جلدی کیا ہے؟

لیکن جعفر نے نہ مانا اور پھر اصرار سے پوچھا تب بہ مجبوری عبدالملک نے کہا کہ میری طرف سے جو کدورتیں امیرالمومنین کے دل میں ہیں وہ جاتی رہیں اور وہ آئندہ مجھ سے مہربانی سے پیش آئیں۔ دوسری یہ کہ چار ہزار دینار کا قرض دار ہوں وہ شاہی خزانے سے ادا کر دیا جائے۔ تیسری یہ کہ محمد ابراہیم اپنے بیٹے کی شادی امیرالمومنین کی دختر سے کرنا چاہتا ہوں تاکہ سلسلۂ قرابت اور بھی مستحکم ہو جائے اور بعد شادی کے کوئی معزز خدمت اس کے سپرد کی جائے۔

جعفر نے عبدالملک کی درخواستوں کو سن کر کہا یہ تو معمولی امور ہیں۔ امیرالمومنین آپ سے بہت خوش ہیں، کوئی ملال ان کو نہیں ہے، اطمینان رکھیے، قرض کی تعداد قلیل ہے یہ رقم حاضر ہے، مگر آپ کا مرتبہ اتنا عالی ہے کہ میں یہ نہیں عرض کر سکتا کہ آپ اس رقم کو بطورِ عطیہ کے قبول فرمائیں لیکن آپ کی خدمت میں خزانۂ شاہی سے یہ رقم پہنچ جائے گی اور ابراہیم کا عقد میں نے عالیہ بنت ہارون الرشید سے کر دیا۔ کل بعد نکاح حکومتِ مصر کی سند بھی مل جائے گی۔ آپ اول وقت دربار میں تشریف لائیں۔

اسحاق کہتا ہے کہ پہلی اور دوسری درخواست کا جواب تو معمولی تھا لیکن تیسری درخواست

کا جواب سن کر مجھے نہایت تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا یہ نشہ کی لن ترانیاں ہیں، کیونکہ خلیفہ کی خوشنودیٔ مزاج سہل، قرضہ کا ادا ہونا آسان اور حکومت کا ملنا بھی ممکن، لیکن وزیر کو یہ قدرت کب کہ باختیارِ خود بادشاہ کی جس دختر کا چاہے عقد بھی کر دے، یہ تو کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ غرضیکہ مجھے اس کا خیال رہا اور جلسہ برخاست ہو گیا۔ عبد الملک بھی رخصت ہو گیا۔ لیکن رفعِ خمار کے بعد نہایت شرمندہ اور نادم ہوا اپنے ناشائستہ الفاظ پر بہت رویا۔ اور توبہ کی۔ صبح کو غسل کر کے دربار میں حاضر ہوا کہ دیکھے جعفر کے وعدوں کا کیا نتیجہ ہوتا ہے اور میں بھی علی الصبح ایوانِ خلافت میں حاضر ہوا جس وقت میں پہنچا ہوں اس وقت قاضی ابو یوسف و محمد ابن الحسن اور دیگر ائمہ کبار اور معارفِ بغداد ایک وسیع کمرے میں جمع تھے۔ ہارون تخت پر بیٹھا تھا اور جعفر عیش و عشرت کی داستان بیان کر رہا تھا جب ان معاہدوں کا ذکر آیا جو عبد الملک سے کیے گئے تھے تو ہارون نے کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ اور عبد الملک سے علی رؤس الاشہاد اپنی خوشنودیٔ مزاج ظاہر کی۔ ادائے قرض کا وزیرِ خزانہ کو حکم دیا گیا اور عالیہ سے ابراہیم کا عقد کر دیا اور مصر کی حکومت کی سند عطا فرمائی اور خوشی خوشی سب رخصت ہوئے۔

اس واقعہ کو دیکھ کر تمام دربار حیرت زدہ ہو گیا اور جعفر کے اختیارات اور زورِ حکومت کی شہرت ہو گئی۔

سازشیں اور مخالفتیں جعفر کی بارگاہِ خلافت میں یہ عزت اور محبوبیت رنگ لائے بغیر نہ رہی، خلیفہ کو جعفر سے بدگمان کرنے کے لیے سازشوں اور دراندازیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ثمامہ بن اشرس بروایت احمد بن یوسف روایت کرتا ہے کہ محمد بن لیث نے جو عہدِ ہارون میں ایک باوقار عالم تھا، خلیفہ کو ایک طولانی خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"امیر المومنین! تو قیامت کے دن خدا کو کیا جواب دے گا کہ تو نے یحییٰ بن خالد اور اس کی اولاد کو مسلمانوں پر حاکم مقرر کر رکھا ہے جو کام اہلِ اسلام کا تھا وہ زندیقوں کے سپرد کیا ہے"

جعفر کی جیت ایسا بھی ہوتا کہ خلیفہ کے سامنے دورانِ گفتگو کوئی شخص کسی ناگوار بحث کا آغاز کر دیتا اور جعفر کو مشتعل کرنے کی کوشش کرتا تاکہ خلیفہ بھی مشتعل ہو جائے اور معاملہ فیصلہ کن صورت اختیار کر لے۔

ایک مرتبہ ہارون کے دربار میں فضل بن ربیع نے جعفر سے الجھنا شروع کر دیا۔ اس کی کج بحثی سے تنگ آ کر جعفر نے غصے ہو کر فضل سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے لقیط چپ رہ۔

یہ سُن کر فضل بن ربیع جھلا اٹھا اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین! آپ گواہ رہیں جعفر نے بڑی سخت کلامی کی ہے۔

جعفر نے خلیفہ کو مخاطب کر کے کہا کہ ملاحظہ کیجیے، معلوم نہیں کہ یہ جاہل آپ کو گواہ بنا کر کس عدالت میں کھڑا کرے گا، حالانکہ یہ نہیں سمجھتا کہ حاکم الحکام تو حضور ہیں۔

جعفر کے برجستہ جواب پر زور سے قہقہہ لگا اور فضل بن ربیع چپ ہو رہا۔ خلیفہ ہارون نے کہا کہ جو شخص اپنا مرتبہ نہ جانتا ہو اور جس کو اپنے علم کا بھی علم نہ ہو، اس کو ہمیشہ ایسی ہی خجالت ہو گی جیسی آج سرِ دربار فضل بن ربیع کو ہوئی۔

جعفر اور عباسہ

رفتہ رفتہ حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ ہارون جعفر سے بدگمان ہوتا گیا۔ بدگمانی نے نفرت کی صورت اختیار کر لی اور نفرت اس کے قتل پر منتج ہوئی۔ قتلِ جعفر کے متعدد اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ مثلاً:

علامہ ابوجعفر جریر الطبری المتوفی ۳۱۰ھ (۹۲۲ء) نے زوالِ برامکہ کے جو اسباب لکھے ہیں منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے:

> "احمد بن زبیر بروایت اپنے چچا زاہر بن عرب کے کہتا ہے کہ جعفر برمکی اور اس کے خاندان کی ہلاکت کا سبب یہ ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید کو بغیر اپنی بہن عباسہ اور وزیر جعفر کے ایک دم بھی چین نہ آتا تھا۔ جب مے نوشی کے جلسے ہوتے تو یہ دونوں بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ اس لیے جعفر سے خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں، تم دونوں کا عقد کر دوں تاکہ شرعاً ایک کو دوسرے کا دیکھنا مباح ہو جائے، لیکن زن و شوئی کے تعلقات نہ ہوں اور اس شرط پر جعفر کا نکاح عباسہ سے کر دیا گیا۔

عباسہ سے جعفر کی اولاد

لیکن اس شرط پر شرعی حیثیت سے نہ عمل ضروری تھا نہ کیا گیا۔ ایک مرتبہ ایک جشنِ طرب کے سلسلے میں جعفر

کئی روز تک قصرِ شاہی میں مقیم رہا۔ یہاں عباسہ سے بے حجابانہ ملاقاتیں ہوئیں۔
ایک سب بے تکلفی کی ملاقات کے بعد چوری چھپے بھی کبھی کبھی ملا کرتے تھے۔ اس واقعہ کی اگرچہ کسی کو خبر نہ ہوئی لیکن عباسہ کے حمل نے اس راز کو طشت از بام کر دیا اور وضع حمل کے بعد یہ خیال بدنامی عباسہ نے اس لڑکے کو مکہ معظمہ روانہ کر دیا اور سوائے عباسہ کی کنیزوں کے اور کوئی اس حال سے واقف نہ ہوا، لیکن آخر کب تک یہ واقعہ چھپ سکتا تھا، اتفاق سے عباسہ کی ایک کنیز زبیدہ خاتون سے مل گئی اور اس نے یہ تمام حالات زبیدہ سے بیان کر دیے۔

زبیدہ

آخر کار یہ واقعات ہارون کے علم میں آئے اور جب ایک روز زبیدہ نے یہ بتایا کہ عباسہ ایک بچے کی ماں بن چکی ہے تو یہ واقعات سن کر وہ سناٹے میں رہ گیا اور زبیدہ سے پوچھا کہ تمہارے پاس کوئی دلیل ہے کہ جعفر نے ایسا کیا ہے؟
زبیدہ نے کہا کہ ہاں عباسہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے
پوچھا کہ وہ لڑکا کہاں ہے؟
زبیدہ نے کہا کہ وہ یہاں موجود تھا لیکن جب اس کے ظاہر ہونے کا خوف ہوا تو عباسہ نے مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ ہارون الرشید یہ سن کر چپ ہو گیا اور زبیدہ سے کہا کہ خبردار محل کی کوئی کنیز بھی اس سے واقف نہ ہونے پائے۔ زبیدہ نے جواب دیا کہ اس محل میں ایسی کون کنیز ہے جو اس حال سے واقف نہیں ہے، تب ہارون الرشید خاموش ہو رہا اور اپنے دلی خیالات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ اس کو اپنے وزیر سے رنج ہے۔ لیکن برامکہ کی تباہی و بربادی کے خیالات اس کو اسی وقت سے پریشان کرنے لگے اور دل ہی دل میں منصوبے باندھنا شروع کر دیے۔

ابن خلدون کی تردید

یہ واقعات جو اوپر بیان کیے گئے ان کا منبع اور مصدر طبری ہے۔ لیکن ابن خلدون نے نہایت زور شور سے اس ساری کہانی کی تردید کی اور عقلی اور نقلی دلائل دے کر ثابت کیا ہے کہ یہ محض من گھڑت داستان ہے۔ جسے حقیقت اور واقعے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ عباسہ کی شادی خاندان ہی کے

ایک فرد سے ہو گئی تھی۔

اصل سبب اصل بات یہ ہے کہ عرب کا گروہ برامکہ کی شان و شوکت اور اقتدار کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور ہارون کو بات بات پر برانگیختہ کرتا تھا اور چھوٹی چھوٹی معمولی خبریں ہولناک اور واقعاتِ عظیم کے پیرایہ میں دکھلائی جاتی تھیں جس سے ہارون کا اشتعالِ طبع روز بروز بڑھتا گیا۔

اسبابِ زوالِ برامکہ برامکہ کی تباہی و بربادی کے جہاں اور اسباب ہیں اُن میں ایک سبب یہ بھی ہے کہ جعفر کا میلان علویین کی طرف تھا اور وہ ان کے ہر آڑے وقت میں مدد کرنا باعثِ سعادت سمجھتا تھا۔ حالانکہ ہارون ان لوگوں کے وجود کو اپنی سلطنت کے لیے ایک خطرہ سمجھتا تھا۔

عہدِ ہارون الرشید میں جس قدر بغاوتیں حصولِ خلافت کے لیے ہوئیں منجملہ اس کے یحییٰ بن عبداللہ الحسنی (برادر محمد مہدی ملقب بہ نفس ذکیہ) کی بغاوت بھی مشہور ہے۔ ہارون کے مقابلے میں بمقام طبرستان یحییٰ نے علم بغاوت بلند کیا۔ چنانچہ فضل برمکی کی حکمتِ عملی سے ہارون الرشید کو کامیابی ہوئی اور یحییٰ دارالخلافہ میں حاضر ہوا۔ خلیفہ نے بہ نظر احتیاط و اعتبار جعفر کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس قیدی کو اپنی نگرانی میں رکھے اور جہاں تک ممکن ہو حفاظت کی جائے چنانچہ جعفر نے یحییٰ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

ایک دن جعفر نے یحییٰ کو اپنے پاس بلایا اور سب حالات دریافت کیے چونکہ یحییٰ کو یقین تھا کہ ہارون الرشید آلِ ابوطالب کا سخت جانی دشمن ہے اس لیے نہایت عاجزانہ لہجے میں کہا:

"اے جعفر باوجود اس فضل و تقدس کے کیا تو مجھے ہلاک کرے گا؟ کیا تجھ کو معلوم نہیں ہے میں علیؓ کا فرزند ہوں۔ خدائے عزوجل سے ڈر اور رسول مقبولؐ کی دشمنی سے محترز رہ۔ میں بے گناہ ہوں، ہارون نے مجھ سے فریب کیا ہے اور پناہ دے کر خلافِ معاہدہ مجھ کو قید کیا ہے"۔

جعفر نے رحم کھا کر اس علوی کو چھوڑ دیا اور کہا "جہاں جی چاہے چلے جاؤ"۔

یحیٰی نے کہا مجھے گرفتاری کا خوف ہے۔

تب بہ ہمراہی ایک خاص شخص اس کو ایک محفوظ مقام میں بھیج دیا گیا لیکن جعفر کے ایک خادم نے جو فضل بن ربیع کا مخبر تھا یہ حال فضل سے کہہ دیا۔

چنانچہ خلیفہ نے بعد تحقیقات کے جب واقعہ کی تصدیق کر لی تو ایک دن اثنائے کلام میں کھانے کے وقت جعفر سے پوچھا کہ یحیٰی حسنی کا کیا حال ہے؟

جعفر نے کہا امیر المومنین وہ بدستور ہے اور بھاری زنجیروں میں جکڑا ہے یہ سن کر ہارون نے پھر پوچھا:

"تجھے میری جان کی قسم کیا یحیٰی قید میں ہے؟"

تب جعفر سمجھ گیا اور کہا امیر المومنین میں نے اُسے چھوڑ دیا ہے، کیونکہ میرے نزدیک خلیفہ برحق کو کوئی آزار اس کی ذات سے نہیں پہنچ سکتا ہے"

ہارون الرشید کو اس بغاوت انگیز ملزم کو چھوڑ دینے کا بہت افسوس ہوا لیکن بظاہر خوش ہو کر کہا کہ بہت خوب کیا، میرا بھی یہی ارادہ تھا۔

جب جعفر رخصت ہوا تو ہارون اس کو دیکھ رہا تھا اور کہتا جاتا تھا:

"قتلنی اللہ ان لم اقتلک فکان من امرہ ما کان"

طبری نے اس روایت کو ابو محمد یزیدی کی زبانی بیان کیا ہے جو ایک معتبر راوی ہے

حجاز کے راستے میں

آخری مرتبہ جب ہارون حج کے ارادہ سے روانہ ہوا اور حوالی حجاز میں پہنچا تو اسی مقدس مقام سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی سب سے پہلی چشمک یہ ہوئی کہ مقام عسفان میں جعفر برمکی جو دعوت ہمیشہ کیا کرتا تھا وہ اس مرتبہ ہارون الرشید نے نامنظور کی جس سے جعفر کو یقین ہو گیا کہ بس اب میری خیر نہیں۔

فیصلے کا وقت آگیا

آخر وہ زمانہ آگیا۔ ہارون نے فیصلہ کر لیا کہ اب جعفر کو راستے سے ہٹا دینے کا وقت آگیا ہے۔ وہ ایک عرصے سے ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ایک طرف جعفر کے خدمات تھے، کارنامے تھے، وفاداری تھی اخلاص تھا، دوسری جانب بدگمانی تھی۔ آخر بدگمانی کو فتح ہوئی اور اخلاص کا سر قلم کر

دیا گیا۔

ہارون نے مسرور کو حکم دیا کہ جعفر کا سر کاٹ لائے۔ جعفر اپنے جلسۂ طرب میں بیٹھا تھا کہ مسرور تلوار لے کر پہنچا اور خلیفہ کا حکم سنایا۔

جعفر نے مسرور کی یہ گفتگو سنی تو اس کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا اور مسرور سے کہا کہ اچھا میرے قتل میں تھوڑا سا اور توقف کر اور خلیفہ سے جا کر کہہ کہ حکم کی تعمیل کر دی گئی ہے، میں بھی خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سننا چاہتا ہوں۔

چنانچہ مسرور نے یہ منظور کر لیا اور خلیفہ کو جا کر اطلاع کی کہ میں نے جعفر کو قتل کر دیا ہے۔

ہارون اس وقت غضبناک بیٹھا ہوا تھا پوچھا سر کہاں ہے؟

مسرور نے کہا کہ فلاں خیمے میں، جہاں قتل کیا گیا ہے۔ حکم دیا کہ فوراً پیش کر۔ چنانچہ مسرور جعفر کے پاس گیا اور کہا کہ اب تو میرے قول کی آپ کو تصدیق ہو گئی۔ اس وقت جعفر رونے لگا اور نہایت عاجزی کے ساتھ مسرور سے کہا۔

"مجھے اس قدر مہلت دو کہ میں حرم سرا میں جا کر جو وصیت کرنا ہو کر آؤں"

لیکن مسرور نے یہ درخواست نامنظور کی اور کہا کہ جو وصیت کرنا ہے یہاں کر لیجئے اندر جانے کی اجازت نہیں مل سکتی۔

تب جعفر نے کہا کہ اے مسرور میرے جس قدر حقوق تجھ پر ہیں کیا اس کے مکافات میں ایک ساعت کی مہلت دینے کی تجھ کو قدرت نہیں ہے۔ مسرور نے کہا کہ میں مجبور ہوں، امیر المومنین کے حکم کے خلاف کیوں کر کروں۔

جب جعفر کو یقین ہو گیا کہ کم بخت مسرور کسی طرح ان کو زندہ نہیں چھوڑ سکتا اس وقت کلمہ طیبہ باآواز بلند پڑھا اور حاضرین جلسہ کو مخاطب کر کے کہا کہ تم گواہ رہو میرے جس قدر لونڈی غلام ہیں وہ آج سے فی سبیل اللہ آزاد ہیں اور جس قدر مال ہے وہ مساکین پر وقف ہے۔ جس قدر امانتیں اور قرضہ میرا لوگوں پر ہے میں اس کو بھی معاف کرتا ہوں۔

حاضرین جلسہ کا اس وقت بُرا حال تھا، سب زار زار رو رہے تھے۔ جبرئیل کی روایت ہے کہ پھر ہرثمہ بن اعین نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور جعفر کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ "اے فاسق

اٹھ کھڑا ہو"۔

اتنے میں ہارون کا ایک اور خادم آیا اور کہا کہ جلدی چلو۔

چنانچہ جعفر کو اس کے خیمے سے ہارون کے خیمے تک بُری طرح گھسیٹ کر لے گئے اور اسی جگہ مسرور نے ایک ہاتھ تلوار کا جعفر کی گردن پر ایسا مارا کہ سر تن سے جدا ہو گیا۔

چھتیس برس کی عمر میں سترہ برس سات مہینے گیارہ دن وزارت کر کے محرم کی آخری تاریخ سینچر کی رات ۱۸۷ھ، [redacted] ۲۷ جنوری ۸۰۳ء بمقام عمر نہایت حسرت و بے کسی کے عالم میں یہ بلند پایہ وزیر اس جہانِ فانی سے رُخصت ہوا۔

مسعودی کی روایت یہی واقعہ مسعودی نے مروج الذہب میں اس طرح بیان کیا ہے:

جعفر کو وزیر بنے ایک مدت گزر گئی تھی۔ اس کا باپ اور اس کے بھائی مملکت پر پورے طور پر حاوی ہو گئے تھے۔ زبیدہ ہارون کی نہایت عزیز بیوی تھی ہارون اس کے کہنے کو کسی صورت میں ٹالتا نہیں تھا۔ وہ برابر ہارون کو جعفر کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی۔ آخر جب ہارون نے اس کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تو اس نے اپنے خاص الخاص خادم یاسر کو بلایا اور کہا:

"یاسر جس کام کے لیے میں نے تجھے اس وقت بلایا ہے میرے نزدیک اس کے انجام دینے کی قابلیت نہ محمد (امین)، نہ عبداللہ (مامون) اور نہ قاسم (موتمن) میں ہے۔ اچھی طرح یاد رکھ میں جو حکم دیتا ہوں اس کی ٹھیک ٹھیک تعمیل کیجو۔ ورنہ تیرے مرتبہ اور اعزاز میں فرق آ جائے گا۔"

یاسر نے جواب دیا

"امیر المومنین اگر آپ مجھے حکم دیں کہ میں تلوار اپنے سینے میں پشت سے پار کر دوں تو میں یہ بھی کر سکتا ہوں، آپ مجھے جو حکم دینا چاہتے ہیں دیجیے۔ میں انشاءاللہ فوراً اس کی تعمیل کروں گا۔"

ہارون الرشید نے کہا:

"کیا تو یحییٰ برمکی کے بیٹے جعفر کو جانتا ہے؟"

یاسر نے جواب دیا

"جی ہاں میں جانتا ہوں، ایسا کون ہے جو اُسے نہ جانتا ہو۔"

ہارون نے کہا:

"اچھا اسی وقت جا اور جس حالت میں بھی تجھے جعفر ملے اس کا سر کاٹ کر میرے سامنے حاضر کر۔"

یہ سُن کر یاسر پر گویا بجلی گر پڑی وہ حیران پریشان خاموش کھڑا تھا۔

ہارون نے کہا:

"تجھے معلوم نہیں کہ میرے حکم کی خلاف ورزی کا کیا نتیجہ ہو گا؟"

یاسر نے جواب دیا:

"امیر المومنین یقیناً مجھے پتہ ہے لیکن سخت مشکل کام ہے، میں اس کام کی نسبت مرجانا بہتر سمجھتا ہوں۔"

ہارون نے غصّے میں کہا:

"تجھے یہ کام کرنا پڑے گا اب اگر تُو نے کوئی عذر کیا تو تیرا سر کاٹ لیا جائے گا۔"

مجبوراً یاسر ارکانِ سلطنت اور فوجی سپاہیوں کو لے کر جعفر کی رہائش گاہ کی طرف چلا، جعفر کے ہاں مجلس جمی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر یاسر نے جعفر سے کہا:

"مجھے امیر المومنین نے آپ کے قتل کا حکم دیا ہے۔"

جعفر نے کہا:

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے" انہوں نے نبیذ کی ترنگ میں مذاقاً ایسا حکم دیا ہو گا یہ ان کا حقیقی حکم نہیں ہے۔"

یاسر نے جواب دیا

"آپ کا خیال غلط ہے، نہ امیر المومنین نے مذاق میں ایسا حکم دیا ہے نہ نبیذ کی ترنگ میں، انہوں نے کئی روز سے نبیذ کی شکل تک نہیں دیکھی۔

اب جعفر نے التجا آمیز لہجے میں یاسر سے کہا:

"تجھ پر میرے ان گنت حقوق ہیں، جن کا تو نے آج تک کبھی بدلہ نہ اتارا، ان احسانات کا بدلہ اُتارنے کا یہی وقت ہے۔"

یاسر نے جواب دیا:

"میں ضرور اپنا بدلہ اتار دیتا، لیکن امیر المومنین کا حکم کسی طرح نہیں ٹال سکتا۔"

جعفر نے کہا:

"تب یوں کرو کہ اس وقت واپس جاؤ۔ اگر صبح کو امیر المومنین کو پشیمان پاؤ تو کہہ دینا کہ جعفر زندہ ہے اور اگر وہ اپنے حکم پر قائم رہیں تب مجھے کوئی عذر نہ ہوگا رات بھر کی اس مہلت کا صلہ میں تمہیں اس قدر دوں گا جس کا حساب نہیں۔"

یاسر نے جواب دیا:

"یہ ناممکن ہے"

جعفر نے کہا:

"اگر تمہارے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے تو میرے قتل میں تھوڑا سا توقف اور کرو اور مجھے ایسی جگہ لے چلو جہاں سے میں امیر المومنین کا حکم اپنے کانوں سے سن سکوں اگر تمہارا عذر کام نہ آیا اور انہوں نے میرے قتل پر اصرار کیا تو پھر تم بے شک ان کے حکم کی تعمیل کر دینا۔"

یاسر نے یہ بات مان لی اور جعفر کو لے کر ہارون کے محل میں آیا، جعفر کو باہر ہی چھوڑا اور خود اندر کمرہ میں جاکر خلیفہ سے کہا:

"امیر المومنین میں جعفر کا سر لے آیا ہوں۔"

ہارون نے کہا:

"اسی وقت حاضر کرو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔"

یاسر باہر نکلا اور جعفر سے کہا:

"اب آپ نے خلیفہ کا حکم اپنے کانوں سے سن لیا؟"

جعفر نے کہا:

"ہاں بے شک اب اپنا کام سرانجام دو"۔

یہ کہہ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹا سا رومال نکالا اور اپنی آنکھوں پر باندھ لیا۔ یاسر نے تلوار چلائی اور اس کا سر تن سے جدا کر کے ہارون کے پاس لے آیا۔ جب ہارون نے جعفر کا سر اپنے سامنے دیکھا تو اپنی گردن اس پر جھکا لی اور اس کے گناہوں کا ذکر کرنے لگا۔ اس کے بعد یاسر سے کہا کہ فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ۔ جب یاسر ان لوگوں کو لے آیا تو ہارون نے ان سے کہا کہ یاسر کی گردن اڑا دو۔ کیونکہ میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ جعفر کے قاتل کو اپنے سامنے زندہ دیکھوں"۔

املاک کی ضبطی

جعفر کے قتل کے بعد ہی اگرچہ ہرثمہ بغداد روانہ کر دیا تھا کہ برامکہ کے مکانات اور مال و اسباب کو ضبط کرے۔ لیکن اس ابتدائی حکم کے بعد سختی سے اس پر عملدرآمد ہوا۔ سہل بن ہارون کہتا ہے کہ برامکہ کے کل مال و اسباب و نقدی جاگیرات کی ضبطی سے تین کروڑ چھہتر ہزار دینار وصول ہوئے منجملہ اس کے ایک کروڑ تیس لاکھ روپے کی رقم کی آمدنی صرف خرچ کی تھی جو برامکہ کی جاگیرات سے وصول ہو کر داخلِ خزانہ ہوئی تھی۔

ہارون کی برہمی قائم رہی

برامکہ کے مال و منال اور املاک و جاگیر کی ضبطی میں بھی ہارون نے اتنی ہی تعجیل سے کام لیا تھا جتنا جعفر کے قتل میں لیا تھا۔

محمد بن اسحٰق (بروایت جعفر بن محمد حکیم) راوی ہیں کہ مجھ سے سندی بن شاہک نے بیان کیا کہ جعفر کے قتل کی صبح کو میرے پاس ہرکارہ آیا اور ایک لفافہ میرے حوالے کیا۔ جب میں نے اس کو کھول کر پڑھا تو معلوم ہوا کہ ہارون نے خود اپنے قلم سے لکھا ہے جس کے الفاظ یہ تھے:

"سندی! جس وقت تم اس خط کو پڑھو پس اگر بیٹھے ہو تو اٹھ کھڑے ہونا اور اگر کھڑے ہو تو پھر نہ بیٹھنا یہاں تک کہ مجھ تک پہنچ جاؤ"۔

چنانچہ ہارون الرشید اس وقت موضع عمر میں تھا جس قدر جلد ممکن ہوا میں بھی پہنچا اوّل عباس بن فضل بن ربیع سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ خلیفہ میرے ہی انتظار میں اس وقت دریائے فرات کے کنارے بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے فوراً اپنی حاضری کی اطلاع کرائی۔ چنانچہ اسی وقت حضور میں طلب ہو گیا۔ جو لوگ بیٹھے تھے وہ رخصت کر دیے گئے۔ جب خلوت ہو گئی تو فرمایا میرے قریب آ کر بیٹھو۔ جب میں قریب ہو گیا تو پوچھا جانتے ہو میں نے تم کو کیوں خط لکھا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ امیر المومنین مجھے کیا علم ہے؟ تب کہا کہ ایک امر میں مشورہ کرنا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسی بات ہے کہ اگر اس سے میری قمیص واقف ہو تو میں اسی وقت اس کو فرات میں ڈال دوں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ معتمد افسرانِ فوج اور خدام میں سے کون کون موجود ہیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہرثمہ اور مسرور الکبیر، کہا ہاں سچ ہے۔ پھر مجھے حکم دیا کہ ان دونوں کو اپنے ہمراہ لے کر مدینۃ السلام بغداد کو روانہ ہو، اور برامکہ کے کل مکانات ضبط کر کے ہر ایک پر پہرہ مقرر کر دو، تاکہ کوئی شے مکان سے نکلنے نہ پائے۔ اور جعفر کی لاش کے تین ٹکڑے کر کے ایک ایک بغداد کے پلوں پر لٹکا دیا جائے اور سر جداگانہ جسر اوسط پر آویزاں کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے بہمراہی ہرثمہ بن اعین اور ابراہیم بن حمید المروزی کے سرکو روانہ کر دیا اور خود بغداد پہنچ کر برامکہ کی تمام جاگیریں ضبط کر لیں۔ میرے پہنچنے کے بعد ہرثمہ بھی آ گیا تھا اور جعفر کی نعش ایک اونٹ پر تھی جس پر پالان تک نہ تھا اور سر جسر اوسط پر عبرت للناظرین لٹکا دیا گیا تھا، اس کے بعد میں نے جعفر کے مکان پر مسرور کو، فضل کے مکان پر ابراہیم بن حمید اور حسین خادم کو یحییٰ اور محمد کے مکان پر، یحییٰ بن عبدالرحمان اور رشید کو بحیثیت ذمہ دار افسر کے نگران مقرر کیا اور متعلق ضبطی دیگر جاگیرات کے اسی قسم کے احکام تمام شہروں میں جاری کر دیے کہ کل مال و اسباب برامکہ کا ضبط کیا جائے۔

یحییٰ نے یہ خبر کس طرح سنی یحییٰ کا ایک کاتب بیان کرتا ہے کہ: میں یحییٰ کے پاس بیٹھا ہوا لوگوں کے عرائض پر حکم لکھ

رہا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور یحییٰ کے پاؤں پر گر پڑا۔ یحییٰ نے سر اٹھا کر پوچھا کہ کم بخت بتا تو سہی کیا خبر لایا ہے۔ اس نے کہا ہارون نے ابھی جعفر کو قتل کر دیا ہے۔
جب وہ کہہ چکا تو پھر پوچھا کہ کیا فی الحقیقت جعفر قتل ہو گیا؟
اس نے کہا ہاں، یہ سن کر یحییٰ کے ہاتھ سے قلم چھوٹ کر گر پڑا۔ اور کسی قسم کا تغیر نہیں ہوا اور کہا کہ قیامت بھی یکایک اسی طرح آئے گی

عبرت ایک محرر کا بیان ہے کہ میں نے ہارون الرشید کے دفتر کے جمع خرچ کو دیکھا تو ایک فرد حساب میں لکھا تھا کہ جعفر برمکی کو نقد اس قدر اور عطیات اور کپڑا اس قدر مرحمت کیا گیا جس کی کل میزان تیس ہزار درہم تھے۔ دوسری فرد کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ قیمت فقط اور بوریہ جس میں جعفر کی نعش جلائی گئی چار درہم اور نیم درتنگ تھی۔

ہارون کے خط کا جواب ہارون نے جعفر کی ماں کے پاس ایک خط بھیجا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ جعفر واجب القتل تھا۔ اس خط کا جواب فوراً یہ ملا:
امیر المومنین کا فرمان گزار کنیز کے پاس پہنچا۔ یہ مقتضائے بزرگی جو شفقت آمیز کلمات لکھے ہیں وہ معلوم ہوئے، لیکن امیر المومنین کی عالی ہمتی پر مجھے سخت تعجب ہے کہ جعفر مرحوم کے سوگ میں میرے دل کے زخم کو تازہ کر دیا۔ جعفر کی خیانت اور عدول حکمی جو بیان کی گئی ہے امیر المومنین کو اپنی فیاضی سے سزاوار تھا کہ مجھ تک ان باتوں کا ذکر نہ آتا، کیونکہ جو الزام تھے اس کی سزا دے دی گئی اور اگر ناکردہ گناہ جعفر پر ظلم کیا گیا ہے تو اس کی بھی امیر المومنین کو خبر ہے، مجھ دکھیا کے دل کو دکھانے سے کیا فائدہ؟ امیر المومنین کو اچھی طرح یاد ہے کہ میرا بیٹا جعفر کس رتبے کا شخص تھا۔ ہنر، عقل، فیاضی اور شجاعت میں کوئی اس کا مثل نہ تھا۔ افسوس کہ جب ایسا فرزند جوان اور وہ بھی مظلوم مارا جائے تو اس کی ماں کا کیا حال ہو گا اور وہ کیونکر زندہ رہ سکتی ہے۔ میری زندگی یا سعادت جو کچھ سمجھو اس میں ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں۔

جو معاملہ اب چھپا ہوا ہے روز محشر میں کیسے چھپا رہے گا؟ امیر المومنین نے اپنی مہربانی، ذرہ نوازی اور فیاضی سے حکم دیا ہے کہ جو آرزو ہو لکھو۔ اس دُنیا میں میری آرزو اور اُمید وہی میرا بیٹا تھا جس کو امیر المومنین نے مجھ سے جدا کر دیا۔ خداوند کریم سے یہ تضرع و زاری اب یہی دُعا ہے کہ میں بھی جعفر سے جا ملوں وھو المامول للہ جابۃ والقادر علیہ۔ اگر امیر المومنین مجھ ضعیفہ کی خدمتِ سابق پر لحاظ فرمائیں تو صرف ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ جاگیراتِ منضبط میں سے تھوڑی سی اراضی واگزار فرمائی جائے جو میرے یتیم بچوں کی پرورش کے واسطے کافی ہو۔ اور گدائی کی ذلت سے محفوظ رہیں۔ کیونکہ یہ صدمہ میرے لیے مرنے کے بعد بھی موت سے زیادہ ہو گا۔ امیر المومنین کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ مجھ جیسا مصیبت زدہ نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا۔ کیونکہ جیسا خدا نے مجھ کو عدیم المثال بیٹا دیا تھا اب ویسی ہی عدیم النظیر مصیبت بھی دی ہے۔ جس نے میرے بیٹے کو ہلاک کیا اس کے حقوق بھی مجھ پر ہیں اس لیے میرے دل سے بددعا نہیں نکلتی ہے اور یہ مروت اور حق شناسی کا نتیجہ ہے کہ بدگوئی سے میری زبان بند ہے اور قیامت میں بھی میری طرف سے کوئی دعویٰ پیش نہ ہو گا۔

خلیل بن ہیثم کہتا ہے کہ ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بہت رویا اور کہنے لگا کہ مجھ پر خدا کی پھٹکار ہو اور اس دن پر بھی کہ جس دن میں نے جعفر کو قتل کیا تھا اور فاطمہ سے کہلا بھیجا کہ مجھ کو اور آپ کو خدا مرحوم جعفر کا صبر مرحمت فرمائے جو حال فراقِ جعفر میں آپ کا ہے وہی میرا ہے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔

مسرور کی روایت ہے کہ ہارون نے اس خط کو دوبارہ پڑھا۔ میں اپنے دل میں ڈرتا تھا کہ اس حالتِ بیقراری میں کہیں میرے قتل کا حکم نہ دے دے کیونکہ جعفر کا قاتل تو میں ہی تھا۔ جب کسی قدر تسکین ہوئی تو مجھے حکم دیا کہ خزانہ سے زرِ نقد، ظروف، کل اسباب واپس کر دے اور حکم دیا کہ جعفر کی ماں سے کہو کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ مجھے اپنے حال سے اطلاع دیا کریں۔

جعفر کا کٹا ہوا سر جبرئیل بن بختیشوع طبیب کا قول ہے کہ جعفر کو قتل ہوئے آدھا

گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ایک خادم آیا کہ چلئے امیر المومنین یاد فرما رہے ہیں۔ چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا۔ جعفر کا سر ایک طشت میں ہارون کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی کہا کہ جبرئیل تم مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ غذا کیوں گھٹ گئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، کہا مجھے اسی کی فکر تھی جو اس وقت دیکھ رہے ہو اب میں اچھا ہوں، چنانچہ اسی وقت کھانا منگایا اور مثل تندرست آدمیوں کے خوب سیر ہو کر کھایا۔

ابونواس کا مرثیہ

ابونواس نے جعفر کا بڑا دردانگیز مرثیہ لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے اے وہ شخص کہ خاک میں گم ہو گیا اور لوگ اس کی خوبیوں کا وظیفہ پڑھتے ہیں

خدا تجھ کو مغفرت اور احسان عنایت فرمائے۔
اگر تو نے موت کا ایک پیالہ پیا ہے
تو ہم لوگ ہر روز طرح طرح کی موت چکھتے ہیں۔

تلافیٔ مافات

سنہ ۲۱۳ھ میں مامون الرشید مستقل خلیفہ ہوا اور فضل بن سہل جس کو مامون الرشید نے ذوالریاستین کا لقب دیا تھا وزارتِ عظمیٰ کے درجے پر ممتاز ہوا۔ جب اس وزیر کو جو بلحاظ اقتدار حقیقت میں خلافت کرتا تھا ان خانہ جنگیوں سے فرصت ہوئی اور ملک میں امن امان کی عام منادی ہو گئی تب اپنے قدیم سرپرست اور محسن خاندان کا خیال آیا۔ یعنی آل برمک کو قید سے رہا کرانا چاہا۔ چنانچہ مامون الرشید سے تمام موجودہ قیدیوں کا قصور معاف کرا کر قید سے رہا کر دیا۔ اور مامون نے اپنی فیاضی سے سب کو گرانمایہ خلعت اور انعامات سے مالا مال کر دیا۔ اور جو جاگیریں اس وقت تک ضبطی میں تھیں وہ سب بحق برامکہ واگزار کر دی گئیں اور جو انوں اس خاندان میں باقی رہ گئے تھے ان کو خلیفہ کے روبرو پیش کر کے حسب استعداد ملکی عہدوں پر مقرر کرا دیا۔

ماخذ

الہارون (عمر ابوالنصر) ہارون الرشید (پامر) البرامکہ، تحت ظلال الخلفاء (مطبوعہ مصر)

اعلام الناس بما رقع للبرامکۃ مع بنی العباس (مطبوعہ مصر)
عصر المامون - ڈاکٹر رفاعی (مطبوعہ مصر)
البرامکہ - طبری، ابن خلکان، ابن خلدون
تاریخ الفخری، کامل ابن اثیر، تاریخ الخلفاء (سیوطی)
معجم البلدان، روضۃ الصفا، طبقات اطباء

منظرِ بازگشت

جعفر قتل ہوگیا۔

یحییٰ نے جیل کی تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

فضل نے بھی جیل کے تنگنائے میں اپنی جان جان آفریں کو سپرد کر دی۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ تھا کہ حق ادا نہ ہوا

لیکن کیا وہ ان کارناموں کو بھی مٹانے میں کامیاب ہو سکا جو برامکہ نے انجام دیے تھے۔

بے شک ہارون برامکہ کو تباہ و برباد کرنے اور اُن کے ساتھیوں اور دوستوں کو سخت سزائیں دینے میں کامیاب ہوگیا، لیکن وہ تاریخ کے صفحات سے ان کا نام اور اُن کے عظیم الشان کارنامے مٹانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ برامکہ قید خانوں میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے، جعفر کا سر مدتِ دراز تک بغداد کے پلوں پر لٹکا رہا لیکن برامکہ کے نام اب بھی تاریخ میں، شعروں کے دواوین اور ادب کی کتابوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

لازوال کارنامے برامکہ کے کارنامے اتنے لازوال اور ایسے لافانی ہیں، کہ ہمیشہ

ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

برامکہ نے علوم و فنون کی جو ترویج کی وہ تو رہتی دنیا تک ان کی یادگار رہے گا۔ انہوں نے صرف محلات ہی نہیں بنوائے علوم و فنون کی ترویج و توسیع کا بہت بڑا کارنامہ انجام دیا۔ ان کی علم پروری کا حال سن کر ہر چہار طرف سے علماء و شعراء اور ادباء ان کی خدمت میں آنے لگے اور بغداد نے ایک عظیم الشان دار العلوم کی حیثیت حاصل کر لی۔

جس طرح ہارون علم و فن کی محفلیں منعقد کیا کرتا تھا اسی طرح برامکہ بھی اپنے اردگرد علماء، ادباء اور شعراء کو جمع رکھتے ہیں۔ اکثر علماء اور ادباء کے باہم مشورے ہوا کرتے تھے جن سے علوم کے نئے دروازے کھلتے تھے۔ برامکہ ان علماء اور ادباء پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اطباء پر تو برامکہ کی خاص عنایات تھیں اور انہوں نے ان کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کر رکھی تھیں۔

سببِ استیصال برامکہ

برامکہ کے استیصال کے سلسلے میں کہا جاتا ہے: فی نفسہٖ خاندانِ برامکہ کی تباہی کے اسباب ملکی ہیں ابتداءً جزئی واقعات سے ہارون کے اشتعال کو تحریک ہوئی۔ اور جب برامکہ حقیقتاً تمام ملک کے مالک بن گئے اور ہارون الرشید برائے نام خلیفہ رہ گیا، اس وقت سیاستِ ملکی کے قانون نے قطعی طور پر استیصال کر دیا۔ بہ لحاظ طرزِ حکومت زمانۂ موجودہ ہارون پر یہ الزام لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے برامکہ پر بڑا ظلم کیا۔ لیکن جب عام طور پر شخصی سلطنتوں کے اختیارات اور ان کی مجبوریوں پر نظر ڈالی جاتی ہے اس وقت یہ سنگین جرم محض خفیف ہو جاتا ہے اور انصافاً یہی کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا مناسب تھا۔

برامکہ کے نقوش نہ مٹ سکے

لیکن یہ قول اگر سچ بھی مان لیا جائے تو بھی یہ امر واقعہ ہے کہ برامکہ کے استیصال کے بعد ہارون کو ایک دن بھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ وہ ہر وقت متفکر اور پریشان رہتا تھا، کیونکہ اس کی سلطنت کا سارا انتظام برامکہ کی وجہ سے قائم تھا۔ وہ انتہائی

اخلاص کے ساتھ سلطنت کے ہر شعبے کی نگرانی کرتے رہتے اور کوئی خرابی پیدا ہوتے ہی اس کی اصلاح کر دیتے تھے۔ برامکہ ہی تھے جنہوں نے ہارون کو خلافت دلائی تھی۔ اور اس کی راہ سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کیا تھا، اگر وہ نہ ہوتے تو ہارون کی حیثیت ملک کے دوسرے عباسی امراء سے کسی طرح بہتر نہ ہوتی اور خلافت اس کے بھائی ہادی کے بیٹوں کی طرف منتقل ہو جاتی۔ ہارون بہت ہی رقیق القلب اور حیادار انسان تھا۔ اس نے تو برامکہ کو تباہ کر دیا لیکن وہ انہیں بھول کس طرح سکتا تھا اور ایسے شہر میں کس طرح رہ سکتا تھا جہاں ہر وقت اسے برامکہ کی یاد تڑپاتی رہتی اور ان کی صورتیں اس کی آنکھوں کے آگے گردش کرتی رہتیں۔

برامکہ کی ثقافتی سرگرمیاں

ہمیں یہ بات بھولنی نہیں چاہیے کہ برامکہ فارسی الاصل تھے۔ اسی لیے وہ فارسی تہذیب کے زبردست دلدادہ اور فارسی ثقافت کی ترویج میں پیش پیش تھے۔ سلطنت کا تمام نظام انہوں نے ایرانی سانچوں میں ڈھالا ہوا تھا (فضل بن سہل کو جو بعد میں "ذوالریاستین" کے لقب سے ملقب ہوا اور امین کا وزیر اعظم بنا) یحییٰ برمکی نے ایرانی کتب کا ترجمہ عربی میں کرنے پر مقرر کر رکھا تھا۔ اس نے یہ کام بڑی عمدگی اور لیاقت سے کیا۔ یحییٰ اس کی لیاقت سے بڑا خوش ہوا اور اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ وہ اسلام لے آیا۔ اس پر یحییٰ نے اسے اور اس کے لڑکے کو خراسان بھیج دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کو علم و حکمت کا درس دیں۔

لیکن برامکہ نے اپنی کوشش صرف فارسی ثقافت کی ترویج تک ہی محدود نہیں رکھیں بلکہ دوسری ثقافتوں کی ترقی کے سلسلے میں بھی بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ ابن ندیم ذکر کرتا ہے کہ ہیئت کے بارے میں مجسطی کو عربی میں ترجمہ کرانے اور اس کی شرح لکھوانے کا خیال پہلے پہل یحییٰ برمکی کو ہوا۔ اس نے علماء کی ایک جماعت اس غرض کے لیے مقرر کی کہ وہ اس کا ترجمہ کریں اور شرح بھی لکھیں۔ جب کتاب یونانی سے ترجمہ ہو کر اس کے سامنے آئی تو وہ مطمئن نہ ہوا۔ اور اس نے "بیت الحکمت" کے دو اور عالموں ابوحسان اور مسلم کو دوبارہ اس کی شرح لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہوں نے

بڑی محنت سے کام کیا اور پہلے علماء کی لکھی ہوئی شرح میں جو خامیاں رہ گئی تھیں انہیں دور کیا۔ اسی طرح یحییٰ نے مشہور ہندوستانی طبیب منکہ کی ایک کتاب کا ترجمہ عربی میں کرایا اور ایک آدمی کو خاص اس غرض سے ہندوستان روانہ کیا کہ وہ منکہ سے ان جڑی بوٹیوں کا مفصل حال پوچھ آئے جن کا ذکر اس کی کتاب میں تھا، منکہ کے نام جو خط اس نے تحریر کیا اس میں یہ درخواست بھی کی کہ وہ ہندوستان کے تمام مذاہب کا حال بھی اسے لکھ کر بھیجے، چنانچہ منکہ نے تمام جڑی بوٹیوں اور ہندوستان کے مذاہب کا حال مفصل طور پر لکھ کر یحییٰ کو بھیج دیا۔

دوست دشمن بن گئے

جعفر مرحوم کے بعد جو مصیبت اس خاندان پر نازل ہوئی وہ قیامت سے کم نہ تھی۔ ہارون الرشید کے خوف سے برامکہ کی قرابت والے بھی اپنے رشتے سے انکار کرتے جاتے تھے اور جن لوگوں کو برامکہ کی دوستی کا دعویٰ تھا وہ دشمن بن گئے۔

ہارون پر برامکہ کے احسانات

اور جیسی ہارون نے برامکہ کے ساتھ یہ روا رکھا تھا ان برامکہ کا ہارون کے ساتھ کیا برتاؤ رہا تھا، یہ بھی پیش نظر رہے تو بہتر ہے۔

ہارون الرشید کی تخت نشینی یحییٰ بن خالد کی اصابت رائے، فراست اور عقل مندی کی رہین منت ہے۔

جب ہادی نے اپنے بھائی ہارون الرشید کو حقوق سلطنت سے محروم کرنے اور اپنے بیٹے جعفر کو ولی عہد اور جانشین مشتہر کرنے کا خیال کیا تو سوچا سب سے پہلے یحییٰ کو اس رائے سے متفق کر لینا چاہیے۔

یحییٰ کو بلایا اور اس کو تخلیہ میں لے گیا اور بیس ہزار دینار انعام دے کر اور خلعت فاخرہ مرحمت کر کے یحییٰ سے گفتگو شروع کی۔

یحییٰ نے کہا: امیرالمومنین اگر آپ اس طرح کریں گے تو گویا آپ اپنی رعایا کے لیے قول اور قسم توڑنے اور معاہدہ پر پابند نہ رہنے کی ایک نظیر قائم کر دیں گے۔ پھر دوسرے لوگ

بھی ایسا کرنے پر بے خوف ہو جائیں گے۔ لیکن اگر آپ بجائے اس کے یہ کریں کہ ہارون کو ولی عہدی کے خطاب سے محروم نہ کریں اور اس کے بعد جعفر کی تخت نشینی پر بیعت لیں تو یہ بات جعفر بن ہادی کے لیے مضبوط ضمانت بن جائے گی۔ ہادی نے کچھ عرصے تک یہ معاملہ اسی طرح رہنے دیا۔ لیکن آخر کار محبتِ پدری کا جوش موجزن ہوا اور اس نے یحییٰ کو دوبارہ اپنے حضور میں بلوا کر مشورہ کیا۔ یحییٰ نے اب یہ دلیل پیش کی کہ جعفر کی طفولیت ہی میں اگر امیرالمومنین خدانخواستہ آپ کا انتقال ہو جائے تو خاندانِ شاہی کے امراء اور سردار جعفر کو جائز تخت نشین کبھی نہیں مانیں گے، ہادی نے اس بات کو تسلیم کیا۔ تب یحییٰ نے کہا کہ امیرالمومنین آپ اس تجویز کو ترک کر دیں تاکہ آپ کی خواہش جو ہے وہ دوسری عمدہ تجویز سے پوری ہو سکے۔ آپ کے والد خلیفہ المہدی ہارون الرشید کو اگر آپ کا جانشین مقرر نہ فرماتے تو آپ کی جانب سے یہ تجویز عمل میں آسکتی تھی اور اب تو صرف یہی ایک طریقہ ہے کہ جو میں نے عرض کیا جس کی وجہ سے بنی ہاشم کی خلافت قائم رہ سکتی ہے۔

جب ہادی کو معلوم ہوا کہ یحییٰ کی رائے کو پلٹا نہیں جا سکتا تو اس نے یحییٰ کو قید کر دیا اور اپنے بھائی ہارون الرشید سے بھی اسی قدر دشمنی کا اظہار کیا کہ ہارون الرشید نے اپنی جان بچانے کی غرض سے اس سے علیحدگی اختیار کی۔

اب ہادی نے اپنا غصہ اپنی ماں خیزراں پر اتارا اور اس کو زہر دے کر مار ڈالنا چاہا لیکن خیزراں کو اس کی یہ نیت معلوم ہو گئی اور اس نے ہادی کی چند لونڈیوں کو رشوت دے کر ملا لیا جنہوں نے ہادی کا گلا گھونٹ کر اسے سوتے ہوئے مار ڈالا۔

یہ واقعہ ۱۵ ستمبر ۷۸۶ء کو وقوع پذیر ہوا۔ اسی رات ہارون الرشید کا ایک خادم خزیمہ بن خازم جعفر کے سرہانے آیا۔ وہ سو رہا تھا، اس کو جگایا اور کہا کہ اگر تو اپنے تمام دعاویٔ خلافت ترک نہ کرے گا تو تیرا سر بھی قلم کر دیا جائے گا

جعفر خورد سال تھا، جان کے خوف سے ترکِ دعاویٔ خلافت پر راضی ہو گیا۔

خزیمہ دوسرے روز صبح کے وقت جعفر کو مجمع عام کے روبرو لے گیا اور اس کو اس بات پر مجبور کیا کہ عوام کو اپنے دعویٔ خلافت سے کنارہ کش ہو جانے پر آگاہ کرے اور

لوگوں نے جو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی قسم کھائی تھی اس سے ان کو خلاصی دے چنانچہ جعفر نے ایسا ہی کیا۔

ہادی کے انتقال کے وقت یحیٰی بن خالد قید خانہ میں مقید تھا۔ ہارون الرشید کو جب ہادی کے مرنے اور اس کے تخت نشین ہونے کی خبر پہنچائی گئی تو ہارون نے یحیٰی کو فوراً قید خانہ سے بلوایا اور اسے اپنا وزیر اعظم بنایا۔ خلعتِ وزارت دیتے ہوئے ہارون نے یحیٰی کو کامل طور سے کلی اختیاراتِ سلطنت تفویض کر دیے اور یحیٰی سے کہا کہ میں تم کو اپنی رعایا پر حکمرانی کے مکمل اختیارات عطا کرتا ہوں جس طرح تم چاہو ان پر حکومت کرو۔ جس کو چاہو معزول کردو اور جس کو چاہو مقرر کردو اور اپنے حکم کی تصدیق میں ہارون نے یحیٰی کو اپنی انگشتری بھی دے دی۔

ایک دوسری روایت ہے کہ ہارون الرشید سو رہا تھا، اتنے میں یحیٰی اس کے پاس آیا اور یہ کہہ کر جگایا کہ امیر المومنین بیدار ہو جائیے۔ ہارون نے کہا کہ تم تخت نشینی اور خلافت کا اشارہ کر کے کیوں جگاتے ہو، اگر ہادی یہ باتیں سن لے گا تو خیال کرو وہ کیا کہے گا۔

یحیٰی نے ہارون کو ہادی کی موت کی اطلاع دی اور متوفی خلیفہ کی انگشتری پیش کی۔

اسبابِ زوال پر ایک نظر

اب آخر میں برامکہ کے اسبابِ زوال پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔

مورخین نے برامکہ کے زوال کے اسباب مختلف لکھے ہیں اور متاخرین نے جعفر و عباسہ کی لغو اور مہمل داستان کو افسانہ بنا کر اسے اور بدنما کر دیا ہے، اس کی تردید میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور اب اہلِ نظر کی نگاہ میں یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ اس پر زیادہ لکھنا بے کار ہے۔ تاہم چونکہ ہارونی عہد کی تاریخ بغیر اس پر کچھ لکھے ہوئے ناقص رہ جاتی ہے اس لیے اس کی تردید میں صرف چند شہادتیں پیش کی جائیں گی۔

- قدیم تاریخوں خصوصاً ان تاریخوں میں جو عباسیوں کے حالات میں زیادہ مستند ہیں

اس واقعہ کا کہیں اشارہ بھی نہیں ملتا۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے سب سے بڑے مورخ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ نے اپنی کتاب میں کہیں اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ مہدی کی اولاد کی تفصیل کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ ہارون نے عباسہ کی پہلی شادی محمد سلیمان عباسی سے کی تھی۔ اس کی موت کے بعد دوسرا عقد ابراہیم بن صالح بن علی سے کر دیا۔ اس کتاب کا مصنف زوال برامکہ کے کُل ۲۵ سال بعد پیدا ہوا۔ اس لیے اس کی شہادت اس باب میں سب سے زیادہ معتبر ہے۔ قریب قریب اس افسانہ کا دوسرا مورخ محمد بن عبدوس جہشیاری ہے جس نے اپنی کتاب (کتاب الوزراء) میں عباسی حکومت خصوصاً ہارون کے عہد اور برامکہ کے حالات نہایت وضاحت سے لکھے ہیں، یہ بھی اس واقعہ کا کوئی تذکرہ نہیں کرتا۔ یہ نادر کتاب ویانا میں عکسی چھپی ہے۔ محمد بن عبدوس کا زمانہ تیسری صدی کا آخر اور چوتھی صدی کا اوّل ہے۔

اس کے بعد اس عہد کے تیسرے نامور مورخ احمد بن داؤد دینوری المتوفی ۲۸۱ھ نے بھی اپنی کتاب اخبار الطوال میں اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس عہد کا چوتھا مورخ احمد ابن ابی یعقوب بن واضح جو عباسی کاتب بھی تھا تاریخ یعقوبی میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ قدیم مورخین میں سب سے پہلے طبری نے یہ واقعہ لکھا ہے گو طبری مستند مورخ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک واقعہ کے متعلق جس قدر مستند اور غیر مستند روایتیں ہوتی ہیں، بلا اظہار رائے سب کو نقل کر دیتا ہے۔ کسی پر نقد و تبصرہ نہیں کرتا۔ چنانچہ اس نے منجملہ اور واقعات کے جعفر و عباسہ کا واقعہ بھی مختصر الفاظ میں نقل کر دیا ہے لیکن اس میں کوئی حاشیہ آرائی اور افسانہ طرازی نہیں ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ طبری کا زمانہ اوّل الذکر مورخین کے مقابلے میں برامکہ کے بہت بعد میں ہے اور اتنی مدت میں ایک واقعہ کیا کیا شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔

طبری کے بعد ابن اثیر اور ابو الفدا کی تاریخوں میں یہ واقعہ ملتا ہے۔ لیکن ابن اثیر طبری کا اور ابو الفدا ابن اثیر کا خلاصہ ہے۔ اس لیے یہ بھی گویا طبری ہی کا بیان ہے۔

سب سے آخر میں ابن خلدون کا نمبر آتا ہے گو یہ بھی اپنے پیش رو مورخین کا خوشہ چین ہے، لیکن محض مقلد نہیں ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق تحقیقی رائے رکھتا ہے اور ان کو فلسفۂ تاریخ کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔ اس لیے اس کی رائے مشتبہ واقعات کی تصدیق اور تردید میں زیادہ صائب مانی جاتی ہے۔ اس لیے اس واقعہ کے متعلق بھی اس کی رائے زیادہ صحیح اور محققانہ ہو گی۔

اس نے مقدمہ کے اس باب میں جہاں مورخین کے مغالطہ اور اوہام میں مبتلا ہونے کے اسباب پر بحث کی ہے وہاں اس نے بے اصل مگر مشہور واقعات کے سلسلے میں جعفر و عباسہ کے افسانہ پر تنقید کر کے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے۔ چونکہ یہ بحث لمبی ہے اس لیے ہم اس کو قلم انداز کرتے ہیں۔ جو صاحب دیکھنا چاہیں وہ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۱۰ تا ۱۶ میں ملاحظہ فرمائیں۔

زوالِ برامکہ کے حقیقی اسباب

شخصی حکومتوں کی تاریخ میں یہ نیا واقعہ نہیں ہے کہ بادشاہِ وقت کو جس شخص پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس کو ابتدا میں وہ حکومت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیتا ہے اور جب وہ رفتہ رفتہ اپنے حدود سے بڑھ کر تمام امورِ سلطنت پر حاوی ہو جاتا ہے اور بادشاہ اس کے مقابلے میں اپنے کو بے بس اور مسلوب الاختیار پاتا ہے۔ اس وقت وہ اس کے گرانے کی کوشش کرتا ہے، برامکہ بھی اسی بے عنوانی کا شکار ہوئے یحییٰ ہارون کا رضاعی باپ تھا۔ اسی نے اس کو سلطنت دلوائی تھی اس لیے ہارون نے اس کو مختارِ جز و کل بنا دیا تھا۔ فضل اور جعفر وزارت میں اس کے دستِ راست تھے۔ پھر جب یحییٰ بوڑھا ہوا تو پہلے فضل پھر جعفر کے ہاتھ میں قلمدانِ وزارت آیا تو ان کی زرپاشیوں اور اربابِ علم کی قدر دانیوں نے کل رعایا کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ ہارون صرف نام کا بادشاہ رہ گیا تھا۔ عملاً بادشاہت برامکہ کے ہاتھ میں تھی۔ اس عروج نے ان کو اتنا خود سر بنا دیا تھا کہ ہارون کے احکام کی مطلق پرواہ نہ کرتے تھے اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی تھی کہ اگر ہارون کو خزانہ سے معمولی رقم کی ضرورت ہوتی تو آسانی سے ملنا مشکل

ہو جاتا۔ درآنحالیکہ خود برامکہ محض نمود و نمائش کے لیے بے دریغ روپیہ لٹاتے تھے، اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو بڑے بڑے انعامات دیتے تھے۔ شعراء اور سائلین پر خلعت اور انعام واکرام کی بارش کرتے تھے۔ ممالکِ محروسہ کے تمام عمدہ علاقوں اور جاگیروں پر وہ قابض ہو گئے تھے۔

ہارون رشید کی برہمی کا دوسرا سبب یہ تھا کہ برامکہ عباسیوں کے حریف مقابل اور ان کے مخالف آئمہ اہل بیت کے ساتھ نہ صرف حسن سلوک سے آتے تھے بلکہ ہارون کے علی الرغم ان سے عقیدت رکھتے تھے۔ یحییٰ بن عبداللہ نفس ذکیہ کے بھائی حکومت کے باغی تھے، رشید نے ان کو گرفتار کرا کے قید کرنے کے لیے جعفر کے حوالے کیا، اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ فضل بن ربیع کو جو برامکہ کا سخت دشمن تھا اس کی خبر لگ گئی۔ اس نے ہارون سے کہہ دیا۔ دوسرے دن جب جعفر دربار میں آیا تو ہارون نے پوچھا کہ جعفر یحییٰ کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا وہ اب تک قید خانہ میں بند ہے اس نے کہا۔

سچ کہتے ہو!

اس مکرر سوال پر جعفر تاڑ گیا کہ ہارون کو اس کی خبر ہو گئی۔ عرض کی،

آقائے من! وہ امیرالمومنین کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے میں نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ ہارون نے جواب دیا، اچھا کیا، میں بھی ان کو چھوڑ دینا چاہتا تھا۔

لیکن جب جعفر چلا گیا تو ہارون نے کہا کہ میں تجھ کو قتل کر کے چھوڑوں گا۔

صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ عجمیت کی وجہ سے عام طور پر برامکہ کا سلوک اہل بیتِ رسولؐ کے ساتھ ایسا ہی تھا۔ گو اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ کوئی قابلِ اعتراض فعل نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اسے مستحسن ہی کہا جائے گا۔ لیکن بنی عباس کی سیاست کے بالکل خلاف تھا، اس لیے اس سے ہارون کی برگشتگی میں اور اضافہ ہو گیا۔

برامکہ کے اثر و اقتدار نے ہارون کو نہ صرف مسلوب الاختیار کر دیا تھا بلکہ رعایا بھی انہیں کو بادشاہ سمجھنے لگی تھی۔ سلطنت کے تمام عمائد ہارون کو چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ سلاطین و امراء ہدایا و تحائف براہ راست برامکہ کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ خراج کی کل رقم انہی کے پاس آتی تھی۔ اور انہی کے قبضے میں رہتی تھی جسے وہ ہر طرح کے جائز و ناجائز اخراجات میں صرف کرتے تھے۔ اور ہارون الرشید کے ضروری اخراجات کے لیے بھی مشکل سے رقم نکلتی تھی۔ برامکہ کے ایک محل پر دو دو کروڑ درہم صرف ہو جاتے تھے۔ حکومت کے تمام بڑے اور معزز عہدوں کی کتابت، قیادت اور حجابت وغیرہ پر برامکہ نے اپنے خاندان [illegible] بھر دیا تھا۔

ان حالات نے ایک طرف ہارون الرشید کے دل میں ان کی جانب سے بدگمانی پیدا کر دی، دوسری طرف دوسرے عباسی متوسلین میں ایک جماعت ان کے خلاف ہو گئی۔ جس نے ہارون الرشید کو ان کے خلاف ورغلانا شروع کیا جس میں خود جعفر کے ننھیالی رشتہ دار بھی تھے۔

لیکن ہارون الرشید پر برامکہ کا اثر اتنا غالب تھا کہ ابتداء میں اس نے ان شکایتوں کی جانب کوئی توجہ نہ کی۔ مگر ان کی خودسری نے ہارون کے دماغ میں بھی رفتہ رفتہ یہ بات جما دی کہ سب اس کو عضو معطل بنا کر سلطنت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

یہ ایک نفسیاتی مسئلہ ہے کہ صرف نقطۂ نظر بدل جانے سے وہ شے جو کبھی ممدوح ہوتی ہے مذموم نظر آنے لگتی ہے۔ اس کا یہ عبرت انگیز واقعہ سننے کے لائق ہے کہ دجلہ کے ساحل پر قصر شاہی کے بالمقابل برامکہ کے محلات و قصور تھے۔ ہارون کے طبیب خاص بختیشوع کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں ہارون کے پاس گیا۔ اس وقت برامکہ کے محلات کے سامنے سوار و پیادہ حاجت مندوں کا ہجوم تھا۔ ہارون نے کہا۔

خدا یحییٰ کو جزائے خیر دے۔ اس نے مجھ کو کتنی زحمتوں سے بچا کر عیش و آرام دیا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد پھر جانے کا اتفاق ہوا تو پھر وہی منظر تھا۔ لیکن ہارون برامکہ سے

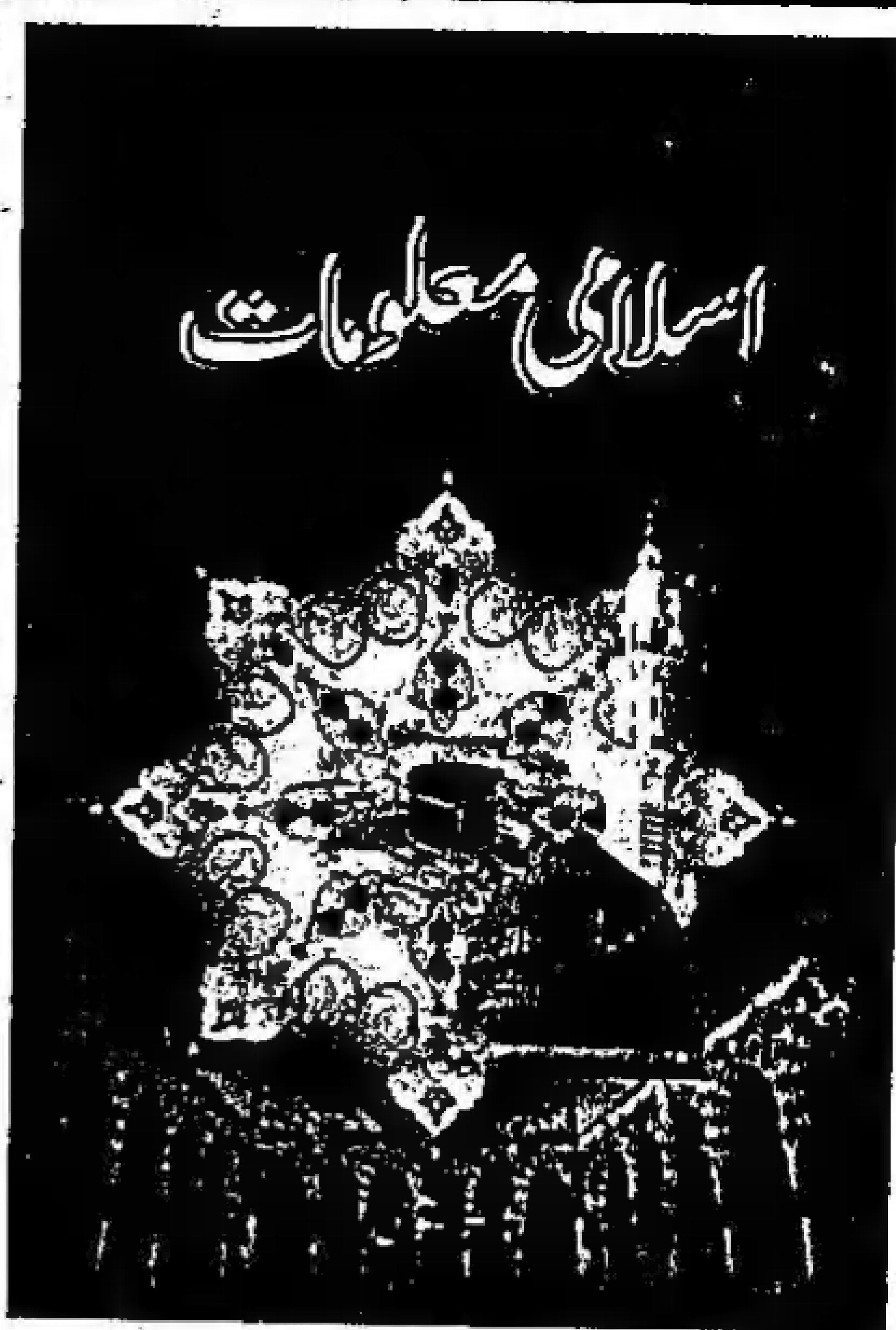
بدظن ہو چکا تھا۔ اس مرتبہ اس نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ خدا یحییٰ سے سمجھے، حکومت کا مختارِ کل بن گیا ہے اور میرا صرف نام رہ گیا ہے۔

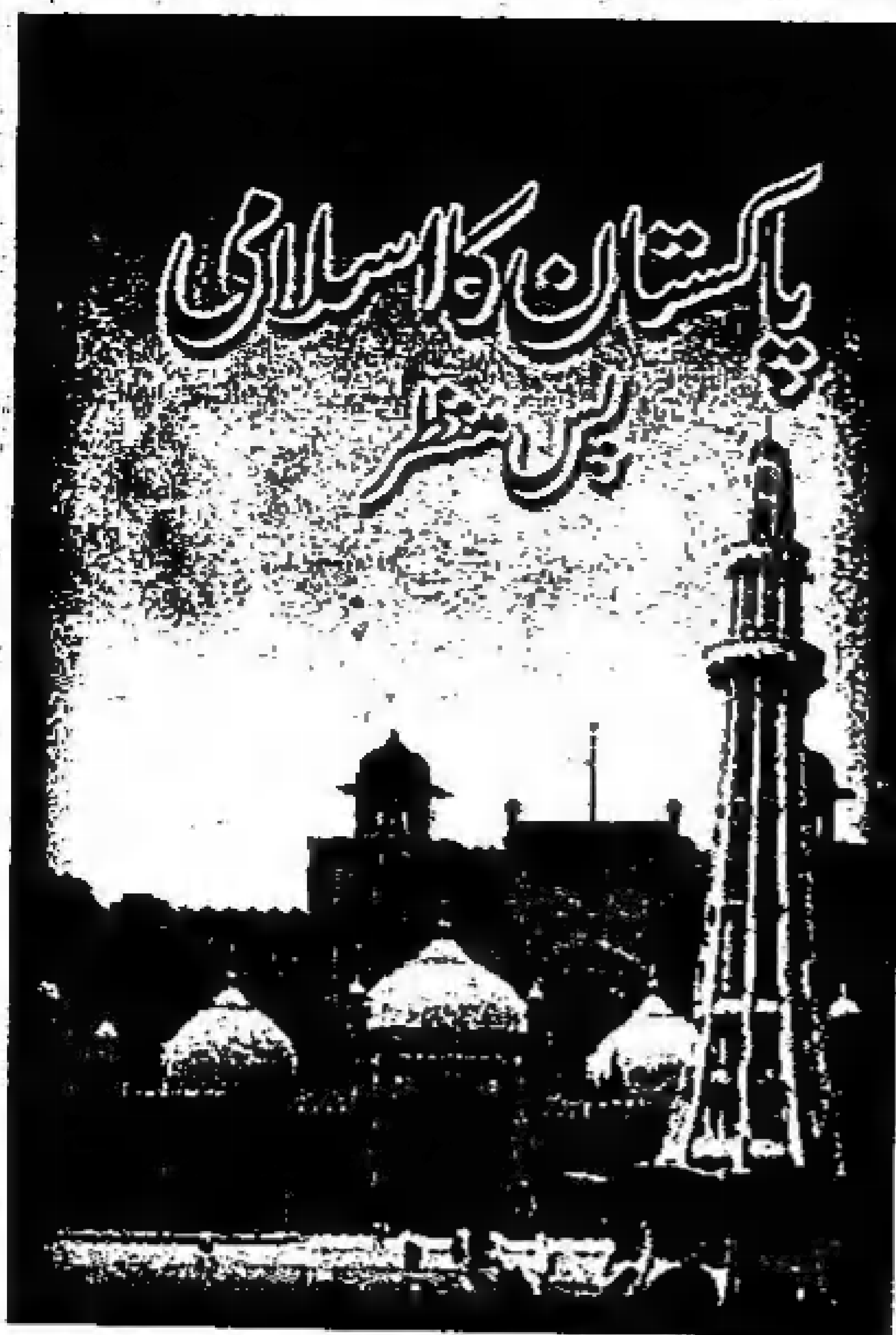
برامکہ کا قتل و حبس

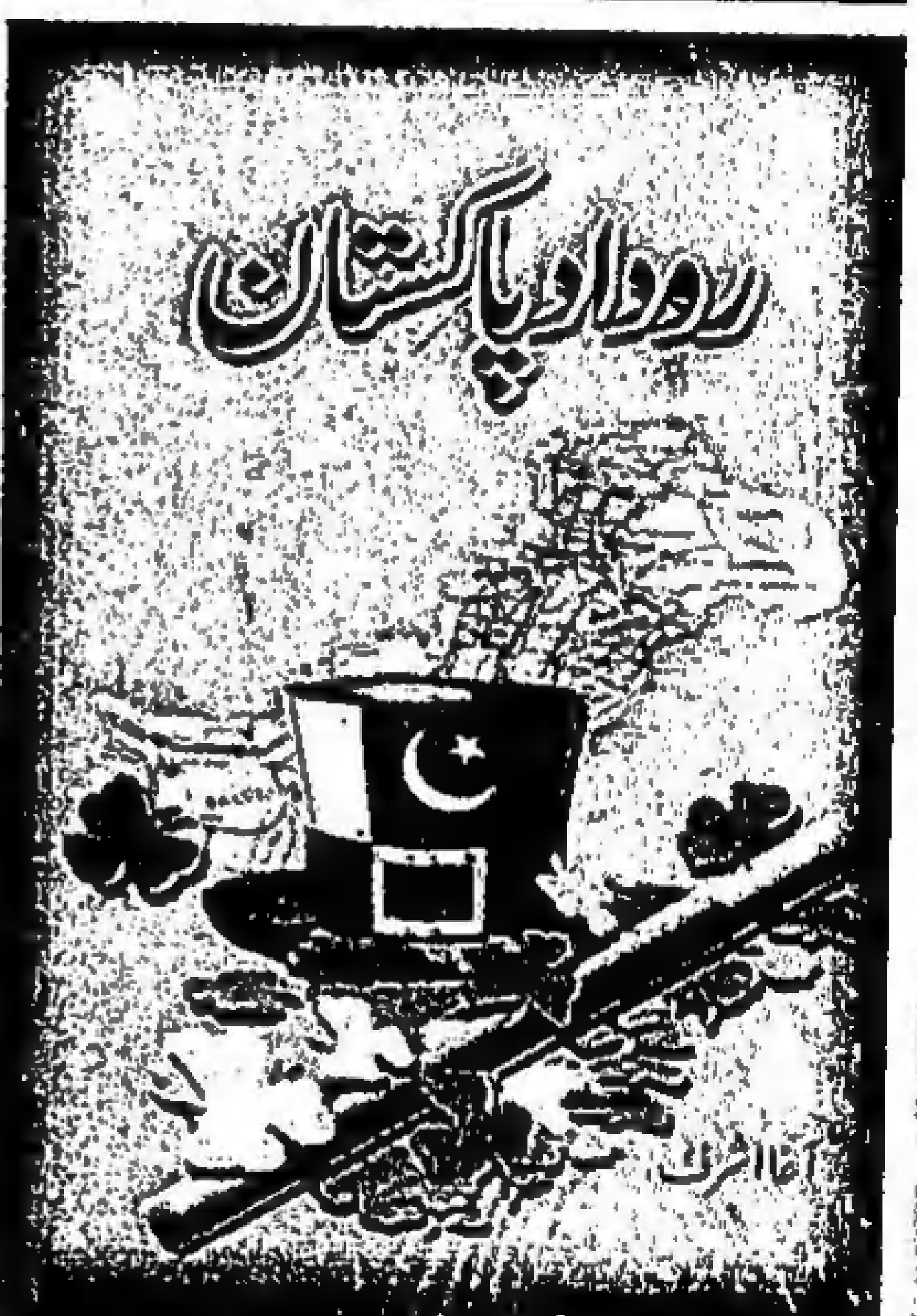
غرض مذکورہ بالا اسباب کی بنا پر برامکہ کے آفتابِ اقبال پر زوال آ گیا۔ اور ۱۸۷ھ میں ہارون نے جعفر کو قتل کرا دیا۔ اور جعفر اور یحییٰ قیدِ محن میں ڈال دیے گئے۔ خاندانِ برامکہ میں محمد بن خالد کے سوا کوئی فرد قید کی مصیبت سے نہ بچا۔ ان کے محلات، باغات، جائدادیں، نقد و جنس غرض کل اثاثہ ضبط کر لیا گیا۔ یحییٰ اور فضل دونوں باپ بیٹے جیل کے مصائب اور سختیاں جھیلتے جھیلتے بالترتیب ۱۹۰ھ اور ۱۹۳ھ میں نہایت بیکسی کے عالم میں مرے۔ یا برامکہ کا وہ اقبال تھا کہ بڑے امراء اور عمائد ان کی آستان بوسی کو فخر سمجھتے تھے۔ ان کی زرپاشیوں نے دجلہ کے بالمقابل سونے اور چاندی کا دریا بہا دیا تھا۔ ان کا محل فقیروں اور حاجت مندوں کا ملجا و ماویٰ تھا۔ علماء، شعراء اور دوسرے اربابِ کمال ان کی فیاضیوں سے مالا مال تھے۔ یا یہ ادبار آیا کہ جعفر کی ماں عبادہ جس کی خدمت میں چار چار سو کنیزیں رہتی تھیں، عین عید کے دن پھٹے پرانے کپڑوں میں محمد بن عبدالرحمٰن امام مسجدِ کوفہ کے گھر معمولی امداد کے لیے نظر آتی ہے اور اس کے پاس بکری کی دو کھالوں کے سوا جن میں سے ایک اوڑھتی اور ایک بچھاتی تھی اور کچھ نہیں ہے۔ جعفر کے قتل کے بعد ہارون کی مسرتوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد پھر کبھی اس کے چہرے پر خوشی کی جھلک نظر نہ آئی اور وہ ہمیشہ ان کے غم میں سوگوار رہا۔

ماخذ

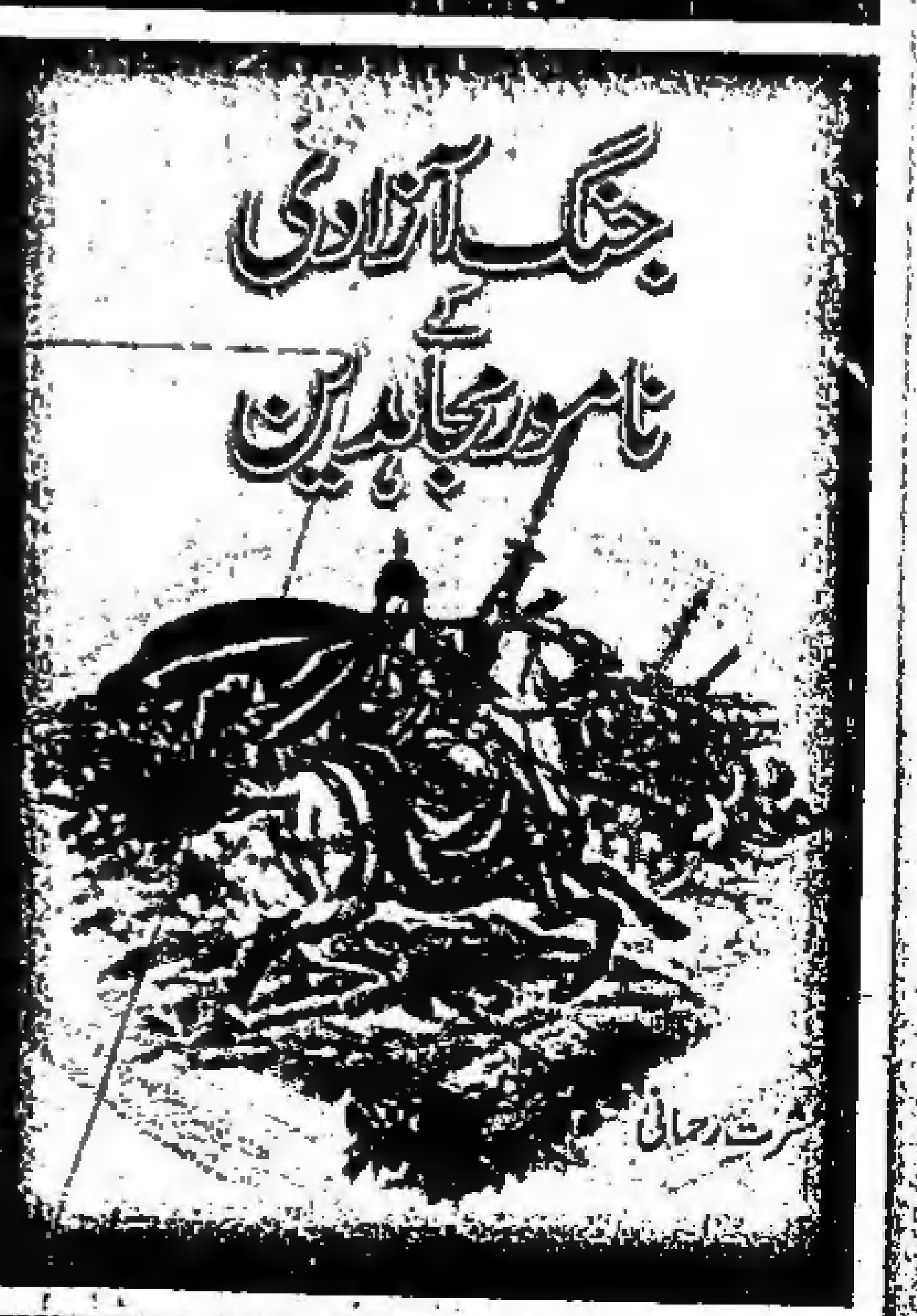
ہارون الرشید (پامر) الہارون (عمر ابوالنصر) البرامکہ، ابن خلدون، کامل ابن اثیر، اعلام الناس، روضۃ الصفا، تاریخ الفی، البرامکہ تحت ظلال الخلفاء (مطبوعہ مصر) تاریخ اسلام (عہدِ عباسیہ) مروج الذہب، ابنِ خلکان، ابن خلدون، معارف ابنِ قتیبہ، طبری، الفخری۔


اسلامی معلومات


پاکستان کا اسلامی
پس منظر


روداد پاکستان


لازوال فاتح


جنگ آزادی
کے
نامور مجاہدین


کشمیر کا مجاہد

خلیفہ ہارون الرشید

اور

ان کا عہد

